کتاب نایاب

جواب شرر

مصنفہ

فاضل جلیل زبدۃ العلماء جناب مولانا السید محمد حمید رضا صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہ

جسمیں عبد الحلیم صاحب شرر اڈیٹر رسالہ دلگداز لکھنؤ

کے اسلام سوز اور باطل افروز ناول

سکینہ بنت حسینؑ

کا محققانہ اور بہت مفصل جواب

درج کیا گیا ہے

کئی مفید اور دلچسپ تحقیقی اضافوں کے ساتھ

تیسری مرتبہ

باہتمام سید محمد جعفر پرنٹر پبلشر

مطبع اصلاح کھجوا میں چھپکر شایع ہوئی

خاص التماس

کل ناظرین کتاب ہذا سے یہ ہے کہ آپ حضرات کو خبر ہو گی کہ اس کتاب کے مولف فاضل جلیل برادرم مولوی سید محمد حید رضا صاحب مرحوم سابق مدیر رسالہ الشمس کھجوا طویل اور شدید علالت کے بعد ۱۹ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۵ ہجری کو دنیا سے رحلت کر کے ہم لوگوں کو اپنے غم میں مبتلا کر گئے۔ اس حادثہ کے بعد اب یہ کتاب پھر (تیسری دفعہ) چھپ کر شایع ہو رہی ہے جس کو مرحوم نہ دیکھ سکے اگر مرحوم کی زندگی ہی میں انکی کتاب تیسری دفعہ بھی چھپکر شایع ہوتی تو وہ کس قدر خوش ہوتے۔

اب اگر آپ حضرات ایک سورہ فاتحہ پڑھکر اور مرحوم کی روح کو اُس کا ثواب ایصال کر کے ہمیں شکر گزار کریں تو مرحوم کی روح کو بھی نہایت درجہ مسرت حاصل ہو گی جس پر وہ آپ حضرات کی کمال درجہ شکر گزار ہو گی۔ اور آپ حضرات بھی انشاءاللہ مثاب ہوں گے۔ فقط

احقر علی حیدر عفی عنہ

دفتر اصلاح کھجوا (بہار)

فہرست مضامین مجموعہ جواب شر طبع سوم

فہرست مضامین رسالہ "حضرت سکینہ"

جواب شرر

دیباچہ طبع سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ الطاہرین۔

سنہ ۱۳۱۵ ہجری میں لکھنؤ کے ایک اردو انشاپرداز عبدالحلیم صاحب شرر نے اپنے ماہوار رسالہ دلگداز میں جو اُس وقت شہر حیدرآباد دکن سے شایع ہوتا تھا حضرت امام حسینؑ کی چھوٹی صاحبزادی جناب سکینہ علیہا السلام کا ناول اس عنوان سے شایع کرنا شروع کیا جس کو سوانح عمری کا ملمع کرکے اور تذکرہ نویسی کا لباس پہنا کر عامہ ناس کو دھوکے میں رکھنے کی کوشش کی۔ مگر دنیا سمجھدار طبقہ سے خالی نہیں ہوئی ہے اور نہ وہ سب مبصرین اُٹھ گئے ہیں جو اصل کو ملمع سے چھانٹ سکیں۔ موصوف کا ناول شروع ہونا تھا کہ خواص وعوام اہل اسلام میں بہت بڑی شورش پیدا ہوگئی۔ علماء اہلسنت نے اس ناول کا متعدد جواب دیا اور عامہ ناس نے اپنے غیظ وغضب اور غصہ ورنج سے شرر صاحب کی اس اسلام شکن خدمت سے نفرت ظاہر کی۔ اُس زمانہ کے متعدد روزانہ اور ہفتہ وار اردو اخباروں میں شرر صاحب کے اس ناول کے خلاف مضامین نکلتے رہے۔ اور اس فتنہ سے اسلامی درد رکھنے والی جماعت میں ایک خاص ہیجان پیدا ہوگیا۔ چنانچہ (۱) حضرات اہلسنت کے ایک عالم جلیل اور فاضل نبیل جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب حنفی وکیل ریاست حیدرآباد دکن نے اس ناول کا مفصل جواب لکھکر رسالہ اصلاح کے متعدد نمبروں میں ربیع الاول سنہ ۱۳۱۶ھ تا ماہ رجب سنہ ۱۳۱۶ ہجری تک شایع کرایا اور بہت جامعیت سے اسکی رد لکھی جسمیں تحقیقات علمیہ کا کافی ذخیرہ مہیا کردیا۔

(۲) حضرات اہلسنت کے دوسرے عالم جلیل جناب مولوی حکیم احمد حسین صاحب الہ آبادی مترجم کتاب تاریخ ابن خلدون و مولف کتاب سلطان صلاح الدین وغیرہ نے بھی شرر صاحب کے اس ناول کا جواب بسط اور تفصیل سے لکھکر شایع کیا۔

(۳) روزانہ اخبار نسیم سحر حیدر آباد دکن میں اس ناول کے متعلق متعدد تحریریں شایع ہوئیں۔

(۴) ہفتہ وار اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں اس ناول کے متعلق کچھ دنوں تک بحث جاری رہی۔

(۵) اخبار جریدہ روزگار نے بھی اس ناول کے بارے میں مضامین شایع کئے۔

(۶) روزانہ اخبار دہلی میں بھی کئی تحریریں اسکے خلاف شایع ہوتی رہیں۔

(۷) علمائے شیعہ سے عمدۃ العلماء المحققین مولانا السید محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم ساکن نوہرا ضلع غازی پور نے اس ناول کے متعلق مفصل خطوط شرر صاحب کو لکھے جنمیں انکی غلطیوں پر انکو متنبہ کیا۔ یہ خطوط بھی علمی تحقیقات سے بھرے ہوئے ہیں۔

(۸) فاضل جلیل برادرم مولوی محمد حیدر صاحب مرحوم کیطرف سے مفصل اور بہت مبسوط جواب مسمی بہ جواب شرر ۱۳۱۹ ہجری میں شایع کیا گیا۔

اس طرح اہلسنت اور شیعہ حضرات نے متفقہ طور پر اس ناول کے جواب دیکر حمایت اسلام کا مشترک فرض انجام دیا۔ جسکے بعد یہ فتنہ دب گیا اور اسلامی دنیا اطمینان سے اپنے دیگر امور میں مشغول رہی۔

جواب شرر اس درجہ مقبول کتاب ہوئی اور اتنی پسند کیگئی کہ تھوڑے ہی دنوں میں دو مرتبہ چھپکر مسلمانوں کے علم دوست طبقہ میں کافی طور پر پھیل گئی اور جس نے دیکھا اسکے مضامین کا فریفتہ ہوا اور جس نے پڑھا اسکی تحقیقات پر متحیر رہ گیا۔ کیونکہ یہ کتاب بہت مفید تاریخی معلومات کا ذخیرہ ہو گئی ہے۔

کچھ زمانہ کے بعد اسکے کل نسخے ختم ہو گئے تو تیسری مرتبہ شایع کرنیکی ضرورت نہیں سمجھی گئی کیونکہ شرر صاحب کے ناول کی دھجیاں اُڑ چکی تھیں۔ لوگوں کو اسکے مجموعہ اغالیط و افتراءات ہونے کا یقین حاصل ہو چکا تھا۔ اور ہر شخص نے اس کو

اسی قسم کا فرضی فسانہ سمجھ لیا تھا جیسے شرر صاحب کے اور متعدد ناول ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مگر ادھر چند سال سے پھر کئی کتب فروش۔ مالکان اخبار اور صاحبان مطبع شرر صاحب کے مذکور بالا ناول کو بار بار چھاپکر شایع کرنے اور اشتہاروں کے ذریعہ سے اسکو پڑھے لکھے مسلمانوں تک پہونچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور بعض اخبارات اور رسائل نے اسکے مضامین کو مختصر کر کے جدید لباس میں پیش کرنے کی صورت بھی اختیار کی ہے جس سے کتاب جواب شرر کی طلب بھی ہونے لگی۔ چنانچہ اس کے لئے دفتر اصلاح میں بھی بکثرت خطوط آئے مگر اس کا کوئی نسخہ موجود ہی نہیں تھا۔ اس وجہ سے اس کو تیسری مرتبہ چھپوا کر شایع کرنا ضروری ہوا۔ الحمدللہ کہ اب اس کا یہ طبع ثالث بھی مکمل ہو گیا اور علم دوست طبقہ کی خدمت میں اپنے تحقیقات پیش کر رہا ہے۔ اس دفعہ اس میں دو کتابیں اور اضافہ کیگئی ہیں جو جواب شرر کے سابق دونوں طبعوں میں نہیں تھیں اور غالباً بہت دلچسپ اور مفید سمجھی جائینگی (۱) حضرات اہلسنت کے عالم جلیل جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب حنفی وکیل ریاست حیدرآباد دکن کی کتاب "گلزار ابراہیم" جو رسالہ اصلاح میں ماہ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ ہجری سے ماہ رجب ۱۳۱۶ھ ہجری تک شایع ہوئی تھی۔ اس کتاب کو اس دفعہ جواب شرر میں بھی نقل کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسمیں بہت سے علمی تحقیقات اور تاریخی معلومات درج کئے گئے ہیں۔ اور ممدوح نے اسے بہت قابلیت سے لکھا تھا۔ ضرورت تھی کہ اس زمانہ کے اہل اسلام موصوف کی اس محققانہ تحریر سے بھی باخبر رہیں اور حق و باطل میں آسانی سے تمیز کر سکیں۔ اسی سلسلہ میں دوسرے عالم اہلسنت جناب مولوی حکیم احمد حسین صاحب الہ آبادی مترجم تاریخ ابن خلدون و مولف کتاب سلطان صلاح الدین کی تحریر بھی ہے جو شرر صاحب کے جواب میں ممدوح نے لکھکر گلزار ابراہیم کو مکمل کر دیا تھا۔

(۲) اس حقیر کی جدید کتاب "حضرت سکینہ" جس میں جناب مخدومہ کونین کی مختصر مگر جامع سوانح عمری لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور حضرات اہلسنت و شیعہ کے محدثین و مورخین کی مولفات سے آپ کے اکثر حالات جمع کئے ہیں۔ اگرچہ اس مختصر رسالہ میں جناب معظمہ کے صرف حالات زندگی جمع کئے گئے ہیں مگر شرر صاحب کے افتراءات کی جو رد ہو سکتی تھی انکی بھی توضیح کر دیگئی ہے۔ کیونکہ اس کتاب کی اصل غرض ان شکوک و شبہات کا زائل کرنا ہی ہے جو ابو الفرج کی کتاب اغانی اور شرر صاحب کے ناول سکینہ بنت الحسینؑ سے جناب معظمہ کے متعلق پیدا ہو سکتے ہیں۔

پہلے دونوں طبعوں کی کتاب جواب شرر صرف ۲۷۶ صفحہ میں شایع ہوئی تھی۔ اس دفعہ ۴۰۴ صفحہ کی طبع کی گئی ہے۔ اس طرح کہ دیباچہ طبع ثالث ۸ صفحہ۔ گلزار ابراہیم ۴۰ صفحہ۔ جواب شرر ۲۷۶ صفحہ اور سوانح عمری جناب سکینہؑ ۸۰ صفحہ۔

اس رسالہ کے مضامین حسب ذیل کتابوں سے لئے گئے ہیں

کتب اہل سنت			کتب شیعہ
صراح	تفسیر کبیر	تقریب التہذیب	ارشاد
منتہی الارب	تفسیر در منثور	الفاروق	اعلام الوریٰ
قاموس	کتاب العبر	سیرۃ النبیؐ	بحار الانوار جلد ۱۰
مغنی	جامع البیان	صحیح بخاری	" جلد ۱۱
اغانی	وفیات الاعیان	مروج الذہب	جلاء العیون
سیرۃ النعمان	تحفہ اثنا عشریہ	مقدمہ تاریخ ابن خلدون	ناسخ التواریخ
تاریخ طبری	عمدۃ الطالب	لسان المیزان	کشف الغمہ
تاریخ کامل	کشف الظنون	رسائل شبلی	مناقب ابن شہر آشوب
نور الابصار	اصابہ	نصائح کافیہ	لہوف
معارف	تہذیب التہذیب		
فصول مہمہ	اسماء الرجال مشکوٰۃ		
اسعاف الراغبین	فصل خطاب		
مرآۃ الجنان	ینابیع المودۃ		
شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید	وسیلۃ النجاۃ		
مشارق الانوار			

گلزار ابراہیم

کہاں ہیں ہمارے معزز ناظرین؟ آپ تو سمجھ رہے ہونگے کہ مذہب اسلام پر جو گھنگھور گھٹائیں ہر طرف سے چھا رہی ہیں۔ آئے دن مخالفین معاندین۔ اور مشرکین کے جو حملے ہو رہے ہیں اونکے روکنے یا اوس اندھیرے جال سے محفوظ رہنے کیلئے اب ہمارے پاس کوئی آلہ ہی نہ رہا! جسنے جو کچھ کہا اوسے خواہی نخواہی سن لینے پر مجبور ہو گئے ہیں مگر نہیں نہیں آپ گھبرائیں نہیں ابھی اسلام کے چمکتے ہوئے آفتاب پر کوئی خاک جم نہیں سکتی اوسکی علمی شعائیں ابھی ایسی ہیں کہ مخالفین اسلام کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ مگر

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اللہ رکھے اسلام کے نام لیوا اب بھی سیکڑوں ایسے موجود ہیں کہ جو اسکو برا بھلا کہتے دیکھنا تو درکنار اوس پر کسی ناجائز آنے والے خیال کو بھی روا نہیں رکھ سکتے۔ دور کیوں جائیے سردست مسٹر عبد الحلیم صاحب شرر نے جو مضمون سکینہ بنت الحسین علیہ السلام کے بارہ میں اپنے پرچہ دلگداز میں شایع کیا تھا جس سے عوام میں اور خاصکر حیدر آباد دکن میں جو کچھ بدگمانیاں اور شورشیں پھیلیں اور جسکا اعتراف بھی اخبار جریدہ روزگار کے کسی ہفتہ میں کیا تھا۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ اوسکے جواب میں جو جو خامہ فرسائی ہمارے فاضل جلیل جیسر نبیل مولوی محمد ابراہیم صاحب وکیل حنفی حیدر آبادی نے فرمایا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے۔

میرے پاس وہ کل مجموعہ ایک خاص ذریعہ سے پہونچا ہے جسکا اشتہار بھی "جواب شرر" کے عنوان سے آپ اصلاح کے چند نمبروں میں دیکھ چکے ہیں جو مجموعہ ہے متفرق چند تحریرات کا جنمیں وہ ایک بسیط کتاب کی حیثیت رکھنے والا جواب ہے لہذا اسوقت میں اوسمیں کا چار صفحہ آپ حضرات کے سامنے پیش کرکے آپکے خیالات کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں اگر آپ آیندہ اجازت دینگے تو اسی اصلاح کیساتھ اوسے بھی یا دینگے۔ والا وہ علحدہ بطور رسالہ کے تو چھپے ہی گا جیسے آپ بقیمت دیکھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معدن الفضائل و منبع الفواضل و مفخر الافاضل جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب دام اللہ مجدہ
جریدۂ روزگار مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۸۹۷ء میں ایک خط مولوی عبد الحلیم صاحب شرر کا بجواب
سید محمد جامع شایع ہوا تھا چونکہ آپ بھی طبقۂ علمائے کرام میں معدود ہیں اسلیئے میں بکمال
ادب ملتمس ہوں کہ اس جواب کے مادہ میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں کہ کیا ہملوگ
اُنکے جواب کو صحیح سمجھکر اوسپر ایمان لاویں یا آپ اسکے خلاف میں کچھ ارشاد فرماتے ہیں
مجھے اُمید ہے کہ آپ باقتضائے حمیت اسلامی اس موقع پر سکوت و اعراض سے کام
نہ لینگے و مسلمانوں کے ارشاد میں دریغ نہ فرمادینگے۔ والسلام   آپکا مخلص
قاری محمد علاء الدین لاہوری

الجواب ومن اللہ التوفیق

خامہ فرد ہشتہ بود آیت تنزیل را   باز دمیدن گرفت صور سرافیل را

الصدیق الصدوق الاعز من بعض الانوق قاری محمد علاء الدین صاحب دامت مفاخرہ زادت نامۂ
گرامی بلاطفہ پہونچا آپکو معلوم ہے کہ مجھے اشغال دنیویہ سے مسائل علمیہ کی طرف متوجہ ہونے
کی فرصت ہی نہیں ملتی اور رات دن کی زق زق بق بق تضیع اوقات کی کوفت سے
میرا سینہ تنگ ہوگیا ہے ؎ عشق نے غالب نکما کر دیا   ورنہ ہم بھی آدمی تھے
کام کے۔ آپ نے مجھسے ناکارہ کو اس قابل سمجھا ہے کہ مجھسے اس مسئلہ میں رائے
لیتے ہیں میں آپ کے اس حسن ظن کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن مثل مشہور ہے کہ من
آنم کہ من دانم میں کیا اور میری رائے کیا ایک مجہول سے مجہول کا سوال کیا جاتا ہے
لیکن خیر جو کچھ میرے خیالات پریشان اس جواب کے مادہ میں ہیں آپ کی خاطر سے سپرد
زبان خامہ کرتا ہوں۔ میں نے قبل اسکے مولوی عبد الحلیم صاحب شرر کے ناول مبعوث
عنہ پر ایک عام شورش مسلمانوں کی سُنی اسی اثنا میں یہ غل ہوا کہ ہمارے دوست
سید جلیل علامہ بعدیل جناب سید مرتضیٰ صاحب نے شرر صاحب کو ایک دوستانہ خط

لکھا ہے جسمیں اونھوں نے اس ناول نویسی سے باز آنیکی انکو رائے دی ہے
میں نے بھی آخر میں ان تمام تحریرات کو دیکھا ہمیں کچھ شک نہیں ہے کہ اگر
پہلے ہی خط پر ہمارے سید صاحب کے مولوی شرر صاحب عنان خامہ روک لیتے
اور جادۂ عقل و راستی اختیار کر لیتے تو اچھے رہتے اور آج یہ رسوائی اونکو
نصیب نہوتی لیکن پہلا ہی جواب جو شرر صاحب نے سید صاحب کو لکھا اسی میں
سخت کلامی اور بازاری گالیوں کے قریب آگئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
شرر صاحب دفعتہً اسقدر بھڑک اُٹھے کہ خاکی نہ رہے ناری بنگئے پھر تو سید صاحب
کی رگ ہاشمی کو حرکت ہوئی اور اُنھوں نے شرر صاحب کے سارے آتش فشانیوں کو
گرد برد کر کے یا نار کونی برداً و سلاماً کا جلوہ دکھا دیا اور اونکی تمام لن ترانیوں کو
خاک کر ڈالا۔

لیکن افسوس ہے کہ سید صاحب کا جواب ناتمام رہا اور جناب شمس العلماء سید علی صاحب
بلگرامی کی ممانعت کی وجہ سے بقیہ حقائق و دقائق پردۂ خفا میں مستور رہے
پھر بھی جہانتک سید صاحب نے لکھا ہے انکی جدت ذہن اور جودت طبع اور حکمت
طرازی کی چمک دمک ایسی نہیں ہے کہ کوئی عاقل ان تحریر کو دیکھکر بے اختیار
ہو کر بے نظیر نہ کہہ اُٹھے ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔ البتہ اگر
مجھے اختلاف ہی تو اس دلیل و رائے سے ہے جو جناب شمس العلماء کی امتناع
سے متعلق ہے اونکا یہ خیال ہے کہ سید مرتضیٰ صاحب سے لکھیں تحریر اور فاضل
بے نظیر کا مخاطبہ مولوی شرر صاحب سے شرر صاحب کو ایک قسم کی عزت بخشتا ہے
جسکے وہ کسی طرح مستحق نہیں ہیں۔ مگر میں عرض کرتا ہوں کہ یہ توضیح ہے لیکن اگر ہمارے
علما ایسے اشخاص نیم ملا خطرۂ ایمان کے واہی تباہی تحریرات کی رد و تنقیح
سے اس خیال پر سکوت اختیار فرما دینگے تو عوام میں شبہات بمرور ازمنہ شاید
یقینیات کا مرتبہ حاصل کر لینگے اور ایک بڑا گروہ مسلمانوں کا وادی حیرت و جہالت
میں گشتہ ہو کر ہلاک ہو جاویگا۔ ہاں ایک دوسرا سبب بھی سید صاحب کی تحریر کے

کہ اس حکیمانہ تحریر پر مسائل دقیقہ فلسفیہ کا رنگ چڑھایا گیا ہے جسکی وجہ سے شرر صاحب
کی فہم سے یقیناً باہر ہوگئی ہے اور وہ خفا ہوکر ضرور انکی برائی کرینگے اور کرتے
ہیں لیکن بقول متنبی حکیم العربیا

واذا اخفیت علی الغبی فعاذر   ان لا ترانی مقلة عمیاء

سید صاحب کے لئے اونکی بدگوئی کیا نقصان پہونچا سکتی ہے۔ خیر وہ ایک
افسوسناک واقعہ ہے جسپر الخیر فیما وقع کہدینا مناسب ہے اب آپکو اسقدر
ملحوظ فرمالینا چاہیے کہ سید مرتضیٰ صاحب کے جواب الجواب میں کوئی پہلو جامعیت
کا ایسا فروگذاشت نہیں ہوا ہے جسکے احاطہ سے باہر ہوکر کوئی جواب لکھ سکے میں
جو کچھ عرض کرونگا وہ گویا اسی حکیمانہ تقریر اور فلسفیانہ تحریر کے اجمال کی تفصیل ہوگی۔
آپ اسکو بھی یقین فرمائیے کہ میں مولوی عبد الحلیم صاحب کی کنہ حقیقت سے
اوس زمانہ سے واقف ہوں کہ جب وہ شرر نہ تھے فقط عبد الحلیم تھے اور اگر
شرر تھے تو میرے ہی دل بیتاب تک اونکی شررافشانی محدود تھی اب میں
لکھنؤ کے عنفوان عہد شباب کے افسانہ یہاں کیا ذکر کروں ع یہ قصہ ہے جبکا کہ
آتش جوان تھا،،

سقی اللہ لیلاتی علی السفح بالوی   وعہد الصبا ما کان احلاہ من عہد
فواہاً لہا بل آہ مما تصرمت   ولو ان آہی بعدہا ابداً تجدی
زمان لنا بالعامریة کلہ   ربیع وایام لنا فیہ کالورد

اسکے بعد الہ آباد میں شرر صاحب کی دھوم سُنی لوگوں سے پوچھا کہ شرر
صاحب کون ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ وہی فتنۂ روزگار ہیں جنکے نسبت میرا یہ خیال تھا
کہ ع   پارہ خواہد شد ازیں دست گریبانے چند۔
ایک زمانہ تک شرر صاحب کی ناول نویسی گوش زد ہوتی رہی مگر کوئی شعر اون کا
نظر سے نہ گذرا جس سے اونکی شاعری کا اندازہ ہوتا شاید یہ تخلص نثر ہی کے لئے
موضوع ہے واللہ اعلم۔

اب حیدرآباد دکن میں چند روز سے سنتا ہوں کہ وہ چند جہلا کے مجمع میں ہم رتبہ امام رازی اور حکیم طوسی خیال کیے جاتے ہیں اسوقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ

دہن پر ہیں اونکے گماں کیسے کیسے — کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے
زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا — بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

خیر یہ سب جو کچھ ہے اوس کو میں خوب جانتا ہوں اب اصل سخن کا جواب سنئے کہ مولوی عبدالحلیم صاحب نے جو کچھ عذر اپنے بیہودہ ناول کی نسبت لکھا ہے وہ مصداق عذر گناہ بدتراز گناہ ہے۔

عبارت جریدۂ روزگار

حضرت سکینہ کی سوانح عمری اور مولانا شرر لکھنوی

جناب ایڈیٹر تسلیم۔ براہ عنایت اس خط وکتابت کو اپنے اخبار گہربار میں جگہ دیکے مجھے ممنون فرمائیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خط وکتابت دلچسپ ہی نہیں اسکی اشاعت ضروری ہونا چاہئے۔ دستخط سید محمد جامع

مخدومی مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر۔ تسلیم۔

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا — کہتی ہے تجکو خلق خدا غائبانہ کیا

جوطرف ہنگامہ بپا ہے اور ہر شخص کی زبان پر ہے کہ آپ نے اہلبیت نبوت رضوان اللہ تعالے اجمعین کی توہین کی اگر یہ صحیح ہے تو نہایت افسوس کی بات ہے آپ سے مجھے ایسی امید نہ تھی اسلئے کہ عرصہ تک آپ کی ذات سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچا ہے۔ میں اون لوگوں میں نہیں ہوں جو پس پشت گالیاں دیتے پھریں اور سامنے آکے آپ ہی کی سی کہدیں" لہذا مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اصلی حالات کو آپ ہی سے کہہ کے دریافت کرلوں از راہ کرم سچ سچ بتائیے کہ کیا حقیقت میں آنکو اہل بیت کی محبت نہیں ہے۔

والسلام۔ آپکا خادم سید محمد جامع

قدر افزائے من - تسلیم

یاد آوری کا شکریہ۔ مخدومی اہل بیت نبوت رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا بڑا مرتبہ ہے
میں تو انکی محبت کو جزو ایمان سمجھتا ہوں۔ نہ کہ معاذ اللہ انکی طرف سے کسی قسم کی
سوء اعتقادی ہو مگر بدگمانی نا سمجھے اور بے تحقیق کے محض سنی سنائی باتوں پر
یقین کر لینے کا علاج نہ میرے پاس ہو اور نہ شاید آپ کے پاس ہوگا سوا اس کے
فصبرٌ جمیل کہہ کے خموشی اختیار کر لیجائے اور کوئی بات میرے ذہن میں نہیں آتی۔
باقی رہی یہ بات کہ مجھے اہلبیت نبوت سے محبت ہے یا نہیں یہ ایک دینی اور
عقیدتی معاملہ ہے جس کا اصل تعلق خدا کے ساتھ ہے کوئی کسی کی قبر میں نہیں جائیگا
لہذا کوئی کسی سے پوچھنے کا بھی مجاز نہیں۔ تاہم میں آپکو اطمینان دلانے کیلئے
کہدیتا ہوں کہ جس طرح کوئی رسول اللہ کی محبت کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا اسی طرح
اہلبیت کی محبت بھی مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے اور چونکہ میں الحمد للہ اپنے
کو مسلمان سمجھتا ہوں لہذا ان دو محبتوں کو بھی اپنے ایمان کا ایک ضروری جزو
خیال کرتا ہوں۔

اقول۔ اولاً حضرت کے دعوائے فضل و کمال پر اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی
ہے کہ آپ نے رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ارشاد فرمایا ہے اور لفظ (علیہم) آپکو نہ سوجھی
جس کے نہ ہونے سے یہ جملہ خبط ہوگیا ہے مگر معاف کیجئے گا یہ میری غلطی ہے کہ
آپ سے اور اس جملہ کے صحت کی امید۔ آپ کی انتہائے بلند پروازی ناول نویسی
اور لکھنؤ کی بازاری زبان کی تک بندی ہے آپکو صرف و نحو اور تعقل ترکیب کلام
عربی سے کیا مناسبت ہے حضرت مولانا معنوی کی مثنوی کو دیکھئے کہ شعر میں
بھی انھوں نے ایسے ہی مقام پر لفظ علیہم کو ترک کرنا ناجائز خیال فرمایا ہے ؎

اہل دنیا از کہین و از مہین — لعنۃ اللہ علیہم اجمعین

ثانیاً مولوی جامع صاحب کی محبت بھی جزو ایمان شرر صاحب ہے لیکن یہ ارشاد
نہ ہوا کہ کس حیثیت سے انکی محبت کو مولوی شرر صاحب اپنا جزو ایمانی جانتے ہیں

ممکن ہے کہ کسی شخص میں بعض جہات وحیثیات اوس کے آثار وافعال سے متعلق ایسے پائے جاویں جنکی وجہ سے اوسکی محبت اس حیثیت سے سراسر منافی ایمان ہو لہذا اس کی تعیین اشد ضروری تھی اور اس ترک کی وجہ سے یہ جملہ بھی ردیف جملہ اول ہوگیا ہے۔

ثالثاً۔ مولوی شرر صاحب اپنی برائت سوء اعتقادی سے فرماتے ہیں جو اہلبیت رسالت سے متعلق ہو لیکن یہاں پر مصادرہ علی المطلوب حضرت سے واقع ہوگیا ہے کہ دعوی عین دلیل ہوگیا ہے آخر اسپر کیا دلیل ہے اگر محض کہی قول دلیل ہے تو ذرا یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم کو یاد فرمائیے اور دل ہی دل میں شرمائیے۔ رابعاً۔ آگے چلکر ابھی آپکو معلوم ہوجائیگا (بشرطیکہ آپ سمجھ سکیں گے ورنہ بقول شخصے (میں نہ سمجھوں تو مجھے کیا کوئی سمجھا دیگا) کہ نافہم اور ناتحقیق کون ہے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

اُردو زبان میں آپ اپنے تئیں سعدی ہند یا میر انیس وآتش سے کم نہیں سمجھتے لیکن پھر بھی ناسمجھے کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو محض غلط ہے شاید شرر صاحب نے کہیں دیکھا ہو لیکن فقیر نے تو آجتک اکابر شعرائے اُردو کے کلام میں لفظ (نا) کو (سمجھے) کے ساتھ استعمال ہوتے نہیں دیکھا تعجب ہے اسی سے متصل ناتحقیق کئے ہوئے بجائے (بے تحقیق کئے ہوئے) بھی فرماتے تو زیادہ لطف آتا۔

خامساً۔ فصبر جمیل کا جملہ بھی کس قدر برمحل استعمال ہوا ہے آپ نے ایسے بیہودہ ناول سے خاندان رسالت پر ظلم عظیم کیا اور مسلمانوں کا دل دکھایا ہے۔ صبر شان مظلوم ہے۔ اگر ظالم صبر کرے تو وہی مثل ہے کہ دروغ گویم بر روئے تو۔ اور تو کوئی تمثیل اسکے سوا میرے ذہن ناقص میں نہیں آتی اور شاید آپ کے ذہن مبارک میں بھی نہ ہو۔ اس دلیری پر آپ کے سوائے خموشی کے مسلمانوں کو اور کیا چارہ کار ہے آپ ہی ارشاد کیجئے میرے ذہن میں تو کوئی بات نہیں آتی۔ اب یہ جواب آپ کو مسلمین بدلا کا مزہ چکھا دیگا ۔ ومادم اهل الظلم تبغی قصعف بهد ولکن من یرحم الیه نظرهم

قال باقی رہی یہ بات کہ مجھے اہل بیت نبوت سے محبت ہے یا نہیں الی قولہ ضرور دی

اقول اولاً یہ فرمانا کہ عقائد دینیہ کا تعلق خدا کے ساتھ ہے اس لئے کوئی کسی کے پوچھنے کا مجاز نہیں ہے یہ علت و معلول بھی طرفہ معجون ہے اس شکل کی کبریٰ ایسی ہے جسکی کلیتہ غیر مسلم ہے گویا یہ جملہ اس شکل کے حکم میں ہے کہ عقائد دینیہ کا تعلق خدا سے ہے اور جس کا تعلق خدا کے ساتھ ہو اوس کے نسبت کوئی کسی سے پوچھنے کا مجاز نہیں ہے کلیتہ کبرے غیر مسلم ہے اس لئے کہ عقیدہ تشریک واجب الوجود و تعدد الہ کا تعلق خدا سے ہے لیکن رسول اللہ اور اون کے خلفاء و اتباع مشرکین سے پوچھنے کے مجاز ہیں نہ فقط پوچھنے کے بلکہ کفش کاری بلکہ قتل کے بھی مجاز ہیں لیکن بشرطہ و شروطہ ذرا یہ آیہ یاد کیجیے۔ فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد اھ کیا افسوس ہے کہ مشرکین کی اتالیقی اگر آپ کو سپرد ہوتی تو آپ اونکو یہ تعلیم کر دیتے کہ عقائد دینیہ کا تعلق خدا کے ساتھ ہے اسلئے کوئی کسی سے پوچھنے کا مجاز نہیں ہے مشرکین کا دین ہی شرک تھا اس صورت میں مشرکین اسی قصد کی تعلیم کی بنا پر مسلمانوں کو الزام دیکر ساکن و ساکت کر سکتے تھے مگر افسوس۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ نصاری تثلیث کے معتقد ہیں جب کوئی مسلمان اُن سے دلیل پوچھے اور ابطال کرنا چاہے تو وہ آپ کی ہدایت کے موافق کہدینگے کہ اجی کیوں بک بک کرتے ہو مسلمانوں کے (پیرو) مولانا شہ صاحب فرماچکے ہیں کہ عقائد دینیہ کا تعلق خدا کے ساتھ ہے کوئی کسی سے پوچھنے کا مجاز نہیں ہے تم فضول کیوں ہمارا سر کھاتے ہو اور ہم سے پوچھ رہے ہو؟۔

ثانیاً۔ اگر آپکو مسئلہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کی ذرا خبر ہوتی تو اس آزادی سے یہ جملہ نہ لکھ جاتے اس لئے کہ ہر تارک واجب و فاعل حرام آمر بالمنکر والناہی عن المعروف یہی کلیہ آپ کا اپنے عذر میں پیش کر سکتا ہے کہ عقائد دینیہ کا تعلق خدا کے ساتھ ہے اسلئے کوئی کسی سے متعرض ہونے کا مجاز ہی نہیں ہے اب ذرا ادھر

ملاحظہ فرمائیے اور اس مسئلہ کو بھی سمجھ لیجئے۔

قال العلامۃ التفتازانی فی المقاصد قد انطبق الکتاب والسنۃ والاجماع علی وجوب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر فالمراد بالمعروف الواجب وبالمنکر الحرام قال فی شرحہ اما الکتاب فقولہ تعالی ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واما السنۃ فقولہ مروا بالمعروف وانہوا عن المنکر وقولہ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ واما الاجماع فہو ان المسلمین فی الصدر الاول وبعدہ کانوا یتواصون بذالک ویوبخون تارکہ مع الاقتدار علیہ۔ یہی وجہ تو ہمکو داعی ہوئی کہ ہم آپ کو اس فعل قبیح ناول نویسی سے منع کریں اور آپ اسیر بگڑے جاتے ہیں جامہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں لیکن ہم اسوقت تک آپ کی خدمت میں بکمال ادب یہی گذارش کرتے جاوینگے جب تک آپ میں قوت تاثر ہمارے خیال میں پائی جاوے گی اسلئے کہ منجملہ شرائط امر بالمعروف والنہی عن المنکر ایک شرط یہ بھی ہے کہ آمر وناہی کے نزدیک اسکے امر یا نہی کی تاثیر دوسرے پر ممکن ہو اور اس سے مایوسی نہ ہو جاوے۔ قال العلامۃ التفتازانی فی شرح المقاصد ومنہا التاثیر بان لا یعلم عدم التاثیر قطعا لئلا یکون عبثا واشتغالا بما لا یعنی۔

ہاں ایک صورت اور بھی ہمارے سکوت کی ہے کہ جب آپ اعوجاج وکجروی پر کمربستہ ہو کر کسی دوسرے کے زور پر کسی بڑے مفسدہ پر آمادہ ہو جاوینگے اوس وقت بھی یہ وجوب ساقط ہو جاویگا۔ قال العلامۃ التفتازانی فی شرح المقاصد ومنہا انتفاء مضرۃ او مفسدۃ اکثر من ذالک المنکر او مثلہ اسلئے کہ ہمکو کوئی مفسدہ اس نہی سے ہرگز مقصود نہیں ہے ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

قابل غور ہے کہ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں فرمایا ہے کہ جو شخص ہیأت تماثیل میں

تغیر و تبدل پیدا کرے یا اذان میں کوئی جزو بڑھا دے وہ بھی مورد النہی عن المنکر ہوسکتا ہے تو جو شخص اپنے ناول نویسی سے ہمارے رسول کی نواسیوں کی تفضیح کرے وہ بدرجہ ادنیٰ منکر علیہ اور منفور عنہ واقع ہوسکتا ہے اور تمام مسلمانوں پر یا اکثر پر واجب ہے کہ انکو اس ناسزا حرکت سے باز رکھیں بالوجوہ المذکورۃ۔

ہمارے شرر صاحب نے اپنی تحریر میں واعظانہ رنگ بھی اختیار کرلیا ہے اور مسلمانوں کے واعظ بھی بنتے ہیں جسکے وہ مستحق نہیں ہیں اسوجہ سے بھی ہمکو ضرور ہے کہ ہم انکو اس منصب جلیل سے کنارہ کش ہوجانے کی صلاح دیں اور اون کے اس فعل پر سخت انکار و نفرت ظاہر کریں قال فی شرح المقاصد و ینکر علی من یتصدی الافتاء او التدریس او الوعظ و ہو لیس من اہلہ۔ اب یہ بیان کرنا چاہئے کہ یہ حضرت کیوں مستحق نہیں ہیں وہ ان کے افراد تسلسلہ جہالات سے خود واضح ہے جو صفحہ قرطاس پر عیاں ہوکر ناظرین کے لئے مزیل تعجب ہو رہے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ثانیاً یہ فقرہ بھی کسقدر معنی خیز ہے کہ کوئی کسی کی قبر میں نہیں جاویگا اس لئے اوس سے کچھ پوچھنے کا مجاز نہیں ہے یہ حضرت کی علت ثانی اور دلیل دوم ہے کہ جبتک کوئی کسی کی قبر میں نہ جاوے اس وقت تک اُس سے کچھ پوچھنے کا مجاز نہیں ہے جسکو یہ لازم ہے کہ کوئی کسی کی قبر میں زندہ یا مردہ جاوے تو وہ اُس سے کچھ پوچھنے کا مجاز ہے حالانکہ محض قبر میں جانے سے سوال مقبور سے لازم نہیں آتا کما لا یخفی۔

پھر ذرا یہ لطیفہ تو ملاحظہ فرمائیے کہ بعض شخص بعض کی قبر میں نہ جاویں اور پھر نہ جانے والے سے سوال بھی ضروری ہو شیطان کسی کی قبر میں اسکے ساتھ نہیں جاتا لیکن ضرور شیطان سے سوال کیا جاویگا اگر اُس نے مقبور کو گمراہ کیا ہے اور بیشک شیطان ماخوذ اور مجرم اور معاقب ہوگا اور پھر آپ کے اس قضیہ کلیہ سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا کو بھی کسی میت و مقبور سے حق سوال نہو اس لئے کہ وہ کسی میت کی ساتھ

قبر میں نہیں جاتا اور نہ اوس کے ساتھ مدفون ہوتا ہے لتقدسہ عن الجسم و الجسمانیات بالاسرہا۔

رابعًا۔ اگر مراد اس جملہ سے کہ کوئی کسی کی قبر میں نہ جاویگا نفی شفاعت جناب ختمی مآب ہے جسکو فرقہ بابیہ نے اختیار کیا ہے تو یہ مسلک دلائل قاطعہ سے باطل ہے اور سراسر مذہب اہل سنت والجماعت کے مخالف ہے۔ قال العلامہ التفتازانی فی شرح المقاصد یدل علی ثبوت الشفاعۃ النص والاجماع الا ان المعتزلہ خصوہا علی المطیعین والتائبین لرفع الدرجات وزیادۃ المثوبات و عندنا یجوز لاہل الکبائر فی حط السیئات اما فی العرصات واما بعد دخول النار۔

خامسًا۔ یہ کہنا کہ میں اپنے کو مسلمان سمجھتا ہوں صرف اقرار باللسان ہے اور یہ مذ تحقیق پر ایمان کے لئے غیر کافی ہے بلکہ تصدیق بالجنان بھی تحقیق ایمان کے لئے ضروری ہے قال فی شرح المقاصد ان الایمان فعل القلب دون مجرد فعل اللسان (۲) انہ التصدیق دون المعرفۃ والاعتقاد والثالث ان الاعمال لیست داخلہ فیہ بحیث ینتفی ہو بانتفائہا اما الاول فبیانہ بنصوص تدل علی ذلک حتی ان القول بکون الایمان مجرد الاقرار یجری مجری انکار النصوص انتہی۔

ثم انہ حقق من بعد ان التصدیق والاعتقاد شئ واحد وان التصدیق المعتبر فی الایمان ہو التصدیق المنطقی وانہ عین التصدیق اللغوی وانہ من مقولہ الکیف نعم قد یعبر عنہ بعبارات مثل الاسناد والایقاع وغیرہ بحیث یتوہم انہ من مقولۃ الفعل او الانفعال۔

ہاں یہ اقرار لسانی تصدیق جنانی پر اوس وقت تک دلیل قرار دیا جاسکتا ہے جبتک کہ مدعی ایمان کوئی ایسا فعل صادر نہ کرے جو شرعًا عدم ایمان کی امارت و علامت ہو۔ قال فی شرح المقاصد ولکن الکلام فی ان کفرہم لیس لمن جہۃ الاباء عن

الاقرار باللسان والاستکبار عن امتثال الاوامر وقبول الاحکام والاصرار
علی التکذیب باللسان الی غیر ذلک من موجبات الکفر مع تصدیق
القلب لعدم الاعتداد به مع تلک الامارات کما فی القاء المصحف فی
القاذورات انتہی کلامہ وقال فی موضع آخر فان قیل من استخف
بالشرع او الشارع او القی المصحف فی القاذورات او شد الزنار
بالاختیار کافر اجماعا منا لو سلم اجتماع التصدیق المعتبر فی الایمان
مع تلک الامور التی هی کفر وفاقا فیجوز ان یجعل الشارع بعض
محظورات الشرع علامة التکذیب لیحکم بکفر من ارتکب ولوجود التکذیب
فیه وانتفاء التصدیق عنه کالاستخفاف بالشرع وشد الزنار وبعضها
لا کالزنا وشرب الخمر وتفاوت ذلک الی متفق علیه ومختلف فیه و
منصوص علیه ومستنبط من الدلیل انتہی۔

اور یہاں ہمارے مولانا شرر خود اقرار کرتے ہیں کہ "محبت اہلبیت نبوت جزو ایمان ہے"
لہذا اگر کوئی فعل اُن سے ایسا سرزد ہو جو اس محبت کے منافی ہو اور مستلزم استخفاف
ہو تو ضرور یہ سمجھا جائیگا کہ مولانا شرر کا اقرار اس جزو کے متعلق تمام تر غیر معتبر ہے
اور وہی فعل انکا علامت تکذیب ہوگا۔ ناول مبحوث عنہ میں اونھوں نے کوئی
دقیقہ ہمارے رسول کے نواسی کی توہین وتذلیل کا فرو گذاشت نہیں کیا ہے
اور غیر اسپر دعوی محبت خاندان رسالت بھی ہے تو دو حال سے خالی نہیں ہے
اگر اونکی محبت تسلیم کی جاوے تو وہ دوست نادان ہیں جنکو فرائض ولوازم
محبت کا ادراک ہی نہیں ہے اور اسقدر نہیں سمجھتے کہ ایسی ناول نویسی
خاندان رسالت یا کسی شریف کی شان کے خلاف ہے اور یہ توہین وتہجین
منافی محبت ہے۔ اور اگر انکا تعقل وادراک تسلیم کر لیا جاوے اور یہ سمجھا جاوے
کہ اونھوں نے دیدہ ودانستہ یہ توہین دودمان نبوت کی منظور فرمائی ہے
تو اس صورت میں دعوی محبت غیر قابل تسلیم ہو جاتا ہے۔ بہرحال قصہ

منفصلہ مانعۃ الخلو سے یہاں چارہ نہیں ہے کہ یا تو وہ دشمن خاندان رسالت ہیں اور یا جاہل و غافل ہیں۔ فافہم ذلک۔

سادساً چونکہ جناب معترض صاحب اپنی سنیت کا خود اقرار فرماتے ہیں لہذا اس مقام پر یہ شبہ مشکل ہو سکتا ہے کہ ادھوں نے اپنے اس کلام میں اسلام و ایمان کی ترادف کو غیر مسلم قرار دیکر مذہب معتزلہ اختیار کر لیا ہو۔

سابعاً۔ ذرا آپ کی متانت تحریر کا بھی ناظرین تماشا کریں کہ آپ فرماتے ہیں لہذا ان دونوں محبتوں کو بھی اپنے ایمان کا ایک ضروری جزو خیال کرتا ہوں کیونکہ جزو شے ترکیب شے میں داخل ہے بدون اسکے کل کب موجود ہو سکتا ہے اس کا غیر ضروری ہونا کب ممکن ہے جو آپ اپنے اظہار کمال کے لئے یہ قید ضروری بڑھا کر ضروری جزو فرماتے ہیں لفظ (جزو سے) حذف (واو) جو حرف اصلی ہے یہ بھی انکی انشا گری کی کافی دلیل ہے جزئیہ کے خواص ثلثہ مشہور ہیں وھو التقدم بحسب الوجودین وھی خاصۃ حقیقیۃ والاستغناء عن الواسطۃ فی التصدیق والاستغناء عن الواسطۃ فی الثبوت الا ان یکون لفظہ الضروری وقیداً اعلی طریق جھۃ القضیۃ الضروریۃ ولکنہ خلاف سیاق کلامہ وسباقہ فھمہ فلا تغفل۔

یہاں تک یہ جواب کلک جواہر سلک جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب وکیل ہائیکورٹ سے ترشح ہوا ہے لیکن اُنھوں نے بعض حکام حیدرآباد کے داب ناجائز کیوجہ سے مجبوراً تمام جواب سے دست کشی فرمائی اور بعد اسکے جناب مولوی احمد حسین صاحب الہ آبادی مؤلف کتاب سلطان صلاح الدین یوسف نے جو ارشد تلامذہ جناب سید مرتضیٰ صاحب فلسفی نونہروی سے ہیں تکمیل فرمائی واللہ الموفق۔

اب مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ کے خیال میں میں نے اہل بیت نبوت رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی توہین ہی کیا کی ہے جبکہ یہ شور و ہنگامہ اور

اسقدر غلغلہ ہے دلگداز تو آپ کے پاس جاتا ہے اور یقین ہے کہ آپ نے پڑھا بھی ہوگا۔ لہذا آپ ہی سے یہ سوال ہے کہ اُس میں کونسا واقعہ یا لفظ ہے جسکی بنا پر توہین کا گمان کیا جائے۔ واقعات کی تو یہ حالت ہے کہ اس مضمون میں ایک سطر بھی شاید ایسی نہ ملیگی جو بے اصل ہو یا متداول و مستند کتب تواریخ سے ثابت نہ کی جاسکے۔ ناولوں کو چھوڑ دیجئے (مگر خدا اس امت مرحومہ پر رحم کرے کہ بہت سے حضرات کو ابھی تک ناول اور سوانح عمری کا فرق نہیں معلوم ہے) اگر جتنے تاریخی مضامین یا سوانحعمری دلگداز کے صفحوں پر شایع ہوئے ہیں عام اس سے کہ وہ میرے لکھے ہوں یا کسی اور صاحب کے اُن میں ایک لفظ بھی ایسا نہ ملیگا جسپر کسی کو حرف رکھنے کا موقع ملے اگرچہ تمام واقعات صرف ایک تاریخ میں نہ ملجائیں گے مگر معترضوں کو خدا نے اگر لیاقت دی ہے اور اس کے ساتھ ہی چشم بینا بھی تو ناسخ التواریخ۔ ابن اثیر۔ ابن خلکان۔ معارف ابن قتیبہ۔ اغانی۔ لابی الفرج الاصفہانی۔ عقد الفرید۔ لابن عبدربہ وغیرہ کے ورق الٹیں ہر امر ہر واقعہ پورا پورا ملجائیگا۔ ان چیزوں کو کچھ میں نے تصنیف نہیں کیا ہے بلکہ یہ وہ واقعات ہیں جو سلف سے آجتک معتبر و مستند تواریخ کے اوراق میں چلے آتے ہیں اور اردو زبان اگر ترقی کرنے والی ہے تو بتدریج و ترتیب سب اسمیں آجائینگے۔ میں نہیں تو میرا کوئی اور بھائی پیدا ہوگا اور پورے واقعات کو صاف طور سے ہر شخص کے سامنے پیش کردیگا۔

اقول۔ اولاً اس عبارت (وضوان اللہ تعالٰی اجمعین) کے فرمانے میں تو حضرت نے وہی اپنا کمال ادبیہ و نحویہ صرف کیا ہے جس کی طرف میں پہلے اشارہ کرچکا ہوں فتذکر۔

ثانیاً۔ بیشک مولانا شرر اور انکے دوست مولوی جامع صاحب جنکے نام نامی سے یہ رقعہ سوال جنگ زرگری کے طور پر انشا کیا گیا ہے اس ناول کو توہین نہ سمجھیں گے جحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم ظلما و علوا۔ لیکن یہ اون کے اختیار

سے باہر ہے کہ دوسروں کے فہم مستقیم کو بھی ملیس وسقیم بنا کر انکو اپنا ہم صفیر بنالیں
ثالثاً۔ آپ لکھتے ہیں کہ "واقعات کی یہ حالت ہے کہ اس مضمون میں" اور یہ نہیں سمجھے
کہ بحث تو اسی میں ہے کہ مضامین مذکورہ آپ کے واقعات ہیں یا اکاذیب اور آپ
پہلے ہی قبل سارے مباحث کے طے ہونے کے اپنی جگہ بر سبیل مصادرہ تسلیم
کر لیتے ہیں اور تسلیم کراتے ہیں کہ وہ سب خرافات آپ کے واقعات ہیں آپکی
خوش فہمی اور بلند پروازی بھی ہزار آفرین کے قابل ہے ع

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است۔

رابعاً آپکا خصم آپ کے اس کلام پر معارضہ کر سکتا ہے کہ اس مضمون میں ایک سطر بھی
شاید ایسی نہ ملیگی جو اصلیت سے مس رکھتی ہو یا مستند تواریخ سے ثابت کی
جاسکے وستعلمن نباءہ بعد حین فتربص حتی یاتیک الیقین۔

خامساً۔ آپ نے بڑے زور پر کل مسلمانوں کو اور تمام امت مرحومہ محمدیہ
کو تفریق معنی ناول وسوانح عمری سے جاہل قرار دیکر داد تحقیق و بلند پروازی
دی ہے یہ وہی امت مرحومہ ہے جو مصداق کنتم خیر امۃ اخرجت للناس
واقع ہے اور آج آپ اسی امت پر لعن وطعن فرما رہے ہیں حقیقۃً آپ تو
قرآن والسلام پر مضحکہ اڑاتے ہیں اسی وجہ سے تو آپکا اقرار لسانی اسلام معرض
بحث میں ہے۔

مولانا شرر! جنون دلی دورائت ذرا اپنے تئیں دیکھئے اور کل امت محمدیہ کی
تجہیل وتحمیق کو ملاحظہ فرمائیے جسمیں افاضل علماء و حکما و سادات عرفا بھی داخل
ہیں جنکے تبحر اور فضل وکمال سے اگر آپ کو ایک قطرہ کی نسبت بھی ہوتی جو دریا
سے دیجاوے تو مادام العمر آپ کے فخر کو کافی تھا آپکی یہ تعدی اور بدزبانی
لوازم جہل مرکب سے ہے مگر خیر میں تو انکا تحمل کر سکتا ہوں۔ ؎

بدم گفتی وخورسندم تعالی اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر را

یقین فرمائیے کہ میں بذات خاص آپکی ہر قابل ادا پر صبر کرونگا اور کبھی آپکے

اخلاص و محبت قدم کے جادہ سے منحرف نہ ہوں گا اور یہی کہوں گا سہ

پھڑا سے سے نہ چھوٹیگا ارے قاتل بن ٹالڑکا ہ وفاداروں کے خون کا داغ کیا دھبہ ہے لیچڑ کا

لیکن عام مسلمانوں کا کیا علاج میرے پاس ہے جنپر آپ جمک کر حملہ کر رہے ہیں۔

ساد شا۔ آپ تو خود ان جہالت میں مبتلا ہیں کہ فن تاریخ اور فن قصص و حکایات یا فن ادب یا فن موسیقی و آغانی میں تفریق نہ کر سکے۔ آپ کے اس مضمون نا ہنجار کا اصل ماخذ کتاب اغانی ابوالفرج اصفہانی ہے جسے آپ اپنی غفلت سے کتاب تاریخ سمجھ رہے ہیں حالانکہ یہ کتاب فن تاریخ کی نہیں ہے بلکہ اس کتاب کا اصل موضوع آغانی ہے۔ اسیوجہ سے اس کتاب میں پہلی صورت کے عنوان سے اصل گیت کو نقل کرتا ہے اور اسکے بعد غنا سے متعلق راگ راگنی اور ایقاعات کو ذکر کرتا ہے یہاں تک اصل مقصود سے بحث ہے اور اسکے بعد تطفلا و حکایۃ وہ قصص و حکایات ذکر کرتا ہے جو شعرا اور گانے والوں گانے والیوں سے متعلق ہوں اب میں جلد اول ہی کی عبارت ملخصاً نقل کر کے ناظرین کو دکھاتا ہوں کہ اصلی مقصود اس کتاب سے کیا ہے۔

هذا كتاب الفه على بن الحسين بن محمد القرشى الكاتب المعروف بالاصبهانى وجمع فيه ما حضره وامكنه جمعه من الاغانى العربية قديمها وحديثها ونسب كل ما ذكره منها الى قائل شعره وصانع لحنه وطريقته من ايقاعه واصبعه التى ينسب اليها من طريقته واشتراك ان كان بين المغنيين فيه الى آخره۔

اسکے علاوہ وہ نسب آغانی کو اسحاق بن ابراہیم موصلی سے ماخوذ کرتا ہے اور اسی کا مقلد ہے جو خلفائے عباسیہ کا مشہور گویا تھا قال وكل ما ذكرنا فيه من نسب الاغانى الى اجناسها فعلى مذهب اسحاق بن ابراهيم الموصلى اور پھر اسحاق موصلی کی کتاب کو موضوع بھی قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ یہ اسحاق کی تصنیف ہی نہیں ہے بلکہ ایک جلد ساز نے خود تصنیف کر کے انکا

کی طرف منسوب کر دیا تھا بلکہ اس کی روایات اور نسب آغانی کو مغنین کی جانب سراسر کذب کہتا ہے۔ قال ابن رجیساع فنی انہ ملبغہ ان الکتاب المنسوب الی اسحاق مدفوع ان یکون من تالیفہ وھو مع ذالک قابل الفائدۃ واللہ شاک فی نسبتہ الی اکثر اصحاب اسحاق ینکرونہ ولان جند حماد اشطو الناس انکار الذالک ولعمری لقد صدق فیما ذکرہ واصاب فیما انکرہ۔ اخبرنی محمد بن خلف عن وکیع قال سمعت حماد ایقول ما الف ابی ھذا الکتاب قط ولارآہ والدلیل علی ذالک ان اکثر اشعارہ المنسوبۃ التی جمعت فیہ الی ما ذکر فیھا من الاخبار ما غنی فیہ احد قط وان اکثر نسبہ الی المغنیین خطاء وانما وضعہ وراق کان لابی بعد وفاتہ واخبرنی احمد ابن جعفر جحظہ انہ یعرف الوراق الذی وضعہ وکان یسمی سندی الوراق وجا نوتہ فی الشرقیۃ فی خان الزبیل وکان یوراق لاسحق بن ابراہیم فاتفق ھو وشریک لہ علی وضعہ

اسپر ایک اور لطیفہ یہ ہے کہ خود ابوالفرج اصفہانی اس مزخرف کتاب کی تصنیف پر جو دوامی ذلت اُس کی بیہودہ سرائی سے مترتب ہو سکتی تھی اُس کو خود بھی سمجھتا تھا اسی لیے لکھتا ہے کہ فکلفت ذالک علی کراھیۃ ان یوثر عنی فی ھذا المعنی ما یبقی علی الایام مخلدا والی تطاعۃ ولھا منسوبۃ انتھے ملخصاً۔ لیکن کسی رئیس کی خوشامد میں اُس نے اپنی رسوائی کو جو اس داستان سرائی سے ہمیشہ کے لیے حاصل ہے طمع مال و زر کی وجہ سے حقیر سمجھا۔

خیر اس بحث کو یہاں استقدر طے کر کے آیندہ کے حوالہ پر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں جس سے وجہ سادس کا آغاز ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اُسکے غنائیہ اشعار تو فن ادب میں داخل ہیں اور ان کی راگ راگنی وغیرہ

فن موسیقی کے مسائل سے ہین۔ فن موسیقی کو فن تاریخ سے متحد سمجھنا
خوش فہمی اور ذکاوت کی بڑی بھاری دلیل ہی فن موسیقی فن ریاضی
مین داخل ہی جو اقسام ثلثہ یا اربعہ حکمت نظریہ کی ایک قسم ہی وبیانہ
ان الاشیاء التی یبحث عنها فی الحکمة النظریة لا یخلوا اما ان
یکون امورا یجب ان لا یفتقر وجودها وحدودها بالمواد
الجسمانیة والحرکة اصلا او یفتقر فالاول هو العلم الالهی لکن ان
الباری والعقول والوحدة والکثرة والعلة والمعلول وغیرهما
فان خالط شئی منها المواد الجسمانیة فلا یکون ذالک علی سبیل الافتقار
وهو فنان فن المفارقات وفن الکلیات وموضوع هذین الفنین
اعم الاشیاء هو الوجود المطلق من حیث هو هو واما الذی یجب افتقاره
بالمادة فلا یخلوا اما ان تمکن الخیال من تجریده عنها او لا یفتقر
فی کونه موجوداً الی خصوص مادة واستعدادا ولا یکون کذلک
فالاول هو العلم الریاضی والتعلیمی کالتربیع والتثلیث والتدویر
والکرویة والمخروطیة والعدد وخواصه فهو یفتقر الی المادة
فی وجودها لا فی حدودها والثانی هو العلم الطبعی وعلوم التعالیم
اربعة لانها موضوعها الکم وهو اما متصل او منفصل والمتصل اما متحرک
او ساکن فالمتحرک هو الهیئة والساکن هو الهندسة والمنفصل اما
یکون له نسبة تالیفیه ولا یکون فالاول هو الموسیقی والثانی
هو الحساب ومن فروع الموسیقی اتخاذ الالات العجیبة لحصول النغمات
المبهجة للنفس المهیجة لقواها ودواعیها کالارغنون وما یشبه
وموضوع العلم الموسیقی هو الالحان ویبحث فیه عن احوالها والالحان
هی الاصوات المنبعة من الانسان او من الالات المصنوعة لمحدود
مختلفة وهذه الاحوال هی البحث عن احوال النغمات ویبحث

عن حدت امتدادها وتاليفها ونسبتہ وما بينها فعينوا تلك الدرجات والمقامات بحروف واصوات بحيث لا يلتبس احد سا بغيره اما بانيها اوبيناسبہا اوما هيئاتها اوفی جمیع الآلات النغمية قدرد امکانیل یؤذن تلك بهذه وافرد والجميع النغمات وشعبها بحروف وادتار معينة يكال بها تلك وميزوا اركان النسب والتاليف والتركيب والافراد لعلم الحساب وغيره۔

اس فن کو فن تاریخ سے جسکا موضوع احوال اشخاص ملوک واکابر ہم ہو کیا مناسبت؟ وفائدۃ علم التاریخ العبرۃ بتلك الاحوال والتنصح بها ليحترز عن المضار المنقولة ويستجلب المنافع فی مقابلها اب باقی رہا کہ کتاب آغانی مین شعراء اور دیگر خلفائے بنی امیہ و بنی عباس اور صدہا رنڈیون اور لونڈون اور گانے والون اور گانے والیون کے ہر قسم کے قصص اور حکایات مذکور ہین جس کا بہت بڑا حصہ شہوت خیز اور فحش اور سخت نجس و ناپاک ہو۔ بڑے بڑے داستان اس کے جیسے اس بیہودہ کتاب کے دفترین مملو ہین۔ فن تاریخ مین داخل ہین یا نہین؟ اس مسئلہ مین مولانا شرر کو بے علمی کی وجہ سے بہت دھوکہ ہوا ہو۔ یہ کتاب جزو مذکور سے قطع نظر کرکے بحیثیتہ کذائی فن قصص اور حکایات اور نکاہات کا ایک دفتر طولانی ہو اور اس حیثیت سے یہ کتاب بھی مثل قصہ سیف ابن ذی یزن کے جو چند مجلد مین بزبان عربی ہو اور مصر مین طبع ہوچکا ہو قصہ کہانی کی ایک کتاب ہو۔ البتہ اس کتاب مین مصنف نے اپنی بدیا کی اور ناپاکی خیال سے اکابرین کو بھی مثل احاد ناس کے شمار کرکے اُن کے لیے بھی عاشقانہ اور بیہودہ حکایات لکھے ہین۔ جن سے اس کے سوا دوسرے کتب قصص عربیہ بالکل خالی ہین۔

شرر صاحب کو شاید یہ خیال ہوگا کہ اس کتاب مین اس نے ہر قصہ کو اخبر فی کے عنوان سے معنون کیا ہو طریقے سے روایت کی ہو جیسا کہ طریقہ محدثین ہو اور اسوجہ سے

اسکی کہانیون کو قابل اعتبار سمجھتے ہین حالانکہ اس زمانہ مین ہر قصّہ کہانی کی
کتابون کو اسی طریقہ سے لکھنے کا دستور تھا۔ چنانچہ کتاب مصارع العشاق
جو استنبول مین طبع ہو چکی ہی اس شہادت کے لیے موجود ہی اسی وجہ سے جب
انطاکی نے تزیین الاسواق لکھی تو اس مین مصنفات اسانید روات مصارع العشاق
کو جو محض مجہول اور اکثر مجعول تھے حشو اور لغو سمجھکر اپنی کتاب سے صاف اڑا دیا
اور محض قصص اور اشعار کو مصارع العشاق سے لے لیا جسکی ضرورت فن ادب
مین تھی،

اخبار فن تاریخ مین مطابقت واقع شرط ہی بخلاف اخبار فن حکایات و قصص
کے کہ اسمین مطابقت واقع شرط نہین ہو سکتی اسی وجہ سے وہ غیر معتبر ہین۔ فن تاریخ
مین مرتبہ بشرط شے متحقق ہی اور فن قصص مین لابشرط شے ہی اور وہ غیر مرتبہ
بشرط لاشے ہی،

مولوی شرر صاحب کو اس دقیقہ سے محض بے خبری ہی اسی وجہ سے فن قصص
و کتاب قصص کو عین فن تاریخ سمجھے ہوے ہین اور دوسرون کو بھی اسی غلطہ
مین ڈالنا چاہتے ہین، ومحصل هذه المسئلة ان المهية بالقياس
الى العوارض اعتبارات ثلثة احدها ان توخذ بشرط مقارنتها
ويسمى المهية المخلوطة والمهية بشرط شئ وقد توخذ بشرط
ان لا يقارنها شئ من العوارض ويسمى المهية المجردة والمهية بشرط
لا شئ وقد توخذ غير مشروطة لا بالمقارنة ولا بعدمها ويسمى
المطلقة والمهية لا بشرط شئ وليس ذلك تقسيما للشئ الى نفسه لان
المقسم عين المهية المطلقة وذلك لان المقسم حال المهية بالقياس
الى عوارضها وهو غير القسم المذكور ثم يمكن ان يجعل ذلك تقسيما
للمهية ولا يرد ما اورد لان الانسان مثلا اذا كان معتبرا من حيث هو
الا ان العقل ينظر اليه من غير النظر الى هذا الاعتبار وانقسمه الى

المعتبو بهذا الاعتبار والمعتبر بالنحوين الآخرين فالمقسم هي طبيعة الانسان والقسم مفهوم الانسان المعتبر علی هذا النحو ولا شك ان الانسان اعم من الانسان المعتبر علی هذا النحو اعنی من هذا المفهوم وان کان بعینه هو فرد هذا المفهوم فافهم چونکہ اس بیہودہ کتاب کو فن تاریخ مین داخل نہین کرسکتے اسی وجہ سے مُلا کاتب چلپی نے کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مین اسی کتاب کو فہرس کتب تواریخ مین نہین لکھا ہو حالانکہ کشف الظنون مین ایک ہی جگہ ایک ہزار تین سو کتب تواریخ کا نام لکھا ہو بلکہ آغانی کو علیحدہ ذکر کیا ہو ہم ما بعد مین اس عبارت کشف الظنون پر بحث کرینگے جو آغانی سے متعلق ہو؛

قصہ شیخ الرئیس ابن سینا جو بزبان عربی مصر مین ۷۰ صفحہ پر طبع ہو چکا ہو اسکو بھی مولوی شرر صاحب کہدینگے کہ سوانحعمری ابن سینا کی ہو۔ اس کتاب مین منجملہ دیگر بیہودہ حکایات کے حضرت سکینہ کا قصہ بھی لکھا ہو جس کو سوانحعمری کہنا فہم وادراک پر ظلم عظیم کرنا ہو۔ سوانحعمری مین تو مطابقت واقع شرط ہو اور قصص مین یہ شرط مفقود ہو؛

اب تو مولوی شرر صاحب غیر مرحوم کو معلوم ہوا ہوگا بشرطیکہ سمجھ سکینگے کہ اُمّت مرحومہ محمدیہ تمیز معنی ناول و سوانحعمری مین نہین کر سکتی یا وہ خود اس تمیز سے بے بہرہ ہین؛

چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکان زند

سابعًا۔ ناظرین کو یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مولوی شرر صاحب دو دعوے ایک ہی ساتھ فرماتے ہین۔ ایک تو یہ کہ اُن کے پرچہ دلگداز کے مضامین محوث عنہا کتب تواریخ سے ماخوذ ہین بلکہ مترجم اور ایک حرف بھی ترجمہ سے ایسا نہین ہو جو اصل پر زائد ہو۔ دوسرا وہ کتاب تاریخ خوماخذان کی ہو وہ

مستند ہو۔ دعوائے اول کا حال تو ظاہر ہوچکا کہ وہ اپنی جہالت سے جس کتاب کو کتاب تاریخ سمجھے ہوے تھے وہ حقیقت مین کتاب تاریخ نہین ہو بلکہ بیہودہ کہانیون کی ایک طولانی کتاب ہو۔ دوسرے دعوی پر حضرت نے کوئی دلیل ذکر نہ فرمائی۔ اگر فقط انھین کا مستند و معتبر کہدینا اغانی کے معتبر ہوجانے کے لیے کافی ہو تو پھر کیا کہنا ہو اغانی سے زیادہ اس رعایت اور سرفرازی کے لیے خود انھین کا پرچہ دلگداز مستحق ہو کیون اسقدر تطویل لاطائل سے انھون نے کام لیا کہ اغانی پر اپنے ناول کا مدار رکھا۔ اتنا ہی فرما دینا کافی تھا کہ جو کچھ ہم نے لکھدیا ہو وہ مستند و معتبر ہو کسی دلیل کی ضرورت نہین ہو کیونکہ انکا دلگداز جہان علما کی نظرون سے گرا ہوا ہو وہان اُن کے جرح و قدح سے بھی امان مین ہو بخلاف اغانی کے جس کے بارے مین علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہین کان ابوالفرج الاصبہانی الکتاب الناس کان یشتری شیئاً کثیراً من الصحف ثم یکون روایاتہ کلھا منہا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ ہمارے شرر صاحب کے مقتدا اکذب الناس تھے۔ اسپر بھی اُن کی راگ راگنی والی کتاب مستند و معتبر ہو تو پھر غیر معتبر کون سی کتاب ہوگی ؟

ثامنا۔ آپ نے بڑے زورون پر اپنے اثبات لیاقت و بصیرت کے لیے معترضین کو نالایق اور اندھا بنایا ہو۔ ہم آپکے اس جاہلانہ حملہ اور بدزبانی کا جواب سکوت سے دینا چاہتے ہین اور امام شافعی کے اس قطعہ کو اپنے عذر مین پیش کرتے ہین ؎

قالوا سکت وقد خوصمت قلت لہم ان الجواب لباب الشر مفتاح
والصمت عن جاہل او احمق شرف وفیہ ایضا لصون العرض صلاح
اما ترے الاسد تخشی وھی صامتۃ والکلب یحثی العمری وھو نباح

تاسعاً۔ ہم یہ عرض کرچکے ہین کہ اس ناول بیہودہ کا اصلی ماخذ کتاب اغانی ہو ابن اثیر غریب نے اس ناپاک ناول کا کچھ بھی ذکر نہین لکھا ہو۔ مولوی شرر صاحب نے

ناحق اسپر تہمت کی ہو۔ اس نے صرف اسقدر لکھا ہو کہ عبدالملک بن مروان خلیفہ اموی نے ایک روز اپنے مصاحبین سے پوچھا کہ من اشجع الناس لوگون نے کہا کہ فلان اور فلان۔ بالآخر اُس نے مصعب بن زبیر کو اس توصیف کے لیے پسند کیا اور کہا کہ کان عندہ عقیلتا قریش سکینۃ[1] بنت الحسین وعایشہ بنت طلحۃ اسی مجلس مین ایک شخص نے کہا کہ مصعب شراب انگوری نوش فرماتے تھے۔ اُن کی ثنا کیون کی جاتی ہو؟ قال کان ذالک قبل ان لطلب المروءۃ فاما مذ طلبھا فلو علم ان الماء ینقص من مروتہ ما ذاقہ انتہے۔ توجواب دیا یہ مے نوشی اُسوقت تک تھی کہ جب تک آدمیت کی خواہش نہ کی تھی ورنہ اسکے بعد اگر پانی پینا بھی خلاف مروت ہوتا تو کبھی نہ پیتا اس کے سوا اور کوئی مضمون مولوی شرر صاحب کے ناول ناپاک کا اگر ابن اثیر غریب نے ذکر کیا ہو تو اس کا نشان دین۔ اور ہم مابعد مین یہ بیان کرینگے کہ اسقدر مضمون بھی کہ حضرت سکینہ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا تھا فی نفسہ غلط ہو فانتظر ولا تعجل؎

عاشراً۔ ابن خلکان کو بھی مولوی شرر صاحب نے ناحق بدنام کیا ہو اُسکی کتاب مین بھی اُس ناول کے کسی مضمون کا پتہ نہین ہو۔ البتہ اُس نے صرف اسقدر لکھا ہو:۔

السیدۃ سکینۃ بنت الحسین بن علی ابن ابی طالب کانت

---

[1] اگر صاحبان عقل غور کرین تو خود اس سوال وجواب سے اس قصہ کی لغویت ظاہر ہو جائے کیونکہ اشد الناس ہونے مین اور کان عندہ عقیلتا قریش مین نہ کوئی لگاؤ ہو نہ ربط جو قریش کے دونون عاقلہ کے عقد سے اسکی رخشدیت ثابت ہو سکے جس سے صاف معلوم ہوا کہ خیر خواہان آل زبیر نے صرف اسی غرض سے کہ کسی طرح فضیلت مصعب باقرار عبدالملک ثابت ہو یہ جملہ گڑھ لیا اور نسبت کردیا۔ ورنہ عقلمند کی بات سے تو کبھی ایسا جملہ نہین نکل سکتا جس مین دعوی و دلیل مین کوئی نسبت نہ ہو۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان کا مضمون ہو ۱۲ مدیر اصلاح،

سیدۃ نساء عصرها ومن اجمل النساء واظرفهن واحسنهن اخلا
وتزوجها مصعب بن الزبیر فهلک عنها ثم تزوجها عبد الله
بن عثمان بن عبد الله بن عبد الله بن حکیم بن حزام فولدت
له قرینا ثم تزوجها الاصبغ بن عبد العزیز بن مروان وفارقها
قبل الدخول ثم تزوجها زید بن عمر بن عثمان بن عفان فامره
سلیمان بن عبد الملک بطلاقها ففعل۔ وقیل فی ترتیب ازواجها
غیر ذلک۔ والطرۃ السکینۃ منسوبۃ الیها ولها نوادر وحکایات
ظریفۃ مع الشعراء وغیرهم ومن ذلک ما یروی انها وقفت علی
عروۃ بن اذینۃ وکان من اعیان العلماء وکبار الصالحین فقالت
له انت القائل ؎

قالت وابثثتها سری وبحت به — قد کنت عندی تحب الستر فاستتر
الست تبصر من حولی فقلت لها — غطی هواک وما القی علی بصری

قال نعم۔ فالتفتت الی جوار کن حولها وقالت هن حرائر ان کان
خرج هذا من قلب سلیم قط۔ وکانت وفاۃ سکینۃ بالمدینۃ یوم
الخمیس لخمس خلون من شهر ربیع الاول سنۃ عشرۃ ومائۃ وقیل اسمها
آمنۃ وقیل امینۃ وقیل امیمۃ وسکینۃ لقب لقبتها به امها الرباب
ابنۃ امرئ القیس بن عدی وقال محمد بن السائب الکلبی النسابۃ
سالنی عبد الله بن الحسن بن علی بن ابی طالب رض عن اسم سکینۃ ابنۃ
الحسین بن علی رض فقلت امیمۃ فقال اصبت۔ انتهی کلامه۔ کوئی عاقل
جو ذرا عربی عبارت سمجھ سکتا ہو مولوی شرر صاحب سے پوچھے کہ اس عبارت
مین آپکے خرافات ناول کا کہین نشان ہی؛ اور آگے چلکر ہم اس کلام ابن خلکان
کی تغلیط ظاہر کرین گے اور بتائین گے کہ اس کلام کا ماخذ بھی وہی آغانی ہے
جسکا مؤلف نسل بنی امیہ سے ہی؛

(۱۱) معارف ابن قتیبہ کا نام بھی مولوی شیر رضا صاحب نے لیا ہے اور اپنی سند مین اس کتاب کو بھی گھسیٹا ہے۔ ہم نے اس کتاب کو اول سے آخر تک اس رسالہ کی تحریر کے وقت دیکھا لیکن کہین اس کتاب مین اس سراسر جھوٹے ناول کا کوئی مضمون مذکور نہین ہے صرف اس مین اس قدر عبارت واقع ہے۔ سکینۃ امہا الرباب بنت امرء القیس الکلبیۃ وفیہا یقول الحسین لعمری اننی لاحب دارا تحل بہا سکینۃ والرباب۔ تزوجہا مصعب بن الزبیر فھلک عنہا فتزوجہا عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام فولدت لہ قرینا ولہ عقب ثم تزوجہا الاصبغ بن عبد العزیز بن مروان وفارقہا قبل ان یدخل بہا۔ ثم تزوجہا زید بن عمرو بن عثمان بن عفان فامرہ سلیمان بن عبد الملک بطلاقہا ففعل وماتت بالمدینۃ فی خلافۃ ھشام۔ ھذا قول ابی الیقظان،

وقال الھیثم بن عدی حدثنی صالح بن حسان وغیرہ قال کانت سکینۃ عند عمر بن حکیم بن حزام ثم تزوجہا بعدہ عمرو بن عثمان بن عفان ثم تزوجہا بعدہ مصعب بن الزبیر قال ابن الکلبی اول ازواج سکینۃ الاصبغ بن عبد العزیز اخو عمر ابن عبد العزیز ثم مات عنہا بمصر ولم یرھا ثم خلف علیہا زید بن عمرو بن عثمان بن عفان ثم خلف علیہا مصعب بن الزبیر ثم خلف علیہا عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام فولدت لہ عثمان الذی یقال لہ قرین وکانت ولدت من مصعب جاریۃ ثم خلف علیہا ابراھیم بن عبد الرحمان بن عوف جد ابراھیم بن سعد الفقیہ،

اور ابن قتیبہ کی بے اعتباری بھی عنقریب ثابت ہوگی کیونکہ امام حاکم

فرماتے ہین اجمعت الامۃ علیٰ ان القتیبی کذاب اور خود ان اقوال مین جو تخالف وتہافت ہو آیندہ ظاہر کیا جائیگا،

(۱۲) ناسخ التواریخ مین سوائے ذکر تزویج حضرت سکینہ کے جسکی تحقیق مابعد مین مذکور ہوگی اور کوئی مضمون اس ناول کا مرقوم نہین ہو۔ اس لیے اس کتاب سے بھی استناد محض لغو ہو۔ اُس نے خود اس روایت کو عامیانہ سخن قرار دینے کا اشارہ کردیا ہو اور منقول عنہ اُس کی بھی وہی کتاب آغانی ہو، وسیاتیک تفصیلہ وتنقیحہ،

(۱۳) عقدالفرید بن عبدربہ کا نام بھی اپنی فہرس مین مولوی شرر صاحب نے داخل کرلیا ہو اُسکی بھی یہی حالت ہو کہ اس افسانہ بیہودہ سے قطعاً خالی ہو۔ البتہ اس مین بھی وہی مضمون ہو جو توصیف مصعب مین بزبان عبدالملک بن مروان ابن اثیر سے منقول ہوچکا اور اُسکے بعد یہ عبارت ہو

وقالوا کان تحت مصعب عقیلتا قریش عایشۃ بنت طلحۃ وسکینۃ بنت الحسین ولما قتل مصعب خرجت سکینۃ بنت الحسین تریدالمدینۃ فاطاف بہا اھل العراق وقالوا احسن اللہ صحابتک یاابنۃ رسول اللہ فقالت لاجزاکم اللہ عنی خیرا ولااخلف علیکم بخیر من اھل بلد قتلتم ابی وجدی وزوجی وایتمتمونی صغیرۃ وارملتمونی کبیرۃ

ہان عقدالفرید مین اس مقام پر توصیف عبدالملک بن مروان کے بعد یہ لطیفہ بھی منقول ہو، ولما قتل مصعب دخل الناس علیٰ عبدالملک یھنئونہ ودخل معھم شاعر فانشدہ ؎

اللہ اعطاک التی لافوقھا	وقد اراد الملحدون عوقھا
عنک ویابی اللہ الاسوقھا	الیک حتی قلدوک طوقھا

فامرلہ بعشرۃ آلاف درھم انتھی اس شاعر نے جو مصعب کو ملحد بنایا

تو عبد الملک اسپر اسقدر خوش ہوا کہ دس ہزار درم اُس نے خزانہ شاہی سے انعام مین بخش دیے حالانکہ اُس کی بخالت تمام عالم مین مشہور ہو۔ اب خود ناظرین خیال فرما سکتے ہین کہ جس شخص کو عبد الملک ملحد سمجھتا ہو اس کی توصیف مین اس کی شراب‌خواری سے کیونکر انکار کر سکتا ہو۔ کیا ملحد سے شراب‌خواری مستبعد ہو درحالیکہ عبد الملک کو اُس سے جانی عداوت بھی تھی اور قبل حکومت اسکی میخواری کا اقرار بھی کر چکا ہو تو ایسا ملحد جو ایک حکومت اور سلطنت پر فائز ہو وہ شراب‌خواری محض بنظر مروت ترک کر سکتا ہو ع

چھٹتی نہین ہو منھ سے یہ کافر لگی ہوئی

ملحد سے اور مروت سے کیا مناسبت ہو۔ ہان مصلحت حکومت یہ ممکن ہو کہ مجمع مین مے پرستی نہ کرے لیکن ملحد جو شراب کا عادی ہو تخلیہ اور خاص صحبت مین بھی بنت العنب سے ہم آغوش نہ رہے اسکے کیا معنی ہین، پھر مسلمان یہان سے یہ بھی خوب سمجھ سکتے ہین کہ کیا ایسے ملحد اور شرابی سے ہمارے رسول کی نواسی کی شادی برضامندی ممکن ہو؟ اس لیے کہ جبر و اکراہ کا تو کوئی ثبوت کلام مولوی شرر صاحب سے نہین ملتا بلکہ اسکے خلاف پر اُن کا کلام دلالت کرتا ہو اسکی تفصیلی بحث مابعد مین مذکور ہوگی،

(۱۴) اردو زبان کی ترقی اگر ایسے ہی خرافات قصص اور اکاذیب حکایات پر مبنی ہو تو بدون آپ کے خامہ شریف کی استمداد کے وہ بہت بڑی ترقی اُسکے قبل کر چکی ہے۔ بستان خیال کتنی بڑی کتاب ہو جسکے ایک عشر عشیر حصہ مین آپکے ایسے سو ناول آ جائین گے۔ پھر طلسم ہوشربا کس قدر بسیط کتاب ہو جسکی ایک ہی جلد آپکے ایسے دس بیس ناول سے زیادہ ہوگی مگر فرق وہی ہو کہ ان کتب مین حکایات کو صحیح کر کے نہین دکھایا ہو اور نہ اس جہل مرکب پر اُن کے مصنفین کو اصرار رہے کہ وہ واقعات ہین اور نہ بزرگانِ اسلام پر حملہ کیے گئے ہین۔ اگر آپ کو علم و فضل سے کچھ مس ہوتا تو یہ کہتے کہ اردو زبان کی ترقی علوم و فنون کے ترجمہ ہو جانے پر موقوف ہو جیسی کہ ہمارے استاد سید علامہ میر مرتضیٰ نے دائرۃ اسکندریہ ترجمہ دائرۃ المعارف انسائیکلوپیڈیا لکھی ہو اور اسمین اصل پر بھی بہت سے مضامین اور فوائد تحقیقات

زیادہ فرمایا ہی۔ ایسا ہی اُردو زبان کی ترقی کتاب تمدن عرب سے ہوئی جس کو جناب شمس العلما سید علی صاحب بلگرامی مدظلہ نے زبان فرنگ سے ترجمہ فرمایا۔ مگر آپ کو ایسی تیز دن کا مذاق کہان جو اس نہج ترقی اُردو کو سمجھ سکتے ہین ع

غضب یہ ہی کہ سمجھتا نہین زبان صیاد

آپ کے نزدیک تو اُردو زبان کی ترقی فسانۂ آزاد اور ورجنا سرجنا مین منحصر ہی یون ہی ہی فکر ہر کس بقدر ہمت،

(۲۵) آپ نے دوسرا بھائی پیدا ہونے کی تمنا ظاہر فرمائی تمام مسلمان دست بدعا ہین کہ خداوندا کبھی یہ تمنا آپ کی بر نہ آئے اس لیے کہ اگر وہ آپکا مثل ہوگا تو شر ہوگا پھر دو شر کی فتنہ انگیزی سے اسلام کو سامنا ہوگا تو اُس کا کیا حال ہوگا۔ یہان تو ایک ہی کی آتش افشانی سے مسلمانون کے دل کباب ہو رہے ہین۔ اور اگر وہ آپ سے بڑھکر ہوگا تو اشر ہوگا۔ افعل التفضیل مین زیادہ فی اصل الفعل معتبر ہو جیسا کہ مسلک مختار صدر المدققین ہو۔ یا زیادہ فی قسم من الفعل اعتبار کی جائے جیسا کہ مذہب محقق دوانی ہو لیکن وہ قسم شرارت تو یہی ہوگی جس سے آپنے قیامت برپا کر رکھی ہو۔ بہرحال یہ افعل التفضیل آفت کا پرکالہ ہوگا جس کے وجود نامسعود کی بلائے بے درمان سے خدا اسلام کو محفوظ رکھے اور اگر آپ سے کم درجہ پر ہوگا تو خیر بعد آپ کے والد کی وفات کے پیدا ہو مضائقہ نہین لیکن مشکل یہ ہوگی کہ آپ اُسکو اپنے اخوت کے لیے قبول نہ کرین گے، ہاے سعدی علیہ الرحمہ کیا خوب فرما گئے ہین سے

زنان باردار اے مرد ہوشیار — اگر وقت ولادت مار زایند
ازان بہتر بہ نزدیک خردمند — کہ فرزندان ناہموار زایند

اور اگر اس جملہ سے مراد آپ کی معنی حقیقی نہین ہین تو اب یہ معنے ہوے کہ اسوقت آپ اپنے تئین معدوم النظیر اور وحید روزگار اپنے کمالات مین سمجھتے ہین آیندہ شاید آپ کا مثل کامل کوئی پیدا ہوگا تو آپ کا بھائی ہو سکے گا۔ چہ خوش مین تو آپکی

اس دعوے پر بادلیل ایمان لانے کے لیے حاضر ہون چہ جائیکہ اس قسم کے ہزارہا ادلہ آپ کے فرد لاجواب ہونے کے لیے موجود ہین ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتان ورزیدہ ام   بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

ہم نے یہان پر چاہا تھا کہ عبارت منقولہ تواریخ پر تفصیلی بحث ذکر کر دین اور اپنے وعدہ کو وفا کرین۔ لیکن چونکہ اصل اس ناول کی آغانی سے ہوا اور اغانی کے متعلق مولوی شرر صاحب نے بھی بڑے زور سے لکھا ہو اور اس زور مین مجھ غریب پر بھی لعن طعن کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہین فرمایا ہو اگرچہ قبل اسکے بھی بہت سی گالیان دے چکے ہین مگر یہان پر صاف صاف مجھے بازاری آدمی بنا دیا ہو ؎

کتنے شیرین تھے اُسکے لب کہ رقیب   گالیان کھا کے بدمزا نہ ہوا

اس لیے مین بھی اغانی کی حقیقت حال کا انکشاف پہلے ضروری سمجھتا ہون اُس کے بعد عبارات منقولہ پر بحث کی جائے گی،

قال۔ لاعلمی اور کوتاہ نظری سے بعض حضرات سرے سے تاریخ ہی ماننے سے انکار کرتے ہین لیکن یہ بات اتنی آسان نہین جتنی آسانی سے یہ بزرگ کہدیا کرتے ہین۔ اگر اس رائے پر عمل کیا گیا تو شاید انھین اور سب باتین درکنار ان نیک معصوم بزرگون کے وجود کے ثابت کرنے مین بھی بڑی دشواری ہو جائیگی اور وہی ہوگا جو عیسائیون مین ہوا کہ پچھلے محققین نے جب مذہب سے ضعیف الاعتقاد نکالنے کے لیے اکثر مذہبی تاریخون پر اعتراض کیے تو یہ حالت ہو گئی نپولین بوناپارٹ نے چلا کے کہدیا مجھے اسی مین شک ہو کہ حضرت عیسے کے نام کا کوئی شخص بھی فی الحقیقت دنیا مین تھا یا نہین۔ لہذا یہ خوب یقینی طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ اخبار و روایت کا سلسلہ رہتی دنیا تک رہیگا اور کوتاہ اندیشیون کی کمزور پھونکین اس چراغ کو گل نہین کر سکتین۔ دو چار ایسے بازاری لوگ بھی نظر آئے جو کہتے پھرتے ہین کہ آغانی عربی مین ایک کتاب ہو جو رنڈیون کے حالات مین ہو۔ مجھے یہ سنکے بہت بڑی تکلیف ہوئی اور اپنے ہم قومون کی اتنی کم بینی پر شرم آنے لگی جس کتاب مین

حضرت سکینہ علیہا السلام کے حالات لکھے ہون اس کو رنڈیون کے حال کی کتاب
بنانا حقیقت مین اسلام کے بہت بڑے اعتبار کی دلیل ہی یہ انصاف فرمائیے
کہ یہ ایک بہت بڑی ۲۰ جلدون کی کتاب ہی جسکی تعریف مین تمام بعد کی کتابین
بھری پڑی ہین۔ اسمین صرف چند گنتی کے حالات ہین۔ عورتین بھی کون جن مین
سے ایک حضرت سکینہ ہین دوسرے عائشہ بنت طلحہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی
نواسی تیسرے حضرت عثمان ذی النورین کی بیوی نائلہ۔ جو تھے حنا جو صحابیہ تھین
اور اسی طرح چند عورتین۔ خدا مغفرت کرے ان لوگون کی جو ایسی کتاب کو جنمین
ان پاک خاتونون کے حالات ہون رنڈیون کی کتاب بتاتے ہین؛

اقول۔ اولاً یہ آپکا قصور فہم ہی کہ قضیہ جزئیہ کو کلیہ سمجھتے ہین۔ یہ کس نے کہا ہی کہ کل
مضامین تاریخ غلط ہین۔ بیشک مین اور ہر اہل فہم اس سے انکار نہین کر سکتے کہ بعض
مضامین تواریخ درجۂ اعتبار سے ساقط ہین اور جو شخص اس کا قائل نہین ہی وہ یا
تو بڑا بلید ہی اور یا بڑا جاہل ہی۔ جناب افسانہ گوئی/ناول نویسی اور چیز ہی اور فن تاریخ
کی تحقیق اور چیز ہی۔ فرہی شے دیگر او رآماس شے دیگر است۔ اگر خدا نے
آپکو لیاقت دی ہوتی چشم بینا سے سرفراز کیا ہوتا تو آپ سمجھ سکتے کہ فن تاریخ
رطب و یابس صحیح و سقیم سب پر مشتمل ہی۔ اسی وجہ سے محققین نے نقد و جرح[1] سے کام
لیا ہی اور محک تحقیق پر اس فن کے جواہر کو غل و غش سے پاک کیا ہی۔ ذرا جلد اول
کتاب العبر و دیوان المبتدا و الخبر فی ایام العرب و العجم و البربر مصنفہ فاضل اجل
عبد الرحمن بن خلدون المغربی کو ملاحظہ فرمائیے، کہ اعلم ان فن التاریخ فن عزیز
المذہب جم الفوائد شریف الغایۃ اذ ھو یوقفنا علی احوال الماضین
من الامم فی اخلاقھم والانبیاء فی سیرھم والملوک فی دولتھم و
سیاستھم حتی تتم فائدۃ الاقتداء فی ذلک لمن یرومہ فی احوال

---

[1] دیکھیے اسکے لیے کتاب تصحیح تاریخ حضرت فخر الحکما ادام ظلہم جو اسی رسالہ اصلاح کے ساتھ اور بطور
علحدہ کتابی صورت میں دفتر اصلاح سے شائع ہوئی ہی ۱۲ مدیر اصلاح

الدین والدنیا فہو محتاج الی مآخذ متعددۃ ومعارف متنوعۃ وحسن نظر
وتثبت یفضیان لصاحبہا الی الحق وینکبان بہ عن المزلات والمغالطہ
لان الاخبار اذا اعتمد فیہا علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادۃ وقواعد
السیاسۃ وطبیعۃ العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب
منہا بالشاہد والحاضر بالغائب فربما لم یؤمن فیہا من العثور وزلۃ
القدم والحید عن جادۃ الصدق وکثیرا وقع للمورخین والمفسرین وائمۃ
النقل المغالط فی الحکایات والوقائع لاعتمادہم فیہا علی مجرد النقل غثا
او سمینا اذ لم یعرضوا علی اصولہا ولا قاسوہا باشباہہا ولا سبروہا
بمعیار الحکمۃ والوقوف علی طبائع الکائنات وتحکیم النظر والبصیرۃ
فی الاخبار فضلوا عن الحق وتاہوا فی بیداء الوہم والغلط سیما فی
احصاء الاعداد من الاموال والعساکر اذا عرضت فی الحکایات اذ ہی
مظنۃ الکذب ومطیۃ الہذر ولا بد من ردہا الی الاصول وعرضہا
علی القواعد وہذا کما نقل المسعودی وکثیر من المورخین فی جیوش
بنی اسرائیل وان موسیٰ احصاہم فی التیہ بعد ان اجاز من یطیق
حمل السلاح خاصۃ من ابن عشرین فما فوقہا فکانوا ستمائۃ الف او
یزیدون۔ ثم اوضح تکذیب ہذہ الروایۃ وابان تغلیطہا بادلۃ تاسیسیۃ
وشواہد تاریخیۃ ثم قال وما ذلک الا لولوع النفس بالغرائب و
سہولۃ التجاوز علی اللسان والغفلۃ عن المتعقب والمنتقد حتی لا یحاسب
نفسہ علی خطأ ولا عمد ولا یطالبہا فی الخبر بتوسط ولا عدالۃ ولا
یرجعہا الی بحث وتفتیش فیرسل عنانہ ویسیم فی مراتع الکذب
لسانہ ویتخذ آیات اللہ ہزوا ولیشتری لہو الحدیث لیضل
عن سبیل اللہ وحسبک بہا صفقۃ خاسرۃ

(۲) قال ومن الاخبار الواہیۃ للمورخین ما ینقلونہ کافۃ

فی اخبار التبابعة من ملوک الیمن وجزیرة العرب انهم کانوا یغزون من قراهم بالیمن الی افریقیه والبربر من بلاد المغرب الی ان اظهر فیه ان الطبری والجرجانی والمسعودی وابن الکلبی والبیلی قد ذهبوا الی ان صنهاجة وکتامة من حمیر وتاباه نسابة البربر وهو الصحیح،

(۳) قال وذکر المسعودی ایضا ان ذا الاذعار من ملوکهم قبل افریقش وکان علی عهد سلیمان علیه السلام غزا المغرب ودوخه وذکر مثله عن یاسر ابنه من بعده وانه بلغ وادی الرمل من بلاد المغرب ولم یجد فیه مسلکا لکثرة الرمل فرجع الی اخره۔ ثم قال وهذه الاخبار کلها بعیدة عن الصحة عریضة فی الوهم والغلط واشبه باحادیث القصص الموضوعة واستشهد فی هذا التغلیط بفن الجغرافیه والشواهد العقلیة

ثم قال واما وادی الرمل الذی یعجز السالک فلم یسمع قط ذکره فی المغرب علی کثرة سالکه ومن یقص طرقه من الرکاب والقری فی کل عصر وکل جهة وهو علی ماذکروه من الغرابة تتوفر الدواعی علی نقله،

ثم قال واما بلاد الترک فلا یصح غزوهم الیها بوجه لما تقرر فلا تثقن بما یلقی الیک من ذلک وتامل الاخبار واعرضها علی القوانین الصحیحة یقع لک تمحیصها باحسن وجه،

(۴) قال وابعد من ذلک واعرق فی الوهم ما یتنا قله المفسرون فی تفسیر سورة والفجر فی قوله تعالیٰ، اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۔ فیجعلون لفظة ارم اسما لمدینة وصفت بانها ذات عماد ای اساطین وینقلون انه کان لعاد بن عوص بن ارم ابنان هما

شدید وشداد ملکان بعده وھلک شدید فخلص الملک لشداد ودانت له ملوکہم وسمع بصفة الجنة فقال لابنین مثلہا فبنی مدینة ارم فی صحاری عدن فی مدة ثلث مائة سنة وکان عمره تسعمائة سنة وانہا مدینة عظیمة قصورھا من الذھب واساطینہا من الزبرجد والیاقوت وفیہا اصناف الشجر والانہار المطردة. ولما تم بناؤھا سار الیہا باھل مملکته حتی اذا کان منہا علی مسیرة یوم ولیلة بعث اللہ علیہم صیحة من السماء فھلکوا کلہم. ذکر ذلك الطبری والثعلبی والزمخشری وغیرھم من المفسرین وینقلون عن عبد اللہ بن قلابة من الصحابة انه خرج فی طلب ابل له فوقع علیہا وحمل منہا ما قدر علیه وبلغ خبره الی معویة فاحضره وقص علیه فبحث عن کعب الاحبار وسألة عن ذلك فقال ھی ارم ذات العماد وسیدخلہا رجل من المسلمین فی زمانك احمر اشقر قصیر علی حاجبه خال وعلی عنقه خال یخرج فی طلب ابل له. ثم التفت فابصر ابن قلابة فقال ھذا واللہ ذلك الرجل فھذہ المدینة لم یسمع لہا خبر من یومئذ فی شئ من بقاع الارض وصحاری عدن التی زعموا انہا بنیت فیہا ھی وسط الیمن ومازال عمرانه متعاقبا والادلاء تقص طرقه من کل وجه ولم ینقل عن ھذہ المدینة خبر ولا ذکرھا احد من الاخباریین ولامن الامم ولو قالوا انہا درست فیما درس من الآثار کان اشبه الا ان ظاھر کلامہم انہا موجودة وبعضہم یقول انہا دمشق بناء علی ان قوم عاد ملکوھا وقد ینتھی الھذیان ببعضہم الی انہا غائبة وانما یعثر علیہا اھل الریاضة والسحر مزاعم کلہا اشبه بالخرافات والذی حمل المفسرین علی ذلك ما اقتضته صناعة الاعراب فی لفظة ذات العماد انہا صفة ارم وحملوا العماد علی الاساطین فتعین ان یکون بناء

ومنها تمسكهم بذلك قراءة ابن الزبير عاد ارم على الاضافة
من غير تنوين ثم وقفوا على تلك الحكايات التي هي اشبه
بالاقاصيص الموضوعة التي هي اقرب الى الكذب المنقولة في عداد
المضحكات - والا فالعماد هي عماد الاخبية بل الخيام وان اريد بها
الاساطين فلا يبدع في وصفهم بانهم اهل بناء واساطين على العموم
بما اشتهر من قوتهم لا انه بناء خاص في مدينة معينة او
غيرها وان اضيفت كما في قراءة ابن الزبير فعلى اضافة
الفصيلة الى القبيلة كما تقول قريش كنانة والياس مضر وربيعة
نزار واى ضرورة الى هذا المحمل البعيد الذي تمحلت لتوجيهه
لامثال هذه الحكايات الواهية التي ينزه كتاب الله عن مثلها
ابعدها عن الصحة -

(۵) ومن ذلك ما ينقلونه كافة عن يحيى ابن اكثم قاضي المامون
وصاحبه وانه كان يعاقر المامون الخمر وانه سكر ليلة مع شربه
فدفن في الريحان والسكر ليس من شانهم وثبت انهما كانا يصليان
الصبح جميعا فاين هذا من المعاقرة - وايضا فان يحيى بن اكثم كان
من علية اهل الحديث وقد اثنى عليه الامام احمد بن حنبل
واسمعيل القاضي وخرج عنه الترمذي كتابه الجامع وذكر
المزني الحافظ ان البخاري روى عنه في غير الجامع فالقدح فيه
قدح في جميعهم وكذلك ما ينسبه المجان بالميل الى الغلمان بهتانا
على الله وفرية على العلماء ويستندون في ذلك الى اخبار القصاص
الواهية التي لعلها من افتراء اعدائه فانهم كان محسودا في كماله
وخلته للسلطان وكان مقامه من العلم والدين منزها عن مثل ذلك
واثنى عليه اسمعيل القاضي فقيل له ما كان يقال فيه فقال معاذ الله

ان تزول عنه الثقة مثله بتلك بباغ وحاسد۔ وقال الذهبی یحیی
ابن اکثم ابرأ الی الله من ان یکون فیه شیء مما کان یرمی
به من امر الغلمان۔ وقال فیه ابن حبان لا یشتغل بما یحکی عنه
لان اکثرها لا یصح عنه

(۶) ومن امثال هذه الحکایات ما نقله ابن عبد ربه
صاحب العقد من حدیث الزنبیل فی سبب اصهار المامون
الی الحسن بن سهل فی بنته بوران وانه عثر فی بعض اللیالی فی تطوافه
بسکک بغداد فی زنبیل مدلی من بعض السطوح بمعالق وجدل
مغارة الفتل من الحریر فاعتقده وتناول المعالق فاهتزت وذهب
به صعدا الی مجلس شانه کذا ووصف من زینة فرشه وتنضید آنیته
وجمال رؤیته ما یستوقف الطرف ویملک النفس وان امرأة برزت
له من خلل الستور فی ذلک المجلس رائعة الجمال فتانة المحاسن فحیته
ودعته الی المنادمة فلم یزل یعاقرها الخمر حتی الصباح ورجع
الی اصحابه بمکانهم من انتظاره وقد شغفته حبا بعثه علی الاصهار
الی ابیها۔ واین هذا کله من حال المامون المعروفة فی دینه وعلمه
واقتفائه سنن الخلفاء الراشدین من آبائه واخذه بسیر الخلفاء
الاربعة وحفظه لحدود الله فی صلوته واحکامه فکیف تصح عنه احوال
الفساق المستهترین فی التطواف باللیل وطروق المنازل وغشیان
السمر سبیل عشاق الاعراب واین ذلک من منصب ابنة الحسن بن
سهل وشرفها وما کان بدار ابیها من الصون والعفاف وامثال
هذه الحکایات کثیرة۔ وفی کتب المؤرخین معروفة وانما یبعث
علی وضعها والحدیث بها الانهماک فی اللذات المحرمة وهتک قناع
المخدرات ویتعللون بالتأسی بالقوم فیما یأتونه من طاعة لذاتهم

فلذلك تراهم كثيرا ما يلهجون باشباه هذه الاخبار وينقرون عنها عند تصفحهم لاوراق الدواوين ولو ائتسوا بهم في غير هذا من احوالهم وصفات الكمال اللائقة بهم المشهورة عنهم لكان خيرا لهم لو كانوا يعلمون - ولقد عذلت يوما بعض الامراء من ابناء الملوك في كلفه بتعلم الغناء وولوعه بالاوتار وقلت له ليس هذا من شانك ولا يليق بمنصبك فقال لي افلا ترى الى ابراهيم بن المهدي كيف كان امام هذه الصناعة ورئيس المغنين في زمانه فقلت له يا سبحان الله وهلا تاسيت بابيه او اخيه او ما رأيت كيف قعد ذلك بابراهيم عن مناصبهم فصم عن عذلي واعرض والله يهدي من يشاء،

(۷) ومن الاخبار الواهية ما يذهب اليه الكثير من المورخين والاثبات في العبيديين خلفاء الشيعة بالقيروان والقاهرة من نفيهم عن اهل البيت صلوات الله عليهم والطعن في نسبهم الى اسمٰعيل ابن جعفر الصادق يعتمدون في ذلك على احاديث لفقت للمستضعفين من خلفاء بني العباس تزلفا اليهم بالقدح فيمن ناصبهم وتفننا في الشمات لعدوهم حسب ما نذكر بعض الاحاديث في اخبارهم ويغفلون عن التفطن لشواهد الواقعات وادلة الاحوال التي اقتضت خلاف ذلك من تكذيب دعواهم والرد عليهم ثم قال وما لهم قبحهم الله والعدول عن مقاصد الشريعة على ان تنزيه اهل البيت عن مثل هذا من عقائد اهل الايمان فالله سبحانه قد اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا - ثم قال ومن اعتقد خلاف ذلك فقد باء باثمه وولج الكفر عن بابه وانما اطنبت في هذا الرد سد الابواب الريب ودفعا في صدر الحاسد لما سمعته اخذناه من قائله المعتدي

علیہم به القادح فی نسبهم بمثله وینقله بزعمه عن بعض موحدی المغرب ممن انحرف عن اهل البیت والا فالمحل منزه عن ذلک ومعصوم منه ونفی العیب حیث یستحیل العیب عیب لکنی جادلت عنهم فی الحیاة الدنیا وارجو ان یجادلوا عنی یوم القیامة۔ ثم قال وقد کدنا ان نخرج عن غرض الکتاب بالاطناب فی هذه المغالط فقد زلت اقدام کثیر من الاثبات والمؤرخین الحفاظ فی مثل هذه الاحادیث والآراء وعلقت بافکارهم ونقلها عنهم الکافة من ضعفة النظر والغفلة عن القیاس وتلقوها هم ایضا کذلک من غیر بحث ولا رویة واندرجت فی محفوظاتهم حتی صار فن التاریخ واهیا مختلطا وناظره مرتبکا وعد من مناحی العامة فاذا یحتاج صاحب هذا الفن الی العلم بقواعد السیاسة وطبائع الموجودات واختلاف الامم والبقاع والاعصار فی السیر والاخلاق والعوائد والنحل والمذاهب وسائر الاحوال والاحاطة بالحاضر من ذلک ومماثلة ما بینه وبین الغائب من الوفاق او بون ما بینهما من الخلاف وتعلیل المتفق منها والمختلف والقیام علی اصول الدول والملل ومبادی ظهورها واسباب حدوثها ودواعی کونها واحوال القائمین بها واخبارهم حتی یکون مستوعبا لاسباب کل حادث واقفا علی اصول کل خبر وحینئذ یعرض خبر المنقول علی ما عنده من القواعد والاصول فان وافقها وجری علی مقتضاها کان صحیحا والا زیفه واستغنی عنه وما استکبر القدماء علم التاریخ الا لذلک

ان کل عبارتون کا خلاصہ یہ ہی کہ فن تاریخ نہایت عمدہ فن ہی جسمین بے انتہا فوائد ہین جس کی نہایت عمدہ غایت ہی۔ اسی فن سے ہم کو گذشتون کے حالات معلوم ہوتے ہین۔ اُن کے اخلاق پر اطلاع ہوتی ہی۔ انبیاء کی سیرتین۔ سلاطین کی دولت

وسیاست کی حالتین معلوم ہوتی ہین جس سے عبرت ونصیحت اور اُن کی تقلید کی
ہدایت ہو کہ دین و دنیا مین اُن کی پیروی کرین۔ اس فن تاریخ کو انواع اقسام
کے ماخذ و معارف کی ضرورت ہے جس سے ہم خبرون کو نقل کرین اس پر حسن نظر
تثبت استقلال۔ غور و فکر بھی مطلوب ہے جس سے صحیح باتین معلوم ہون۔ اور
لغزشون سے محفوظ رہین کیونکہ اگر خبرون مین صرف نقل پر اعتماد کیا جائے اور عادات
قواعد سیاست۔ ملک کی آبادی و حالت وغیرہ امور پر لحاظ نہ کیا جائے تو یقیناً
بہت سی غلطیان ہون گی۔ اسی سبب سے مورخین۔ محدثین۔ مفسرین اور دیگر اہل
نقل کو جنکے علوم کی بنا ناقلین کے اقوال پر ہے نقل و حکایات و وقائع مین بہت
سی غلطیون مین مبتلا ہونا پڑا کیونکہ انکا اعتماد محض نقل پر تھا نہ غلط و صحیح مین کچھ تمیز
کیا۔ نہ اصول و قواعد کی پابندی کی نہ عادات زمانہ پر خیال کیا۔ نہ رسم و رواج پر
نہ ملک کی حالت پر۔ نہ اصول حکمت پر نہ عالم کے طور و طریقہ پر نہ بجائے خود غور و فکر کیا
اسی وجہ سے راہ حق سے دور ہو گئے۔ اوہام و اغلاط مین مبتلا ہوئے۔ چنانچہ مسعودی
و دیگر مورخین نے لشکر بنی اسرائیل کی مردم شماری مین لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے جوتیہ مین اُن کا شمار کیا تو چھ لاکھ سے زائد تھے۔ مورخین نے یہ تعداد تو لکھدی مگر
اسپر غور نہین کیا کہ مصر و شام کی وسعت کتنی ہے۔ اتنے لوگون کی گنجایش بھی اُن
ممالک مین ہے کہ نہین۔ اسپر بھی نہ خیال کیا کہ اس تعداد کثیر کے لیے رسد کیونکر
بہم پہونچ سکتی ہے۔ دوسرا واقعہ سنیے جس کو سب مورخین نے لکھا ہے کہ قوم تبع کے
بادشاہ یمن سے نکلکر افریقہ و بربر تک فتوحات کرتے چلے گئے حالانکہ ملک بربر کے
علماء نسب اس واقعہ سے سرے ہی سے انکار کرتے ہین جو بہت صحیح و درست ہے
تیسرا اور چوتھا واقعہ قبل اسلام کا ذوالاذعار بادشاہون اور عاد ارم ذات العماد
کا ہے کہ ان مین بھی شدید غلطیان ان مورخین سے ہوئی ہین۔ پانچوان واقعہ جو
عام طور پر کل مورخین لکھتے آئے ہین یہ ہے کہ قاضی القضاۃ یحییٰ ابن اکثم جو
خلیفہ مامون کے عہد کا سب سے بڑا اسلامی عالم تھا شراب پیتا تھا اور لواطہ کی

عادت مین مبتلا تھا۔ چھٹا واقعہ یہ ہو کہ مامون ایک رات کو بغداد کی گلیون
مین گھوما پھرتا تھا کہ دفعتہً ایک مکان کے کوٹھے سے ریشمی دوری مین
بندھی ہوئی ایک زنبیل اتری۔ مامون جو بھیس بدلے ہوے تھا اس زنبیل
مین بیٹھ گیا اور فوراً وہ رسی اوپر کھچ گئی اور مامون ایک کوٹھے پر پہونچ گیا،
وہان ایک نہایت حسینہ و جمیلہ لڑکی اس کے سامنے آئی اور شراب پینا اور مامون
کو پلانا شروع کیا یہان تک کہ اسی حالت مین صبح ہو گئی مامون اسی حالت بیہوشی
مین اپنے گھر پہونچا تو اس لڑکی پر بیحد فریفتہ ہو گیا تھا۔ تحقیق کی کہ وہ پری رو کون
ہو اور کس کی بیٹی ہے، معلوم ہوا کہ وہ اسی مامون کے وزیر حسن بن سہل کی
بیٹی بوران تھی۔ مامون تو اُسپر ہزار جان سے عاشق ہو رہا تھا فوراً پیغام نکاح دیا
شادی ہو گئی۔ ساتوان واقعہ یہ ہو کہ بہت سے متعصب مورخین نے لکھدیا ہو
کہ مصر کے خلفاے فاطمین خاندان رسالتمآب صلعم سے نہین تھے اور یہ صرف
خلفاے بنی عباس کی خوشامد مین کہ وہ لوگ خلفاے فاطمین سے جلتے تھے
اور ان کو بدنام کرنے کی ہر طرح کوشش کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سب غلط ہو
وہ حضرات یقیناً حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد اور جناب سیدہ کی
نسل سے تھے۔ ان خوشامدیون نے یہ سب ترکیبین تو کین مگر اصل واقعہ سے
غافل ہو گئے جس سے اُن کے کذب و افترا کی قلعی کھل جاتی ہو اور اصلی حالت
ظاہر ہو جاتی ہو جو اُن کی تکذیب اور رد کے لیے کافی ہو کیونکہ اس پر تو تمامی
مورخین کا اتفاق ہو کہ اس دولت کی بنیا دیون پڑی کہ ابو عبداللہ محتسب نے
کتامہ مین (جو افریقہ کے ایک شہر کا نام ہو) رضائے آل محمد کی منادی کرائی اور
وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح عبید اللہ مہدی اور اُس کے بیٹے ابو القاسم کی حکومت
قائم کرے۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ان دونون شخصون (مہدی اور ابو القاسم)
نے اپنی وضع تبدیل کی تاجرون کا لباس پہنکر جلا وطنی اختیار کی، دار الخلافہ
کے قریب شہرون کو چھوڑکر مصر ہوتے ہوے اسکندریہ سے بھی آگے بڑھ گئے

اُس زمانے مین عیلی تو شہری بغداد کی طرف سے مصر و اسکندریہ کا گورنر تھا۔ اُس کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو اُن کی گرفتاری کے لیے لشکر روانہ کیا۔ مگر اُنھون نے وضع بدل دی تھی۔ پہچان نہ پڑے۔ وہ لشکر بے نیل و مرام واپس آیا۔ اور یہ دونون صاحب ملک مغرب مین پہونچ گئے اور اپنی حکومت قائم کرلی۔ اُس کے بعد آہستہ آہستہ ان کی سلطنت قوی ہوتی چلی۔ یہان تک کہ تمام بلاد مغرب افریقہ۔ یمن۔ اسکندریہ۔ مصر۔ شام۔ حجاز اُن کے قبضہ مین آگیا اور قریب تھا کہ بغداد پر بھی چڑھائی کردین۔ اور عباسی خلافت کو اُکھاڑ پھینکین کامل ایک سال تک خاص بغداد مین ان کا خطبہ پڑھا گیا اور خلفاے بنی عباس سے کچھ نہین بن پڑا۔ بھلا بتاؤ کہ اگر خلفاے مصر سادات صحیح النسب نہ ہوتے۔ غیر نسلون سے اُن کی آمیزش ہوتی تو کبھی ان کا دعوی چلتا۔ ان کے امور فروغ پاتے؟ ہرگز نہین اگر خلفاے مصر مین یہ عیب ہوتا تو ان کا راز کھل جاتا اور لوگ ان سے متفرق ہوجاتے۔ حالانکہ مصریون کی بادشاہت ۲۷۰ برس تک جاری رہی یہانتک کہ مقام ابراہیم (خانۂ کعبہ) اور موطن رسول (مدینہ) تک اُن کی سلطنت پھیل گئی۔ اُس کے بعد بھی جب اُن کی سلطنت کو زوال آیا۔ ممالک مفتوحہ نکل گئے تو اُن کے شیعون کی اطاعت و محبت اسی درجہ پر رہی نہ اُنکی عقیدت مین فرق آیا نہ ان کی اولاد اسمعیل بن امام جعفر صادق ہونے مین شبہ ہوا۔

غرض ایسے بہت سے تاریخی بیانات ہین جن مین مورخین سے شدید غلطیان ہوگئی ہین اور وہ خلاف عقل اور مہمل باتون کو لکھ گئے ہین۔ اسی وجہ سے فن تاریخ بالکل مختلط ہو گیا اور اس کا بغیر قوت فیصلہ کام مین لائے ہوئے پڑھنے والا بھٹکتا رہتا اور جاہلون مین شمار ہونے لگتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ
تبت یدا ابی لهب

معذرت

اس رسالہ کی بنیاد تو ابتدا سے اس تحریر پر تھی جسے عمدۃ الاذکیا جناب مولوی **سید مرتضیٰ صاحب** دام علاہ رئیس نونہرہ ضلع غازی پور ناظم صیغہ علوم و فنون حیدرآباد نے ابتدائی زمانہ میں ازراہ کمال شفقت مرحمت کی جو بحیثیت مراسلات تھی کہ جناب ممدوح نے مسٹر عبدالحلیم کو دوستانہ طور پر خطوط لکھے اور انھوں نے جواب دیئے جس کا آخری حصہ موسوم بہ **گلزار ابراہیم** اصلاح میں بھی چھپتا تھا اور بقیہ اجزا کے نہ ملنے سے آخر وہ سلسلہ ترک ہوا۔

اسی وجہ سے طالبان تحقیق کی تشنگی کم نہ ہوئی اور ان کا اشتیاق نبا رہا بلکہ دیر ہونے سے اور بھی ان کی پیاس بڑھتی گئی یہانتک کہ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں جب **حضرت فخر الحکما** دام ظلہ وطن سے تشریف لائے تو بعض **روسا پٹنہ** نے کچھ اس طرح کا اصرار کیا کہ بجز قبول کرنے انجام دہی اس مہم کے چارہ نہ رہا یہانتک کہ محض انھیں وعدوں کی امید پر قرض لیکر کام شروع کر دیا گیا۔

چار یا پانچ جز طبع ہوئے تھے کہ ان وعدوں نے بھی جواب دیا اور دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ مراسلات کا سلسلہ ختم ہوا۔ بعد کے اجزا حیدرآباد سے طلب کئے جاتے ہیں جواب ہی نہیں ملتا دو تین مہینہ کے بعد جواب آیا تو یہ "کہ یہاں دوسرے جھگڑے پیش ہیں فرصت نہیں"۔

مجھ سے یہ نادانی ہوئی کہ بخیال اسکے کہ رسالہ تمام ہے ایک جز ہفتہ عشرہ میں چھپ جائیگا تیاری کا اشتہار دیدیا جس سے عجب طرح کے مخمصہ میں مبتلا ہوا ایک طرف شائقین کے مطالبے پر مطالبے شروع ہوئے۔ مالی امداد کا یوں خاتمہ ہوا علمی ذخیرہ نے یوں جواب دیا۔ میں نے تو چاہا انھیں

(۷) جزو نیز خاتمہ کردوں۔ مگر **حضرت فخر الحکما ظہیر العلما محسن الشیعہ مولانا السید علی اظہر صاحب** قبلہ دامت برکاتہ کی یہ رائے ہوئی کہ مفصل جواب ہر ہر واقعہ کا لکھنا ضرور ہے اگرچہ کتنی ہی دیر ہو۔

اسوجہ سے میں نے دوسرا حصہ لکھنا شروع کیا جسکا نام **دافع الشرر** ہوا اور دیباچہ میں بھی لکھا گیا تو یہ دوسرا حصہ اس عنوان سے لکھا گیا کہ شب کو میں **مسودہ لکھتا** صبح کو کاپی لکھی جاتی **دوسرے روز** چھپتا جس سے نہ نظر ثانی ہو سکی نہ پورے طور پر تصحیح اسیوجہ سے اکثر موقعوں پر لکھی ہوئی کاپیاں کاٹی گئیں پھر پھر عبارت بدلی گئی بہت سے ضروری مطالب رہ گئے جنکا موقع نکل چکا تھا اور بجز افسوس کوئی چارہ نہ تھا سب سے زیادہ دقت یہ پڑی کہ کتاب **اغانی** میرے پاس نہ تھی نہ یہاں کوئی اس کا نسخہ ملسکتا تھا حالانکہ اسکا ہونا بہت ضروری تھا کہ شرر کی کل تحریر کا اسی پر دار و مدار تھا ایسے حال میں آپ خیال کر سکتے ہیں کہ کیونکر یہ تحریر مکمل ہو سکتی تھی۔ مگر یہ بھی خدا کی قدرت ہے یا ائمہ اطہار کی کرامت کہ بلا کد و کاوش وہ حصہ ملگیا جسمیں یہ حالات مرقوم تھے جس سے بکمال آسانی یہ مہم انجام ہوئی اور کسیکا ممنون احسان بھی ہونا نہ پڑا۔

اب آپ حضرات خود تصفیہ کر سکتے ہیں کہ کہانتک **خلاف وعدگی** کا جرم مجھ پر عاید ہوتا ہے اور اس جرم کا ارتکاب کن مجبوریوں سے ہوا جسکے ساتھ اسکا بھی فیصلہ ہو جائیگا کہ پہلے ۸؍ کیوں قیمت قرار دیگئی جب ۹ جز اسکا حجم تھا اور اب عہ؁ اسوجہ سے کہ ۸۰ جز حجم ہوا۔

آخر میں ان روسا رعالیوقار کا شکریہ صدق دل سے ادا کرتا ہوں جنکی تحریک اور صرف و عدول نے اس رسالہ کو چھپوایا گو میں **بحدے زیر بار ہوا**۔ خداوند عالم ادا بھی کردیگا ان حضرات کے شکریہ اور **حضرت فخر الحکما** دام ظلہ کی دعاگوئی پر اس معذرت کو ختم کرکے ناظرین رسالہ سے امیدوار دعا ہوں کہ اگر کسیطرح اس رسالہ سے محظوظ ہوں تو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں کہ یہ جو کچھ جلوہ ہے وہ صرف حضرت والد علام فخر الحکما دام ظلہ کے درد دینی و فیاضی کا ورنہ کجا میں اور کجا یہ تحریر۔ اور کہاں ان کتابوں کی اشاعت جنکا نہ کوئی معین ہے نہ کفیل **وھو حسبی و نعم الوکیل**۔

محمد حیدر عفی عنہ

۲۵ / رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ

فہرست مضامین جواب شرر بقید صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً مصلیاً مسلماً

یہ بیان کرنے کی تو کوئی ضرورت نہیں کہ جواب شرر کیا ہی مگر اس سے پہلے کہ ہمارے ناظرین کی معزز نگاہیں جواب شرر کیطرف رجوع ہوں یہ بتانا ہمارا فرض ہی کہ مسٹر شرر صاحب کون شخص ہیں۔ تاہم اس سے ہمارے ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ ہم جناب شرر صاحب کے خاندانی حالات بیان کرینگے نہیں بلکہ اُن سوشیل حالات پر کچھ ریمارک۔ مگر کیوں ؟ اسی وجہ سے کہ مسٹر شرر صاحب ایک خاص رنگ کے موجد ہیں جسکو ناولانہ رنگ کہتے ہیں زمانہ اور اہل زمانہ تو ہمیشہ سے نئے ایجادوں پر مر مٹنے والے ہوتے ہیں مسٹر شرر کی اس ایجادی رنگ اور اس نئے رنگ میں لکھنے والے ناولوں نے جلد قبولیت عام کا تمغہ پا لیا اور پھر حسن و عشق پر جان دینے والے آوارہ مزاجوں کی طبیعت اور انکی بے انتہا تعریف نے مسٹر شرر کے ایجادی رسالہ دلگداز کے سر بالاتفاق اور ایک دل ہوکر وہی سہرا باندھا جو کچھ زمانہ کے پہلے ایسے حضرات کے بگڑے دلوں نے ان قدیم فسانوں اور مثنویوں کے سر باندھا تھا جنکو آجکل کے تعلیمیافتہ نوجوانوں سے مجذوبوں کی بڑیا ہوائے طلسم کا لقب دیا گیا ہی۔ اور جن کو آپ نے شاید علمی جلسوں میں تو نہ سنا ہوگا مگر ہاں چانڈو خانوں میں میکدوں میں اور زنان بازاری کے کوٹھوں پر سے آنے والی آوازیں اگر کبھی آپ کی قوت سماعت تک پہونچی ہونگی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اُن کا چرچا ایسے ہی مخرب

اخلاق مجمع میں زیادہ رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دلگداز نے بھی ایسے ہی بفکروں کے دل و دماغ کو کچھ ایسا گداز کیا۔ کہ ہر آنکھ اور ہر دل اسکا شیدائی نکلا۔ ان بیکار محض جلسوں سے قدیم فسانہ نگاروں کی یادگار عشقیہ داستانیں۔ مثنویاں۔ واسوخت یا اور اس قسم کی دوسری کتابیں اُٹھادی گئیں اور انکی جگہ دلگداز نے اختیار کی۔ اور چونکہ اسکا شباب تھا اسلئے عام اس سے کہ اس میں کوئی نقص تھا یا نہیں ملک میں اس پر کوئی لایق شخص نظر انداز نہیں ہوا بلکہ اگر کسی نے دیکھا بھی تو قبح سے درگذر کی اندرونی مطلب سے کچھ سروکار نہ رکھا اور ان کے بچے ہوئے الفاظ کی نشست کے تعریف ہی کی۔

جب مسٹر شرر نے دیکھا کہ انکے ایجادی رنگ کا طوطی ہر طرف بول رہا ہے چاروں طرف سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہیں تو ان کی جدت پسند طبیعتوں نے اس سنہرے رنگ میں کچھ اور سہاگا ملانا چاہا۔ اور یہ سودا انکے دماغ میں پکنے لگا کہ دیکھیں مذہبی دنیا میں ہمارا جادو کہاں تک چل سکتا ہے مگر یہ جدت انکے حق میں ع اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔ کے مصداق نکلی۔ اور اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ لندن سے واپس آکر ان حضرت نے دلگداز کو جو کچھ دنوں کیلئے بند ہوگیا تھا جب حیدرآباد سے دوبارہ جاری کیا جہاں انکی لفظی آتش فشانیوں کا شعلہ بہت تیز ہو رہا تھا تو یہ اپنی بے اعتدالیوں کی وجہ سے اسے چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور مجبور بھی کچھ ایسا کہ آخر اُسے چھوڑنا ہی پڑا اب جسے خیرباد کہہ کر دل کی امیدیں دل ہی میں لئے بے نیل مرام لکھنؤ واپس آئے۔ یہاں پھر وہی لہنگا تھا اور وہی ساری۔

مسٹر شرر صاحب کی ناول نویسی (جسکو ناول کے اسٹنڈرڈ سے الگ پاکر ہم فسانہ نگاری کا لقب دینے پر مجبور ہوتے ہیں) واقعی ایک انوکھی چیز تھی۔ اور چونکہ اسکو بالکل حسن و عشق سے لگاؤ تھا اسلئے تمام ہندوستان کو اپنا شیدا بنا لیا۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ اگر یہ اوسی رنگ پر رہتے تو اچھی طرح ان کی نبھ بھی جاتی۔ مگر خدا جانے ولایت کے سفر سے یا وہاں کی ان سوسائیٹوں کے اثر سے جسکا نقشہ رینالڈز نے اپنی کتاب مسٹریز آف دی کورٹ آف لنڈن میں اچھی طرح دکھایا ہے جب ان کے

خیالات کا پہلو بدلا اور یورپین ریفارمرز کے مقلد بنکر زیادہ تر آزادی سے کام لینے لگے اور یہ چاہا کہ اس رنگ کو عام طور سے پھیلادیں تو متعدد تحریریں بہت زوردار الفاظ میں ایسے ایسے مضامین پر لکھیں کہ پردہ نسوان اٹھا دیا جائے اور تمام عورتوں کے آزاد ہو جانے سے اس بات کی تفریق جاتی رہے کہ کون شریف ہے اور کون رذیل یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہر شخص کو اپنی صورت اور اپنی عقل سب سے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے اور جس طرح اسکے مان لینے میں فلسفے کے کسی کلیہ یا ریاضی کے کسی مسئلہ کی طرح شک نہیں اوسیطرح یہ بھی مان لیا گیا ہے کہ اپنی قوم حالت ہر شخص کو زیادہ بالطبع مرغوب ہوتی ہے اور وہ ہر قوم کی حالت سے اُسے افضل سمجھتا ہے جبکا وہ خود عادی اور خوگر ہوتا یا بنا یا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آزاد خیال مسٹر شرر صاحب نے بھی اپنے عالی دماغ کے چھوٹے چھوٹے خانوں میں لندن کی سوسائیٹیوں کے اثر سے جو آزادی اور نیشنل محبت کا سودا بھر لیا اور دلمیں اسکا شوق پیدا ہوا کہ ہندوستان بھی لندن کا جواب بنجائے تو حضرت نے پردہ سسٹم کی برائیوں پر فوراً آنکھیں بند کرکے ایک ناول دھر گھسیٹا۔ اور اتنا خیال نہ کیا ہندوستان ایشیاٹک کنٹری ہے (ASITIC COUNTRY) ہے کوئی مغربی ملک نہیں (EUROPEAN LAND) جہاں کے آسمان و زمین سیاست مدن اور طرز معاشرت میں ہندوستان یا دوسری ایشیاٹک کنٹریز (ASIATIC COUNTRIES) سے اسیطرح جدا اور بے میل ہیں جس طرح دن سے رات یا جسطرح سچی نیشنل سیمپیتھی (NATIONAL SUMPATHY) اور سچی پاٹریزم (PATRI-TISIM) سے حب الوطنی اور قومی ہمدردی کے بظاہر دار الفاظ جو انکے منہ سے نکلتے ہیں۔ غرض اس بات کا پورا ارادہ کرلیا کہ ہندوستان سے چھتیس ۳۶ قومی ملک سے جہاں شریف و رذیل کا بدیہی فرق و امتیاز انکی وضع شکل اور طرز معاشرت سے معلوم ہوتا ہے یہ رسوم اٹھاکر اور آزادی پھیلاکر سب کو "سب دھان بائیس ۲۲ پسیری" کے مصداق بنا دیں۔ شریف و رذیل میں کچھ فرق نہ رہے اور شرفا اس قابل نہ رہیں کہ وہ اپنی جداگانہ رفتار اور زندگی کی روشوں پر فخر و ناز کے ساتھ

کچھ کہہ سکیں یا اور قوموں کے مقابلہ میں تعلّی کریں۔

مسٹر شرر صاحب نے اسی خیال سے مجبور ہو کر خاندان رسالت سے عداوت کی بنیاد ڈالی اور کئی صدیوں بعد اس عداوت کو بزور قلم پورا کرنا چاہا جو سلاطین **بنی امیہ و بنو عباس** بزور سیف بھی پورا نہ کر سکے تھے۔ اس کام کی انجام دہی کیلئے تاریخ کی آڑ ڈھونڈھی مگر سید البشر کی آل اطہار اور انکی برگزیدہ اولاد پر بھلا کوئی کیا حرف لا سکتا ہے۔ کیا مجال ہے یہ بات اسیطرح ناممکن ہے جسطرح چاند پر غبار ڈالنا۔ ان باتوں سے مدنغ مورخ یاہمیش ناولسٹ صاحب کو اور تو کچھ نہ حاصل ہوا مگر ہاں ان تحریروں کے دیکھنے والے یہ البتہ سمجھ گئے کہ حضرت کا دماغ کس ساخت کا واقع ہوا ہے اور ظرف کیسا ہے۔

مسٹر شرر صاحب جبتک لکھنؤ میں رہے انکو ایسی حرکت کی کبھی جرأت نہ پڑی کیونکہ اہل لکھنؤ جنکو اکثر باتوں میں ہندوستان کے اکثر بلاد کے باشندوں پر فوق حاصل ہے صرف ان سے علم ہی میں بڑھے چڑھے نہ تھے کہ ان کا دندان شکن جواب دیتے بلکہ انکے ہموطن ہونیکے باعث بمصداق "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" انکے کچے چٹھے سے بھی واقف تھے اسی لئے یہ خیال کرکے کہ یہ امید یہاں کسیطرح پوری ہوتی نظر نہیں آتی ہمارے حضرت نے **حیدرآباد** کو انتخاب کیا جہاں لوگ ان کو دلگداز کے اڈیٹر اور ناولوں کے مصنف ہی کی حیثیت سے جانتے تھے اور آگے بالکل سناٹا تھا یہیں انھوں نے اس رنگ کی تحریروں کی ابتدا کی پہلا نمبر "خاندان نبوت" کی سرخی سے لکھا گیا اور جناب **شہربانو** رضی اللہ عنہا کی شان میں جو جو کچھ انکے دل میں آیا بے تکلف لکھ گئے۔ اس مضمون پر مولوی عبدالعزیز صاحب کی حمیت اسلامی نے ان کے خون میں ایک تازہ جوش پیدا کر دیا اور انھوں نے ترکی بترکی جواب **طوطی ہند میرٹھ** میں چھپوا دیا اور اسکے ساتھ خود انھیں کے علما کے وہ مہری فتوے بھی شامل کئے تھے جن میں ان کی تکفیر اور تفسیق کی گئی تھی۔

اس تحریر اور فتوؤں نے شرر کی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کو تھوڑے دنوں کے لئے ٹھنڈا کر دیا مگر ولایت کے سفر سے جب واپس آئے تو یہ دبی ہوئی آگ انکے دل میں پھر

شعلہ افگن ہوئی اور حضرت نے یہ خیال کر کے کہ اگر یہ کام پورا نہ کیا تو بزرگوں کو منہ کس طرح دکھائینگے پھر اوسی عنوان سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے شروع کئے اور وہ کمی جو قتل و غارت سادات کے بعد یوہیں سی باقی رہ گئی تھی ان بزرگ کے ہاتھوں پوری ہوئی اور "**سکینہ بنت حسینؑ**" کی ہیڈنگ سے دلگداز میں جس کو حسن و عشق کا رسالہ ہونے سے لڑکوں کا کھلونا کہیں تو کچھ بیجا نہ ہوگا اس کے دو نمبر شائع کئے۔ مگر آخر کار اس کا تیسرا نمبر بزور سلطنت روکا گیا اور اسی کے ساتھ یہ بھی حیدرآباد سے وداع ہوئے۔

انھیں تحریروں کے متعلق جو وہاں تحریریں ہوئیں یا دیگر اخبار و رسائل میں ردّو قدح ہوئی اُن سب کے مجموعہ کا نام جواب شر رہے۔

عبارات دلگداز

نمبر ۳ یکم سنبلہ ۱۳۲۹ ؁ مجری مطابق ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۵ ؁ء جلد ۳

سکینہ بنت حسینؑ

جناب امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں۔ جو رباب بنت امراء القیس کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ آپ کی والدۂ ماجدہ رباب شریف اور صاحب جمال زنان عرب میں شمار کیجاتی تھیں۔ جناب سکینہ کے نانا امراء القیس سرزمین عرب کے نامور اور بہادر عیسائیوں میں تھے جن کو اپنے حسب و نسب اور اپنے مذہب پر بہت بڑا ناز تھا جب تمام جزیرہ نمائے عرب اسلام کے قبضہ میں آ گیا اور عساکر خلافت مرتدان عرب کا خاتمہ کر کے ایران و روم کی فوجوں کے مقابل میں صف آرا تھے اور مختلف فتوحات نے قسمت روم کا حال بھی پیش بین اور عاقبت اندیش لوگوں کو بتا دیا تھا۔ اس وقت خود بخود امراء القیس کے دل میں نور اسلام کی شعاعیں چمکیں اور ارادہ کیا کہ اپنی قدیم عیسویت کو چھوڑ کے پیغمبر آخر الزمان صلعم کے سچے اور برگزیدہ دین میں داخل ہوں جس وقت اس پاک الہام نے ان کے دل پر حقیت اسلام کا نقش بٹھایا ہے اس وقت جناب فاروق کی خلافت تھی اور دُرہ عمری کا رعب سلاطین ارض کے دلوں کو لرزا رہا تھا

اگرچہ اس ہیبت و رعب نے اِن کے دل کو بھی کسی قدر پریشان کیا۔ مگر آخر عربی سادہ مزاجی نے رہبری کی اور خاندانی شجاعت نے دل مضبوط کیا۔ بے تکلف اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ طیبہ کی راہ لی۔

جس وقت خلافت راشدہ کے اُس پاک دارالخلافت میں پہنچے اور جناب فاروق کے دروازہ پر آئے اُس وقت حضرت عمرؓ کا سادہ دربار گرم تھا۔ بہت سے لوگ اور معززین صحابہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جنمیں علی مرتضیٰؓ اور اُن کے دونوں صاحبزادے یعنی جگر پارہ ہائے سیدۃ النساءؓ حسنؓ و حسینؓ بھی رونق افروز تھے۔ امراء القیس تمام لوگوں کے درمیان میں ہوتے ہوئے سیدھے جناب فاروق کے سامنے پہنچے اور کہا۔ "السلام علیک یا امیر المومنین" حضرت عمرؓ نے پوچھا "کون؟" کہا "امراء القیس بن عدی کلبی" اتنا سنتے ہی حاضرین میں سے ایک شخص بول اٹھا "امیر المومنین۔ آپ نہیں پہچانتے یہ وہ شہسوار ہے جس نے جاہلیت میں معرکہ فلج کے دن قبیلہ بکر پر تاخت کی تھی" حضرت عمرؓ نے پہچاننے کے بعد پوچھا "اور یہاں آئے کس غرض سے ہو؟" امراء القیس نے فوراً جواب دیا "ایمان لانے اور مسلمان ہونے کو" جناب فاروق نے اُسی وقت کلمہ پڑھوا کے مسلمان کیا اور اسکے ساتھ ہی ایک نیزہ منگوا کے اس پر ایک پھریرا آویزاں کیا اور انکے ہاتھ میں دیکے فرمایا "جاؤ میں نے تم کو شام میں مسلمانان قبیلہ قضاعہ پر سردار مقرر کیا"۔

امراء القیس اس شان سے پلٹے کہ سر پر علم اسلام لہرا رہا تھا اور ان کو اتنی جلدی اس شان اور اس رتبہ پر دیکھ کے لوگوں کو حیرت ہوگئی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ سوا امراء القیس کے اور کسی کو یہ عزت نہیں حاصل ہوئی کہ ایمان لانے کے بعد قبل اسکے کہ اُسنے ایک رکعت نماز بھی ادا کی ہو مسلمانوں کے ایک گروہ پر سردار مقرر کر دیا گیا ہو۔

الغرض امراء القیس پلٹ کے چلے تھے اور ہنوز جناب فاروق کی صحبت سے باہر نہیں نکلے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ اپنے دونوں صاحبزادوں حسنؓ و حسینؓ کو لئے ہوئے اُٹھے اور بڑھ کے اس نو مسلم شہسوار عرب کا دامن پکڑ لیا۔ اور کہا "چچا میں علی ابن ابیطالب رسول اللہ صلعم کا چچازاد بھائی اور داماد ہوں۔ اور یہ میرے دونوں بیٹے ہیں جو پیغمبرؐ کی بیٹی کے

بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم تینوں آرزومند ہیں کہ ہمیں اپنی دامادی میں قبول کیجئے۔ امیرالعصر نے یہ درخواست سنتے ہی قبول کی اور کہا "اے علی میں اپنی بیٹی محیاۃ تمہارے عقد میں دیتا ہوں۔ اور لے حسن اپنی بیٹی سلمیٰ تمہارے عقد میں۔ اور اے حسین میری بیٹی رباب تمہارے لئے ہے" الغرض اسی صحبت میں یہ تینوں عقد ہوئے۔ اور جناب فاروق کے عہد میں رباب کو خاندان نبوت کی بہو بننے کی عزت حاصل ہوئی۔ رباب نے جناب امام حسینؑ کے ساتھ ایسے خلوص اور ایسی محبت کا اظہار کیا کہ ان کے حسن وجمال انکی عفت و پاکدامنی اور ان کی محبت و اخلاص نے جناب امام حسینؑ کو فریفتہ اور انتہا سے زیادہ گردیدہ کر دیا درحقیقت جناب سبط اصغر کو اپنی عاشق بی بی رباب اور پیاری بیٹی سکینہ کے ساتھ ایسی محبت و الفت تھی کہ عرب کی سادی لائف کے اعتبار سے لوگوں کو غیر معمولی نظر آئی تھی۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ بڑے بھائی جناب امام حسنؑ نے آپ کو ایک مرتبہ الزام دیا اور عتاب آمیز کلمات استعمال کئے جنکو سنکے بجائے اسکے کہ حضرت امام حسینؑ اپنی طبیعت پر جبر کریں یہ تین شعر ارشاد فرمائے جو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ رباب و سکینہ کیطرف سے دل کا پھیر لینا آپ کے اختیار سے باہر تھا۔

لَعَمْرُكَ اِنَّنِیْ لَاُحِبُّ دَارًا　　تَكُوْنُ بِهَا سُكَیْنَةُ وَالرَّبَابُ

تیری جان کی قسم مجھے وہ گھر پسند ہے جسمیں سکینہ اور رباب ہوں۔

اُحِبُّهُمَا وَاَبْذِلُ كُلَّ مَالِیْ　　وَلَیْسَ لِعَاتِبٍ عِنْدِیْ عِتَابُ

دونوں سے مجھے محبت ہے اور ان پر اپنا مال صرف کرتا ہوں اور اگر اس پر مجھے الزام بھی دیں تو میں پروا نہیں کرتا۔

وَلَسْتُ لَهُمْ وَاِنْ عَتَبُوْا مُطِیْعًا　　حَیَاتِیْ اَوْ یُغَیِّبُنِیْ التُّرَابُ

اگرچہ لوگ ملامت کرتے ہیں مگر میں ان کی نہیں سنتا اسمیں چاہے میں زندہ رہوں یا خاک میں مل جاؤں۔

جناب امام حسین علیہ السلام کے یہ اشعار عرب کے سوسائیٹی میں نہایت ہی مقبول ہوئے

حاشیہ ۱ یہ تیسرا شعر صرف طبری میں ہے اور باقی اشعار دیگر کتب میں بھی موجود ہیں۔

اور مدت ہائے دراز تک امرائے شام و عراق کی با مذاق صحبتوں میں گائے گئے اور آخر ابن سریج نے جو عہد خلفا کا ایک مشہور مغنی ہوا ہے ان کو ایک نہایت ہی دلکش دھن میں گا کے اس عہد کا فیشن ایبل راگ بنا دیا۔

واقعۂ کربلا کا جگر دوز سانحہ جسکو یاد کرکے آجتک مسلمان روتے اور خون کے آنسو بہاتے ہیں ان دونوں خاتونان خاندان نبوت یعنی رباب و سکینہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور رباب نے اپنے سید الشہداء شوہر کی شہادت پر جو مختصر اور پر درد مرثیہ کہا ہے اسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی بڑی چوٹ انکے محبت بھرے دل پر آئی تھی۔ فرماتی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْ کَانَ نُوْرًا یُّسْتَضَاءُ بِہٖ — بِکَرْبَلَاءَ قَتِیْلٌ غَیْرُ مَدْفُوْنِ

وہ جو نور مجسم تھا اور لوگوں کو اس سے نور حاصل ہوتا تھا کربلا میں مقتول پڑا ہے اور کسی نے دفن بھی نہیں کیا۔

سِبْطَ النَّبِیِّ جَزَاکَ اللہُ صَالِحَۃً — عَنَّا وَجُنِّبْتَ خُسْرَانَ الْمَوَازِیْنِ

اے سبط نبی خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ اور آپ میزان کے نقصان سے بچ گئے

قَدْ کُنْتَ لِیْ جَبَلًا صَعْبًا اَلُوْذُ بِہٖ — وَکُنْتَ تَصْحَبُنَا بِالرَّحْمِ وَالدِّیْنِ

آپ میرے لئے ایک مضبوط پہاڑ تھے جس سے میں پناہ لیتی تھی۔ اور آپ ہمارے ساتھ بہ مرحمت و دین پیش آتے تھے۔

مَنْ لِّلْیَتَامٰی وَمَنْ لِّلسَّائِلِیْنَ وَمَنْ — یُغْنِیْ وَیَاْوِیْ اِلَیْہِ کُلُّ مِسْکِیْنٖ

اب کون رہا ہے کہ یتیموں اور سائلوں کو پناہ دے۔ اور کون ہے جسکی طرف لوگ ارادہ کریں اور ہر مسکین اس کی طرف رجوع کرے۔

وَاللہِ لَا اَبْتَغِیْ صِہْرًا بِصِہْرِکُمْ — حَتّٰی اُغَیَّبَ الرَّمْلِ وَالطِّیْنِ

خدا کی قسم اب جب تک کہ ریگ و خاک میں نہ دب جاؤں میں تمہارے (خاندان نبوت کے) گھر کے سوا اور کسی گھر کی بہو نہ بنوں گی۔

بعد واقعۂ کربلا جب آپ شام سے مدینہ کو تشریف لے گئیں تو شرفائے عرب نے

آپ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی مگر آپ نے جیسا کہ ان اشعار میں کہا ہے سبکو یہی جواب دیا کہ رسول اللہ صلعم کی بہو بننے کے بعد پھر میں کسی کی بہو نہ ہونگی بعض[1] مورخین کا بیان ہے کہ بعد واقعہ کربلا رباب نے مدینہ میں آ کے ساری زندگی رنج والم میں صرف کی اور کسی صحبت عشرت میں شریک ہونا تو درکنار جبتک زندہ رہیں کبھی کسی چھت کے سایہ میں نہیں بیٹھیں۔ بلکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ سے کربلا کو واپس گئیں اور چھ مہینے تک قبر حسینؑ پر بیٹھی رہیں جسکے بعد مدینہ میں واپس آ کے جبتک زندہ رہیں مبتلائے حسرت واندوہ رہیں۔

انھیں رباب کے بطن سے جناب سکینہ پیدا ہوئیں جو پارسا پاکدامن ہونے کے ساتھ نہایت ہی نیک خاتون تھیں۔ اور ایسی طبع رسا اور ذہن خداداد رکھتی تھیں کہ ہر صحبت اور ہر سوسائیٹی میں آپکی بذلہ سنجی اور مذاق سخن کا چرچا تھا۔ جناب سکینہ عمر میں فاطمہ بنت حسینؑ سے چھوٹی تھیں۔ اور خدا نے ایسا حسن وجمال دیا تھا کہ نوجوانان قریش میں ہی کوئی نہ تھا جسکے دل میں آپکے شوہر ہونے کی آرزو نہ ہو۔ ہمارے قدیم مورخین چونکہ عموماً لوگوں کے تقدس اور پارسا ہونے ہی کی جستجو میں زیادہ مصروف رہتے ہیں لہذا ہم افسوس کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے قدیم بزرگوں اور ناموروں کے بچپن کے حالات اور طرز تعلیم سے بہت کم اطلاع ہوتی ہے۔ اور اسیوجہ سے ہمکو بالکل نہیں معلوم کہ جناب سکینہ کا بچپن کیونکر گزرا اور آپ کو تعلیم کس طریقہ سے دیگئی۔ لیکن اگر ہم ذرا بھی قیاس سے کام لیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلائی گئی تھی۔ اور وہ بھی صرف دینیات کے ساتھ مختص نہ تھی بلکہ لٹریچر اور ادب ورادب اور اخلاق ضرور تونکے لحاظ سے بہت آزاد تعلیم تھی۔ اسلئے کہ جس عہد میں آپکا نام عرب کی بامذاق سوسائیٹیوں میں چمکا ہے اسوقت آپ خاندان نبوت کی ایک واجب التعظیم اور شایستہ خاتون ہی نہیں نظر آتی ہیں۔ بلکہ بذلہ سنج۔ لطیفہ گو اور فیشن کی موجد اور لیڈر ہونے کے علاوہ بہت بڑی اور اس پایہ کی شاعرہ ثابت ہوتی ہیں کہ وہ مشہور شعرائے عرب جن کا مثل آجتک عربی نظم کو نہیں نصیب ہوا

---

[1] ابن اثیر

ملنے باہمی لڑری نزاعوں کا فیصلہ کرانے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اپنے کلام کو آپ کے سامنے پیش کرتے تھے۔

جناب امام حسینؑ ابھی زندہ تھے کہ دونوں صاحبزادیاں فاطمہ اور سکینہ سن بلوغ کو پہنچ چکی تھیں جناب سبطِ اکبر کے صاحبزادے حسن مثنیٰ ایک دن عم بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواہش ظاہر کی کہ مجھے اپنی دامادی میں قبول فرمائیے۔ جناب سید الشہداء نے سنتے ہی فرمایا "میں تمہاری جانب سے اس درخواست کا منتظر ہی تھا" فوراً بھتیجے کا ہاتھ پکڑ کے گھر میں لیگئے۔ اور اپنی دونوں بیٹیوں فاطمہ و سکینہ کو لاکے سامنے کھڑا کر دیا اور فرمایا ان میں سے جسکے ساتھ کہو تمہارا عقد کر دیا جائے۔ حسن مثنیٰ نے جناب فاطمہ کو پسند کیا اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ چچا کی اس شرعی اور اسلامی سادگی پر سعادتمند بھتیجے نے شرما کے سر جھکا لیا جس پر خوش ہو کے خود جناب سید الشہداء نے فرمایا "تم کچھ نہیں کہتے تو اچھا میں تمہارے لیے اپنی بیٹی فاطمہ کو منتخب کرتا ہوں اسلیے کہ یہ دونوں بہنوں میں اپنی دادی سیدۃ النساء سے بہت زیادہ مشابہ ہیں" یہ نکاح خواہ حسن مثنیٰ کے انتخاب سے ہوا ہو یا جناب امام حسین علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق مگر اسمیں شک نہیں کہ عام لوگوں میں حیرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اسلیے کہ جناب سکینہ کے حسن و جمال کا سقدر شہرہ تھا کہ لوگ مشکل یقین کر سکتے تھے کہ کسی دوسری لڑکی کو آپ پر حسن و جمال میں ترجیح دیجا سکے گی۔

مگر اسکے چند ہی روز بعد جناب امام حسن علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ کے ساتھ جنکی کنیت ابوبکر تھی آپ کا عقد ہو گیا۔ لیکن افسوس کہ ہنوز اس مبارک عقد کا کوئی نتیجہ

سلہ مرثیوں اور دیگر ذاکرین مصائب شہداء علیہ السلام نے عموماً لوگوں کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ قیام کربلا کیوقت جناب سکینہ بالکل بھولی بھالی اور ناسمجھ بچہ تھیں مگر ذرا بھی تحقیق سے کام لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ امر بالکل بے بنیاد ہے۔ بچہ ہونا درکنار آپ جس وقت کربلا میں گئی ہیں بالغ ہی نہیں تھیں بلکہ بیاہی ہوئی تھیں۔ عبداللہ ابن حسن جن کی کنیت ابوبکر تھی آپ کے شوہر تھے اور اپنے چچا اور خسر کے ساتھ اہل کوفہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ آپکی اس شادی کا حال آغانی کی روایت سے پوری طرح ثابت ہے اور ابوبکر عبداللہ ابن حسن کا میدان کربلا میں شہید ہونا تمام کتب تواریخ میں موجود ہے اس بارہ میں (صفحہ ۱۱ پر بقیہ نوٹ دیکھو)

نہین ظاہر ہوا تھا اور کوئی اولاد نہین ہونے پائی تھی کہ واقعۂ کربلا پیش آیا اور جناب سکینہ کو مظلوم باپ کے ساتھ اپنے پیارے شوہر کی لاش بھی خاک نینوا پر چھوڑ کے شام اور یزید بن معاویہ کے سامنے جانا پڑا۔ اس موضع پر یہ جگر خراش سین دیکھ کے مسلمان جسقدر بیتاب ہون زیبا ہو کہ سید الشہدا کا سر یزید کے سامنے رکھا ہو۔ وہ لکڑی سے آپکے دندان مبارک کو کرید رہا ہو۔ خاتونان خاندان نبوت سامنے بلائی گئین جنہین سب کے آگے سکینہ و فاطمہ نے گردنین لمبی کر کر کے اپنے والد مرحوم کا سر اس حال مین دیکھا ہو اور ایک چیخ ماری ہو۔ لیکن یزید کو بھی اب اپنی شرمناک غلطی پر متنبہ ہونا پڑا اور اسنے معذرت خواہی کے الفاظ مین کہا کہ اگر مین معرکۂ کربلا مین ہوتا تو یہ نتیجہ نہ ہونے پاتا۔ اور اُن مظلوم بی بیون کی کسی قدر دلدہی کی۔ اور شاید اسی کا نتیجہ ہو کہ جناب سکینہ مدینہ واپس آنیکے بعد کبھی کبھی فرمادیا کرتی تھین کہ "مین نے یزید سے اچھا کوئی کافر نہین دیکھا،، آپ کا یہ جملہ بھی صاف ظاہر کرتا ہو کہ آپکا مذاق سخن کتنا بڑھا ہوا تھا۔ اس جملہ مین آپنے یزید کو سب سے بدتر شخص ظاہر کرنے کے ساتھ جس خوبصورتی سے اچھا کہا ہو۔ ایسی جادو بیانی صرف جناب رسول خدا صلعم کے اُس معجز نما قول سے ظاہر ہوئی تھی کہ ان ابغض الحلال عند اللہ الطلاق جسمین ایک ہی جملہ مین آنحضرتؐ نے طلاق کے جواز کے ساتھ اسکی اشد ترین بُرائیان بھی ظاہر فرمادی تھین

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰)

صاحب ناسخ التواریخ سے ایک ایسی موٹی غلطی ہو گئی جو صرف یہی نہین کہ شان مورخ سے بعید ہو بلکہ یہ بھی ظاہر کرتی ہو کہ ناسخ التواریخ کی تالیف مین کسقدر بے احتیاطی سے کام لیا گیا ہو جناب سکینہ کے حالات مین تو لکھ دیا ہو آپ کے پہلے شوہر مصعب ابن زبیر ہین اور جب آپکے عقد مین گئی ہین اسوقت دوشیزہ تھین اور امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادون کے بیان مین لکھتے ہین کہ "پسر پنجم امام حسن علیہ السلام عبد اللہ بن حسن است۔ ابو الغنائم بن صوفی کہ از علمائے نسابہ است می گوید کہ عبد اللہ مکنی بہ ابو بکر بود۔ در یوم طف (کربلا) بہ دست مردے از بنی عدی شہید شد و حسین علیہ السلام دختر خویش سکینہ را از برائے او تزویج کرد

جناب سکینہ اگرچہ بہت بڑی بذلہ سنج تھین اور اپنے مذاق صحبت مین ہمیشہ ہر دلعزیز بننے کی کوشش فرماتی تھین۔ اور ہر شخص کے ساتھ نہایت ہی اخلاق سے پیش آتی تھین مگر اُسکے ساتھ ہی نسبی فخر کا ناز او رخودداری کا خیال اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ ممکن نہ تھا کہ کسی صحبت مین کسی سے دب جائین۔ جناب سید الشہدا علیہ السلام کی زندگی ہی کا واقعہ ہو کہ ایک مرتبہ آپ مدینہ کی کسی صحبت تعزیت مین شریک تھین جہان جناب عثمان ذوالنورین کی ایک صاحبزادی بھی موجود تھین۔ اثنائے صحبت مین ذوالنورین کی بیٹی نے فخر ومباہات کے لہجے مین کہا" مین شہید کی بیٹی ہون" اگرچہ بعد چند روز کے زمانہ نے ثابت کردیا کہ شہادت کے میدان مین جناب سکینہ کے والد کو جو مرتبہ حاصل ہوا وہ بہت بڑھا ہوا تھا مگر اُسوقت آپ اس امر کے ثابت کرنے کے لیے تیار نہ تھین خاموش ہو رہین تھوڑی دیر کے بعد جب قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی آپ سنبھل بیٹھین اور جیسے ہی موذن نے کہا" اشہد ان محمداً رسول اللہ آپنے حضرت عثمان کی بیٹی سے دریافت کیا" بھلا بتاؤ تو یہ میرے دادا کا نام ہے یا تمھارے دادا کا؟ اس سوال پر شرماکے ذوالنورین کی بیٹی نے کہا" اب مین تمھارے سامنے کوئی فخر کا کلمہ زبان سے نہ بولونگی"

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نواسی عائشہ بنت طلحہ (جو اس عہد کی نہایت ہی مشہور اور فیشن ایبل لیڈی تھین اور ذہن وذکا طباعی وبذلہ سنجی اور نیز حسن وجمال مین جناب سکینہ کی پوری رقیب خیال کی جاتی تھین اور آخر مصعب بن زبیر کے عقد نکاح مین آنے کے بعد جناب سکینہ کی سَوت بھی ہوگئی تھین) ایک مرتبہ حج کے لیے مکہ گئین اور اس ٹھاٹھ سے کہ باربرداری کے لیے ساٹھ خچر ہمراہ تھے، اتفاقاً اسی سال جناب سکینہ بھی حج کو گئی ہوئی تھین جسوقت مکہ معظمہ کے قریب ان دونون مشہور خاتونون کی محملون کو اونٹ قریب ہی قریب لیے جاتے تھے جناب عائشہ کے شتربان نے اُن کے حدی خوانی شروع کی اور یہ شعر گایا

عائش یا ذات البغال الستین   لا زلت ما عشت کذا تحجین

عائشہ! اے وہ خاتون جسکی سواری مین ساٹھ خچر ہین۔ آپ جب تک زندہ رہین اسی شان سے حج کیا کرین؛

اس شعر نے جناب سکینہ کے دل کو ایک صدمہ پہونچایا جبکے ساتھ ہی آپ کا شعر بان اُتر پڑا اور اُس نے بھی حدی کا نغمہ اس شعر میں بلند کیا۔

عائشۃ ھذہ ضرۃ تشکوک ⁂ لولا ابوھا ما اھتدی ابوک

عائشہ! دیکھو یہ تمہاری سوت ہیں۔ اور تمہاری شاکی ہیں اگر ان کے باپ (حد بزرگوار) نہ ہوتے تو تمہارے باپ (یعنے ناناجن سے مراد ابو بکر صدیق ہیں) ہدایت نہ پاتے

اس شعر کے سنتے ہی جناب عائشہ نے اپنے حدی خواں کو خاموش ہونے کا حکم دیدیا

یہ تو صرف معمولی واقعات تھے۔ جناب سکینہ کے حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ آخر تک اپنے اس فخر و وقار کو بڑی مستقل مزاجی اور جرأت سے ثابت کرتی رہیں۔ شہادت سید الشہدا اور عبداللہ بن زبیر کی قوت فرو ہو جانے کے بعد جبکہ بنی امیہ کا دور دورہ تھا۔ اور قریب قریب دنیائے اسلام کی تمام مسجدوں کے ممبروں پر جناب علی مرتضیٰ کی شان میں سخت اور ناپاک کلمات استعمال کئے جاتے تھے جناب سکینہ کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو اپنی لونڈیوں کو ہمراہ لیکے مسجد میں تشریف لیجاتی تھیں۔ اور جہاں والی مدینہ خالد بن عبدالملک الملقب با بن مطیر ممبر پر چڑھتا آپ نہایت ہی دلیری و مستقل مزاجی کیساتھ اُس کے روبرو کھڑی ہوجاتیں۔ اُدھر وہ علی مرتضیٰ کی شان میں گستاخیاں شروع کرتا اور اِدھر آپ اپنی لونڈیوں سمیت اُسے گالیاں دینا اور سخت و سُست کہنا شروع کرتیں بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہو جایا کرتا تھا کہ ابن مطیر برہم ہو کے اپنے سپاہیوں اور غلاموں کو حکم دیدیتا کہ آپکی لونڈیوں کو ماریں۔

مذکورۂ بالا واقعہ بتارہا ہے کہ قطع نظر خاندانی عزت اور نسبی حمیت کے آپ ضرورت کے اوقات میں اس اعلےٰ شجاعت و جرأت مردی سے بھی کام لے سکتی تھیں جو ایک حد تک عربی نژاد خاتون کی رگ و پے میں موجود ہوتی آئی تھی۔ آپ کے دل کی مضبوطی کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپکے رخسار پر عین آنکھ کے نیچے ایک بڑا مسا نکل آیا جو روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور آخر اُس کا گوشت بڑھ کے آنکھ کے نیچے تک پھیل گیا چونکہ آپ کو اپنے حسن و جمال پر ناز تھا اور بجا تھا کہ اچہرے کی رعنائی و زیبائی میں فرق آجائیگے

خیال سے ہر وقت آپ کے دل پر ایک صدمہ رہنے لگا۔ خادموں کا وہ کثیر التعداد گروہ جو آپ کے خوانِ کرم سے پرورش پا رہا تھا اُسمیں ایک جراح بھی تھا جو اپنے فن میں زمانہ کے اعتبار سے بہت اچھی مشق رکھتا تھا ایک دن آپ نے اُسے اپنے سامنے بُلا کے ارشاد فرمایا "تم ہمیں دیکھتے کہ اس سلعہ کی وجہ سے میری کیا حالت ہو رہی ہے؟ اسکی کوئی تدبیر کرنا چاہیئے"۔ اُس نے دست بستہ عرض کیا "یا بنت رسول اللہ میں علاج کرنے کو تو حاضر ہوں مگر ڈر ہے کہ آپ کو بڑی تکلیف ہوگی۔ اس سلعہ کے لئے جیسے عمل جراحی کی ضرورت ہے اُسکو برداشت کرنا نہایت دشوار ہے"۔ آپ نے فرمایا "نہیں تم اس کا خیال نہ کرو۔ میں اچھی طرح برداشت کرلوں گی"۔ الغرض اُس نے آپ کو لٹایا اور چہرے کی کھال بہت دور تک کاٹ ڈالی۔ پھر اُسکے نیچے سے کاٹ کاٹ کے تمام بدگوشت نکال لیا۔ یہاں تک کہ گوشت کے نیچے کی رگیں صاف نظر آنے لگیں۔ لیکن اتنا ہی عمل جراحی کافی نہ تھا اسلئے کہ سلعہ کا کسی قدر حصہ آنکھ کے نیچے تک پھیلا ہوا تھا۔ تب اُس نے ایک طرف سے کاٹ کے آنکھ کا ڈھیلا اوپر اُٹھا کے اُلٹ لیا اور اُسکے نیچے سے جتنا بدگوشت تھا سب کاٹ کے پھر آنکھ کا ڈھیلا اپنی جگہ پر رکھدیا اور پٹی باندھ دی۔ اتنا بڑا عمل جراحی ہوا مگر آپ اسیطرح خاموش لیٹی رہیں اُف نہ کرنا درکنار پیشانی پر شکن تک نہیں آئی۔

یہ ضبط و استقلال اگرچہ بجائے خود لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے مگر اُس دل کیلئے پھر بھی کم ہے جس پر ایسے صدمے گزرے ہوں جیسے کہ جناب سکینہ کے دل پر گزر رہے خیال کرنیکا مقام ہے کہ دادا کا کام رمضان میں ابن ملجم کے کاری اور بزدلانہ وار نے تمام کیا۔ اہل شام کی اشتر نگ سے چچا نے خاص اپنی بی بی کے ہاتھ سے جام فنا پیا۔ باپ بھتیجوں اور قریب قریب تمام رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ بھوکے پیاسے میدان کربلا میں شہید ہوئے اور اُسی میدان پر آپ نے اپنے عاشق ابن عم اور شوہر عبداللہ ابوبکر کی لاش کے ساتھ اپڑ سکے اور ماں جائے بھائی عبداللہ بن حسین کی لاش کو بھی پھڑکتے دیکھا۔ جن واقعات کا سین زندگی بھر ہر موقع آپکے پیش نظر رہا ہوگا لیکن مصائب کا اب بھی خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے کہ آپکے دوسرے شوہر مصعب بن زبیر جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے آپکو

بے انتہا محبت تھی اہل شام کے ہاتھ سے شہید ہوئے دادا۔ چچا۔ بھائی اور شوہروں کی اس مظلومی سے مارے جانے کے بعد صرف ماں رہگئی تھیں اُن کا جو حال ہوا وہ بھی بیان ہوچکا کہ جب تک زندہ رہیں کبھی آرام سے نہیں بیٹھیں۔ اور اپنے شوہر اور بیٹے کی یاد میں کُڑھ کُڑھ کے چند روز بعد عازم راہِ فنا ہوئیں۔ جس دل پر ایسے ایسے صدمات گزر گئے ہوں اُسکے لئے یہ کون بڑی بات ہے کہ ایک سخت عمل جراحی کا متحمل ہوجائے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آپنے اپنا دل محض اپنی زندہ دلی کیوجہ سے مختلف اُمور میں بہلا دکھا مگر مذکورۂ بالا واقعات کی یاد ہر وقت آپ کے دل پر نقش رہتی تھی۔

کسی موقع پر بعض اہل کوفہ تحیۂ سلام ادا کرنے کے لئے آپکی خدمت میں حاضر ہوئے آپنے اُنکو سامنے بُلا کے ارشاد فرمایا "اے اہل کوفہ خدا علیم و دانا ہے کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں ہے۔ تُم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے میرے شوہر مصعب کی جان لی اور جب یہ حال ہے تو پھر مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو؟"

بہرحال آپ کے دل پر اکثر یہ صدمات قبضہ کئے رہتے تھے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپنے ان دنیاوی مصائب کو ہیچ اور ناچیز خیال کیا۔ اور اُس عالم جاودان کے اجر جمیل پر بھروسہ کرکے ہمیشہ اپنی زندگی ایک بڑے لطف و اطمینان سے بسر کرتی رہیں۔ صرف اسیقدر نہیں کہ آپ صبر کیے خاموش بیٹھی رہیں۔ نہیں آپ نے اُس دنیاوی لُطف کو بھی نہیں چھوڑا جو مذہب اسلام نے حلال کیا ہے۔

اس موقع پر مجھے مختصراً ایک اصول اسلامی کے بیان کردینے کی ضرورت ہے جسکے متعلق امتداد زمانہ سے اور نیز اسلام میں مختلف خیالات اور عقاید کیوجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ اصل یہ ہے جس طرح قدیم فلسفہ صرف خیالات تک محدود رہتا تھا ہمیشہ دماغوں میں چکر کھایا کرتا تھا اور اُسکے تمام مسائل کو کچھ نہ کچھ تعلق افلاطون کے الہیات اور ذہنیات سے ضرور رہا کرتا تھا لیکن موجودہ فلسفہ نے دنیا میں پیدا ہو کے اُن قدیم خیالات کو اُڑا دیا اور ایسے مسائل پیش کئے جو دُنیا کے پیدا ہونے کی ضرورت اور دنیاوی چیزوں کے مفید اور بکار آمد ہونے سے بحث کرتے ہیں۔ اسیطرح تمام قدیم مذاہب کا پہلا اصول

یہ تھا کہ دنیا چھوڑ دینے کے لئے ہو نہایت ناپاک چیز ہو۔ انسان جس قدر اس سے علحدہ رہ سکتا ہے اور جتنا اس سے تعلق رکھے اسیقدر بُرا ہے۔ لہذا اسے چھوڑ دو اور جوگ اختیار کرکے کسی ایسے مقام پر جا بیٹھو۔ جہاں تک دنیا اور اسکی زہریلی ہوا کبھی نہ پہونچ سکتی ہو۔ اسلام نے دنیا میں آکے ان اصول کو بالکل بدل دیا اور یہ ثابت کردیا کہ دنیا کو خدا نے بیکار نہیں پیدا کیا ہے اسے جہاں تک ہوسکے برتو۔ خدا نے جو نعمتیں پیدا کی ہیں اُن سے لطف اُٹھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔ دنیا کا چھوڑ دینا عقلاً کمزوری اور مذہباً خدا کی ناشکری ہے۔ یا آجکل فلسفیانہ زبان میں یوں کہا جائے کہ تخلیق عالم سے جو اللہ جلّ شانہٗ کا منشا ہے اُسکے خلاف جانا ہے جس وقت تک صحابہ کا زمانہ تھا اور سیدھی سادی شریعت اسلامیہ اُسی ڈھرے پر چلی جارہی تھی جس پہ کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اُسکو چلایا تھا وہ قدیم اور اصلی اصول ہر شخص کے ذہن نشین تھے اور کوئی نہ تھا جو خدا کی پیدا کی ہوئی لذتوں سے جائز اور معتدل طریقہ سے فائدہ نہ اُٹھاتا ہو۔ لیکن جب اسلام کی زبان میں فلسفہ یونان کی کتابیں ترجمہ ہوئیں اور افلاطون وارسطو کے خیالات اسلامی طلبہ کے دماغوں میں آئے تو مسلمانوں میں بھی بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوگئے جنکے خیالات اسلام کی ضروری تعلیموں کا منشا نہ سمجھ سکے اور اُن کے عقاید میں بھی اُسی قسم کی باتیں جم گئیں جن کو قدیم اصول جوگ اور ترک دنیا سے تعلق تھا۔

اس خیال کے ظاہر کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جناب سکینہ اُس مبارک اور سادگی کے عہد میں تھیں جبکہ اسلام کی تعلیمیں بے غل وغش تھیں۔ آپکو کوئی وجہ نہ تھی کہ اُن دنیاوی لذتوں اور راحتوں کو چھوڑ دیتیں جن کو اسلام نے حلال کیا تھا۔ اور اسیوجہ سے ہم پاتے ہیں کہ آپ بڑی بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھیں۔ شرفاے عرب کی عورتوں کی سوسائٹی میں آپ جب تک نہ ہوتیں مزہ نہ آتا۔ آپ کے بہت سے لطیفے کتب تواریخ میں بیان کئے گئے ہیں جنمیں سے اکثر ایسے ہیں جن کو زیادہ تر تعلق عربی زبان سے ہے اور اُنکے ترجمے میں مزہ نہیں آسکتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپکا ایک خادم کوتوال شہر مدینہ کے پاس گیا اور آپکی طرف سے شکایت پیش کی کہ ہمارے یہاں ایک شامی (یہ یاد رہے کہ اُن دنوں چونکہ اہل شام پر جناب معویہ کا زیادہ اثر تھا لہذا شامی لوگ عموماً دشمن اہلبیت تھے۔ اور جو نہ تھے وہ بھی

ایسے ہی سمجھے جاتے تھے) آگیا ہے۔ کوئی کوتوالی کا جوان بھیجو کہ اُس سے نپٹا چھوٹے
یہ سنتے ہی کوتوال ادب کے لحاظ سے کچھ لوگ ہمراہ لے کے خود دروازے پر آکے حاضر ہوا۔
وہ دروازے پر کھڑا اجازت باریابی کا منتظر تھا کہ ناگہاں دروازہ کھلا اور ایک پتھر اندر
سے اُڑکے اُس کے سامنے سے ہوتا ہوا چلا گیا جس کے ساتھ ہی آپ نے دروازے
میں سے فرمایا۔ "یہی شامی تھا جسنے ہمیں ستا رکھا ہے"۔ کوتوال اور اُس کے
ہمراہی اُس لطیفہ پر بے انتہا ہنسے۔ اور ہنستے ہوئے واپس گئے۔

سُکینہ بنتِ حُسینؓ

نمبر ٢

یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آپ جیسی پاکدامن پارسا اور نیک بی بی تھیں ویسی ہی زندہ
دل اور بذلہ سنج بھی تھیں۔ معززین قریش آپ کی صحبت کو اپنا فخر سمجھتے تھے اور مشہور
شعرائے عرب آپ کی محفل میں جمع ہوتے تھے۔ خود بھی ایسی طبع رسا رکھتی تھیں کہ اپنے
عہد کی سب سے بڑی شاعرہ تسلیم کی گئی ہیں۔ قطع نظر اسکے عرب کے فیشن اور وضع پر آپکا سب سے
زیادہ اثر پڑتا تھا۔ آپ ایسا خوبصورت اور بانکا جوڑا باندھتی تھیں جس سے اچھا جوڑا باندھنا
کسی خاتون عرب کو نہ آتا تھا۔ آپکی اختراع کے بعد اس جوڑے کا عرب میں یہاں تک رواج
ہوا کہ سکینہ جوڑا عورتیں تو عورتیں بعض بن چلے اور نوجوان مرد بھی باندھنے لگے تھے۔ اور
یکایک اُس کا رواج یہاں تک بڑھنے لگا کہ عمر بن عبدالعزیز کو جو تمام خلفائے اسلام میں
مُلاؤں اور خشک مزاج زاہدوں کی شان رکھتا تھا اُس کے روکنے کے لئے اپنی پولیٹیکل قوت
سے کام لینا پڑا۔ وہ ہاتھ میں دُرّہ لئے پھرتا اور جس مرد کے سر پر جمّہ سکینہ دیکھتا
دُرّے لگاتا اور کبھی کبھی سر مُنڈوا دیتا۔ قطع نظر اس بانکپن اور وضعداری کے
حُسن و جمال میں بھی آپ اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں۔ سوائے عائشہ بنت طلحہ کے تمام
زنانِ قریش میں بلکہ سارے عرب کی خاتونوں میں کوئی ایسی عورت نہ تھی جو دلربائی
رعنائی میں آپ کا مقابلہ کر سکتی ہو۔ خود عائشہ بنت طلحہ میں اور آپ میں ایک مرتبہ اس

امر پر بحث ہوئی کہ کون زیادہ حسین و خوبرو ہے۔ یہ دونوں خاتونیں اپنے حسن و جمال کے سامنے تمام عورتوں کو ہیچ سمجھتی تھیں۔ آخر دونوں نے عمرو بن ربیعہ کو حکم قرار دیا۔ جس نے فیصلہ کیا کہ عائشہ زیادہ جمیل ہیں اور جناب سکینہ زیادہ ملیح۔ اس فیصلہ کو خود جناب سکینہ نے بہت پسند فرمایا۔ اور کہا حقیقت میں تم نے ٹھیک فیصلہ کیا اور بے شک اس فیصلہ پر آپ جس قدر ناز کرتیں زیبا تھا۔ اس لئے کہ خود آپ کے دادا رسول مقبول صلعم کو اسی نوعیت کے حسن پر ناز تھا چنانچہ فرمایا ہے کہ "اَنَا مَلِیْحٌ وَّ اَخِیْ یُوْسُفُ جَمِیْلٌ" (میرے حسن میں نمک اور بھائی یوسف (علیہ السلام) کا حسن صبیح تھا۔

یہی امور تھے جنکی وجہ سے عرب کے ہر شریف سے شریف شخص اور دولتمند سے دولتمند رئیس کو یہی تمنا تھی کہ آپ کو اپنے عقد نکاح میں لائے۔ تھوڑے ہی تھے جن کو یہ عزت حاصل ہوئی۔ ورنہ عموماً لوگ اسی حسرت میں رہے۔ میں اس موقع پر اپنے مغرور اور مدعی شرافت ہموطنوں سے یہ کہنے کی اجازت مانگتا ہوں کہ اُن دنوں اور اسلام کے اس سادے اور اصلی دور میں بیوہ کا نکاح کلنگ کا ٹیکا نہ تھا۔ چنانچہ خود جناب سکینہ کے متعدد نکاح ہوئے۔

آپ کا پہلا عقد تو جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اپنے نوجوان ابن عم عبداللہ بن حسن سے ہوا۔ جو چچا یا خسر کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد آپ کے بھائی جناب علی بن حسین یعنی امام زین العابدین علیہ السّلام نے آپکو ایک لاکھ درہم کے مہر پر زبیر بن عوام کے بیٹے مصعب کے عقد میں دیا۔ اور مصعب اس خوش قسمتی پر اس درجہ مسرور ہوئے تھے کہ چالیس ہزار دینار لاکے جناب امام سجاد کی نذر کئے۔ مصعب کو آپ سے بے انتہا محبت تھی۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن زبیر نے خاص مکہ معظمہ میں علم خلافت بلند کیا تھا اور قریب تھا کہ بنی امیہ کی قوت ٹوٹ جائے۔ عبداللہ ابن زبیر کے دوسرے بھائی عروہ بن زبیر بالکل مذہبی آدمی تھے۔ اُن کو حکمرانی اور فوج کشی کے معاملات میں نہ دلچسپی تھی اور نہ ایسے کاموں کا چنداں سلیقہ تھا۔ لہذا اُنھوں نے مصعب بن زبیر کو اپنی طرف سے بصرہ کا والی مقرر کیا تھا۔ جہاں مصعب

نکاح کر کے جناب سکینہ کو بھی لیگئے۔ جب عبداللہ بن زبیر کو یہ خبر ہوئی تو اُنھوں نے تہدید کے طریقے سے لکھ بھیجا کہ فوج کے لوگ "بھوکوں مر رہے ہیں اور تم ایک لاکھ دینار مہر میں دیتے ہو!" مصعب نے اس کا خیال بھی نہ کیا۔ لیکن آخر کو جب عبد الملک بن مروان کیطرف سے اُس کا بھائی زبردست فوجیں لیکے آپہنچا اور عبداللہ بن زبیر نے مصعب کو اپنی طرف سے سپہ سالار مقرر کر کے روانگی کا حکم دیا تو مصعب نے چاروناچار ناز آفریں بی بی کو رخصت کیا اور فوج لے کے آگے روانہ ہوئے۔ تاریخ عرب میں یہ لڑائی بھی نہایت اہم اور سخت گزری ہے۔ اور منجملہ ان عظیم الشان قسمت پلٹ دینے والی لڑائیوں کے شمار کیجاتی ہے۔ جنھوں نے بڑی بڑی شاہنشاہیوں کا فیصلہ آناً فاناً کر دیا ہے عروہ بڑے بیرو آزما اور مشہور مرد میدان تھے۔ تین دن تک اس جرأت و شجاعت سے لڑے کہ زوال کی جھلک بنی امیہ کیطرف نظر آجاتی تھی۔ مگر چوتھے دن میدان جنگ میں لڑتے ہوئے مارے گئے اور ابن زبیر کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ اسی شکست کے ساتھ ہی عبداللہ بن زبیر کا زوال شروع ہو گیا۔ اور چند ہی روز بعد وہ خود بھی مکہ معظمہ میں گھر کے حرم محترم کی حدود کے اندر شہید ہوئے۔

جناب سکینہ کو اپنے جان نثار شوہر کے مارے جانیکا نہایت ہی صدمہ ہوا۔ اور دل پر ایسی چوٹ لگی کہ مدتوں دل ہی دل میں آہ کرتی رہیں۔ مصعب کی آپ کے بطن سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئی جس کا نام آپ نے خود اپنی ماں کی یادگار میں رباب رکھا۔ یہ لڑکی نہایت ہی خوبصورت تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبداللہ بن سلام صحابی کی بیٹی سعیدہ مکہ اور منیٰ کے درمیان میں جناب سکینہ کی زیارت سے شرفیاب ہوئیں تو آپکی گود میں آپکی ننھی بچی رباب بھی تھی۔ جناب سکینہ نے سعیدہ کو گود کھول کے اپنی صاحبزادی دکھائی جو گہنے اور موتیوں سے لدی ہوئی تھی۔ اور فرمایا "یہ زیور اسلئے نہیں پہنایا ہے کہ میری بچی کی رونق دوبالا ہو۔ بلکہ اسلئے کہ اسکے حسن و جمال کے سامنے زیور کو ذلیل و ہیچ ثابت کر دوں۔" مصعب کے مارے جانیکے بعد عروہ بن زبیر اس کی

کے کفیل ہوئے جنھوں نے نابالغی ہی میں اُس کا عقد اپنے بیٹے عثمان کے ساتھ کر دیا۔ مگر اتفاقاً رباب نے بچپن ہی میں اپنی ماں کے دل کو ایک نیا داغ دیا۔ اور دنیا سے رخصت ہو گئی۔ جس کے ترکہ میں عثمان بن عروہ کو دس ہزار دینار ملے۔

مصعب کے بعد بنی امیہ میں سے عبد اللہ بن مروان نے جناب سکینہ کیلئے پیام دیا۔ مگر ابھی تک آپکی والدہ رباب زندہ تھیں جنھوں نے اس پیام کا حال سنتے ہی بگڑ کے کہا "خدا کی قسم میں اپنی بیٹی اس شخص کو ہرگز نہ دونگی جس نے میرے بھتیجے (یعنی عروہ بن زبیر) کو قتل کیا ہے"۔

مصعب کے مارے جانیکے بعد عبد الرحمن بن عوف کے بیٹے ابراہیم نے بھی پیام دیا مگر آپنے جواب میں کہلا بھیجا "تمہاری حماقت اب اس حد کو پہنچ گئی کہ سکینہ بنت حسینؑ بن فاطمہ بنت رسول اللہؐ کو عقد نکاح میں لینے کا حوصلہ کرتے ہو؟" ابراہیم یہ جواب سنکے بظاہر تو خاموش ہو رہے۔ مگر اب بجائے اُسکے اندرونی سازش سے مطلب براری کی کوشش شروع کی۔ اور جناب سکینہ کی خاص لونڈی بنانہ کو جسے آپ کے مزاج میں بہت درخور تھا گانٹھ لیا۔ بنانہ غالباً کئی مرتبہ کہکے اور انکاری جواب پاکے عاجز آچکی تھی کہ ایک دن اُس نے زور سے ٹھنڈی سانس لی کہ معلوم ہوا گویا بخارات اندرونی سینہ توڑ کے نکل جائینگے۔ جناب سکینہ نے حیرت سے پوچھا "بنانہ! کیوں؟" لونڈی نے عرض کیا "یا بنت رسول اللہ! مدت سے گھر میں کسی قسم کی دھوم دھام اور چہل پہل نہیں دیکھی؟" آپ اس کا مطلب سمجھ گئیں۔ فوراً ایک غلام کو بلا کے ابراہیم کے پاس بھیجا۔ اور کہلا بھیجا "میری رائے بدل گئی۔ اب اس بارے میں مجھے کوئی عذر نہیں ہے جس سے پہلے میں نے انکار کیا تھا رسول اللہ صلعم کے تمام ننہالی رشتہ داروں کو جمع کر کے لاؤ"۔ ابراہیم یہ خبر سنتے ہی مارے خوشی کے جامے سے باہر ہو گئے۔ اور قبیلۂ بنی زہرہ کے ستر اسی آدمی جمع کر کے علی بن حسین اور حسن بن حسن کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ لوگ سکینہ کے رخصت کرنے کیلئے تیار ہو جائیے۔ جب قریش اور بنی فاطمہ کو یہ خبر پہنچی تو نہایت برہم ہوئے اور برہم ہو کے آپس میں کہا "اس لڑکی کی یہ حالت ہو گئی کہ ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف سے نکاح کرتی ہے!"

الغرض تمام بنی ہاشم جمع ہوئے اور سب نے باہم قرارداد کر لی کہ ہر شخص ہاتھ میں ایک لکڑی ضرور لیتا جائے۔ شادی کا دن آگیا۔ اور دونوں طرف سے بنی زہرہ و بنی ہاشم آ کے ابراہیم کے گھر پر جمع ہوئے۔ سب مراتب پورے ہو چکے۔ اور صرف ایک نکاح خوانی رہی تھی کہ یکایک بنی زہرہ و بنی ہاشم میں لکڑی چلنے لگی اور ایسا سخت ہنگامہ ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں ایک سو سے زیادہ آدمیوں کے سر پھٹ گئے۔ لڑنے بھڑنے کے بعد بنی ہاشم نے دریافت کیا کہ "سکینہ کہاں ہیں؟" لوگوں نے بتایا کہ "اس گھر میں" پتہ پاتے ہی سب اندر گھس پڑے اور کہا "تمہاری خود مختاریاں اب اس حد تک پہنچ گئیں" اس کے بعد بنی ہاشم نے چاروں طرف سے چادریں پکڑ کے ایک ڈولی کی قطع سے گھوبجا بنایا اور جناب سکینہ کو اس کے اندر لیکے نکلے چلے گئے۔ آپکی لونڈی نبانہ اس گھوبجے میں ساتھ ساتھ تھی۔ راستہ میں آپنے اسکی طرف دیکھ کے فرمایا "دھوم دھام اور چہل پہل دیکھی؟" لونڈی نے ایک دفعہ چونک کے عرض کیا "ہاں بی بی دیکھی مگر خدا کی قسم بہت سخت تھی؟" اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم کے نکاح پر رضامندی ظاہر کرنا محض نبانہ اور ابراہیم کو سبق دینے کی غرض سے آپکا ایک نتیجہ خیز مذاق تھا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ جھگڑا اتنے ہی پر نہیں تمام ہو گیا۔ بلکہ ابراہیم نے بنی ہاشم کی مخالفت میں ہشام بن اسماعیل کے سامنے جو والی مدینہ تھا دادخواہی کی۔ ہشام نے پوری روداد سنکے جناب سکینہ کو اختیار دیدیا کہ وہ نکاح میں آنا چاہیں تو کسی کو روکنے کا حق نہیں۔ مگر اب خود جناب سکینہ نے انکار کر دیا۔ آپکو تو صرف یہ بتانا تھا کہ اس نکاح سے کیسے ہنگامے اُٹھ کھڑے ہونگے جو اچھی طرح نظر آگیا۔ ورنہ اُنکے عقد میں جانا خود آپ کو بھی نہیں منظور تھا۔

تیسرا نکاح آپکا عبداللہ بن عثمان حزامی سے ہوا مگر اس عقد کے مفصل حالات کا پتہ نہیں لگتا۔ اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اُنسے کیونکر مفارقت ہوئی۔ غالباً انھوں نے دنیائے فانی کو رخصت کیا ہوگا کہ چند ہی روز بعد آپ کا عقد نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان کے ساتھ ہو گیا۔ جو نہایت ہی حسین و خوبرو نوجوانان قریش میں شمار کیے جاتے اور بہت سی عورتیں خود اُن کے عقد میں جانیکی امیدوار و آرزومند تھیں۔ مگر اسکے

ساتھ خرابی کیا تھی کہ باوجودیکہ خدا نے بہت کچھ مال و دولت سے بہرہ یاب کیا تھا مگر انتہا درجہ کے بخیل تھے۔ چنانچہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ آپ کو ہمراہ لیکے بارادہ حج مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ لیکن کفایت شعاری کی نظر سے بطیں۔ مرغیاں۔ انڈے میوہ جات الغرض جتنی چیزیں بھی ضرورت ہو سکتی سب ساتھ لے لی تھیں کہ راستہ میں مہنگی ملیں گی۔ جناب سکینہ کا بامذاق غلام اشعب بھی ہمراہ تھا جسے زید تو کیا لیجانے مگر خود سیدہ سکینہ نے سو دینار بطور زاد راہ دے کے ساتھ چلنے کا حکم دیدیا تھا۔ زید جب مدینہ سے چل کے مقام سیالہ پر پہنچے تو دسترخوان بچھا اور کھانا سامنے لا کے رکھا گیا۔ اتفاقاً عین اس موقع پر بعض جوانانِ انصار آپہنچے سلام کیا اور پاس بیٹھ گئے۔ زید ڈرے کہ اب انھیں بھی کھلانا پڑے گا بس یکایک زور سے "اوہ!" کہہ کے کولا پکڑ لیا اور حکم دیا کہ "کھانا لیجاؤ اور سینکنے کو گرم پانی لاؤ"۔ جب تک وہ لوگ بیٹھے رہے زید اپنا کولا سنکواتے رہے اور اُس روز فاقہ ہی سے رہ گئے۔ دوسرے دن بھی یہی اتفاق پیش آیا کہ کھانا منگوا کے سامنے رکھا ہی تھا کہ چند جوانانِ قریش آپڑے۔ پھر وہی کولے کا درد شروع ہو گیا۔ لیکن آج صبر نہ ہو سکا۔ قریشیوں کے جانے کے بعد پھر کھانا منگوایا۔ مگر اب وہ بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا اور اشعب جو ساتھ کھانیوالوں میں تھا اُس کا بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔ زید نے مرغی کو جو سامنے لا کے رکھی گئی تھی بالکل سرد پا کے اشعب کیطرف دیکھا اور پوچھا "کوئی ترکیب ہے کہ یہ گرم ہو سکے؟" جس پر چڑھ کے اشعب نے کہا "مگر مجھے یہ تو بتائیے کہ کیا یہ آپکی مرغی فرعون کی اولاد میں ہے کہ اس پر روز صبح و شام آگ کا عذاب ہوتا ہے؟"

الغرض ایسے بزرگ تھے جن کے عقد نکاح میں جناب سکینہ آئیں جو انتہا درجہ کی فیاض اور سیر دل تھیں۔ تاہم چونکہ اُن کے مزاج سے واقف تھیں لہذا نکاح کرتے وقت آپ نے یہ شرائط کر لئے تھے کہ "زید آپکے سوا اور کسی بی بی کے پاس جا کے نہ رہیں گے۔ آپکو کسی کام سے نہ روکیں گے۔ اور آپ کا جہاں جی چاہے گا رہینگی۔ اور آپ جہاں فرمائیں اُن کا فرض ہوگا کہ آپ کو وہیں رکھیں۔ اور کبھی کسی امر میں آپکی مخالفت کریں"۔

نکاح کے بعد ابتداءً تو جناب سکینہ نے خواہ محبت کا امتحان لینے کیلئے یا اون کا غرور توڑنے کے خیال سے اونکو بہت دوڑایا۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ آپ نے کہا مجھے مکہ لیچلو۔ وہ لیکے روانہ ہوئے۔ دو ہی تین منزلیں طے ہوئی تھیں کہ آپ نے فرمایا نہیں مدینہ پلٹ چلو بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ واپسی ہی کے دن آپ نے ناز سے فرمایا کہ نہیں میں مدینہ علونگی اور وہ پھر لیکے روانہ ہوئے مگر اونکو بھی ایسی محبت تھی کہ کبھی کسی حکم سے انحراف نہیں کیا۔ جو ارشاد ہوا بجالائے۔ بلکہ اونکی اطاعت بعض معاملات میں ایسی بھی کہ سُن کے حیرت ہوجاتی ہے۔ چنانچہ مندرجۂ ذیل واقعہ اگرچہ زیادہ طولانی ہے مگر زید کے خلوص محبت کے اظہار کیلئے اس کا نقل کرنا بیموقع نہ ہوگا۔

جن دنوں رشید نے اپنے بھائی ابراہیم بن مہدی کو والی دمشق مقرر کیا ہے۔ اور اُسنے بغداد سے دمشق کی راہ لی ہے۔ شعیب بن اشعب یعنی جناب سکینہ کے غلام اشعب کا بیٹا اُس کے ہمراہ رکاب تھا۔ راستہ میں ایک مقام پر ابراہیم کو سردی معلوم ہوئی آگ جلواکے تاپنے لگا اور شعیب سے پوچھا "مدینہ میں تمہارا کوئی عزیز ہی؟" شعیب نے کہا "وہاں میرے بہت عزیز ہیں"۔ پوچھا "دس بارہ؟" شعیب نے متانت کیصورت بناکے کہا "جی نہیں بہت ہیں"۔ ابراہیم نے کہا "بیس؟" "شعیب نے اسی سنجیدگی سے کہا "خداوند۔ دہائیاں کیا معنی آپ سیکڑوں کو بھی چھوڑ دیجئے۔ میرے عزیزوں کا شمار وہاں ہزاروں میں ہے"۔ ابراہیم نے تعجب سے کہا "ہزاروں! عرب میں آئے تمہاری صرف ایک پشت گزری۔ تمہارے باوا عجمی الاصل غلام تھے۔ پھر اتنے عزیز کیونکر پیدا ہوگئے؟" شعیب نے کہا اس کا بڑا قصہ ہے۔ اجازت ہو تو عرض کروں"۔ ابراہیم نے اجازت دی اور شعیب نے بیان کرنا شروع کیا کہ:۔

"جن دنوں زید بن عمرو بن عثمان بن عفان نے سکینہ بنت حسین کو اپنے عقد نکاح میں لیا ہے۔ اُن دنوں میرے والد جناب سکینہ کی خدمات بجالاتے تھے اور اُس خاتون رسالت کے مورد عنایت تھے۔ اتفاقاً اُسی زمانہ میں سلیمان بن عبدالملک نے تخت نشین ہونے کے بعد پہلا سفر حج کیا۔ زید نے آکے جناب سکینہ کیخدمت میں عرض کیا کہ خلیفہ

کا یہ پہلا سفر ہے میرا جانا اور شریک ہونا ضروری و لازمی ہے۔ جناب سکینہ نے اُنکو سفر
حج کی اجازت تو دیدی مگر اس شرط سے کہ اشعب بھی اُنکے ساتھ رہیں اور جناب سکینہ کے
جاسوس کی حیثیت سے اُنکی نگرانی کرتے رہیں اور مقام عرج میں جانے سے روکیں۔ جہاں
زید کا مقطعہ تھا اور جہاں اُن کے گلے اور اُنکی لونڈیاں رہا کرتی تھیں۔ زید نے اس
شرط کو منظور کیا اور اشعب کو ہمراہ لیکے مکہ کو روانہ ہوئے اور پورے ٹھاٹھ سے اس لئے
کہ اتیا نہایت عمدہ گھوڑا قیمتی زین خاص بھاری درباری لباس۔ نادر و گراں بہا عطر
جن چیزوں کو وہ اُسی دن اور اُسی موقع پر کام میں لاتے تھے جب خلیفہ یا اُسی پایہ
کے کسی شخص سے ملنا ہو سب کو لیکے چلے۔ مکہ میں پہنچ کے سلیمان سے ملے۔ انعام و اکرام
سے بہرہ یاب ہوئے۔ حج کیا اور مدینہ کو واپس چلے۔ راستہ میں جب بنی عامر بن صعصعہ
کے چشمہ پر پہنچے جہاں سے مقام عرج قریب تھا تو اشعب کو سامنے بلا کے چار سَو دینار
کی تھیلی اُن کے ہاتھ میں رکھدی۔ اور کہا سُنو۔ عرج یہاں سے صرف چند میل ہے
تم اگر خاموش رہنے کا وعدہ کرو اور جناب سکینہ کی خدمت میں چغلی نہ کھاؤ تو یہ روپیہ تمہارا
ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم جناب سکینہ کے سامنے قسم کھا کے کہدو کہ میں عرج نہیں گیا تھا۔
اشعب نے لالچ میں آکے جھوٹی قسم کھانیکا وعدہ کر لیا اور یہ بات قرار پائی کہ ایک دن
اور ایک رات یہیں ٹھہرے رہیں اور تمام مال و اسباب کی حفاظت کرتے رہیں! اتنے
زمانہ میں زید اپنے مقطعہ میں جاکے اور لونڈیوں سے مل کے واپس آجائینگے۔ بہرحال
زید نے سب چیزیں اور اپنا وہ شاہانہ سامان سب اشعب کے سپرد کیا اور عرج کی راہ
لی اور اشعب اکیلے کھڑے ہوکے اُس چشمہ کی سیر کرنے لگے جس کے کنارے فرد کش
تھے۔ زید نے شاید ابھی نصف میل مسافت بھی نہ طے کی ہوگی کہ یکایک دو خوبصورت
لڑکیاں مشکیزے لیے چشمہ کے کنارے آئیں مشکیزے پانی میں ڈالدیئے اور خود بھی
کپڑے اُتار اُتار کے پانی میں کود پڑیں اور باہم چھینٹیں اُڑانے اور کھیلنے لگیں اُنکی
خوبصورتی اور اس بے تکلفانہ دلچسپی نے اشعب کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ جب باہر نکلیں اور کپڑے پہنکے
کھڑی ہوئیں تو آپ قریب گئے اور اُنکا حال پوچھا۔ اُنھوں نے بتایا کہ بنی عامر کے

مرد تو کسی کام سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اور عورتیں یہاں سے قریب ہی اُتری ہوئی ہیں
ہم کو اُنکی لونڈی ہونے کی عزت حاصل ہے۔ یہ سادگی کا جواب سُن کے آپکی جرأت اور
بڑھی اور پوچھا بھلا تمہارے یہاں کی عورتیں اُس شریف عرب کی صحبت کو پسند کریں گی۔
جو مہذب شایستہ اور بذلہ سنج ہو۔ اور آدابِ صحبت سے خوب واقف ہو؟ لونڈیوں نے
پوچھا وہ کون شخص ہے۔ آپنے فرمایا۔ میں ہی ہوں۔ جو سامنے کھڑا ہوں۔ لونڈیوں نے
کہا اچھا چلو۔ اتنا سُنتے ہی آپکی باچھیں کھل گئیں۔ لپک کے زید کے خیمہ میں گئے اپنا
درباری لباس زیبِ بدن کیا عطر خوب فیاضی سے سر سے پاؤں تک لگایا۔ وہ قیمتی زین
گھوڑے پر کسا۔ اور اُس ہیکل گھوڑے پر سوار ہو کے بڑی آن بان اور کرّ و فر سے اُن
لڑکیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کے دن بھر بنی عامر کے خیموں میں رہے۔
خوب لطف اُٹھایا۔ سادہ دل بناتِ بادیہ نے خوب مہمان داری کی۔ اور ایسے مزے میں
گزری کہ باتوں ہی باتوں میں عصر کا وقت آگیا۔ اُسوقت قبیلہ کے مردوں اور شہسواروں
کو آتے دیکھا اور گھبرا کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ گھوڑے پر سوار ہو کے چلے ہی تھے کہ بنی عامر
کے غول کے غول پاس سے گزرنے لگے۔ ہر غول کا سردار پاس آکے پوچھتا۔ تم کون ہو۔
اور آپ ایک غرور و خودداری کے چشم و ابرو سے کہدیتے۔ زید بن عمرو بن عثمان بن عفان
جس جواب پر سب کو اطمینان ہو جاتا۔ اور آگے بڑھ جاتے۔ الغرض اسطرح جواب دیتے
ہی دیتے اُنھیں شام ہو گئی۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا کہ سب کے آخر میں ایک نہایت ہی
سن رسیدہ شہسوار آیا۔ جسکے چشم و ابرو سے بلا کا استقلال و تجربہ نمایاں تھا۔ یہ بوڑھا
شخص ایک دُبلے گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے بھی پاس آکے پوچھا تم کون ہو۔ اور آپنے
بلا تکلف کہدیا زید بن عمرو بن عثمان بن عفان۔ یہ سُنتے ہی بڈھے نے داہنا ہاتھ پیشانی
پر رکھا۔ اور انھیں کچھہ ایسی غضب کی تیز اور تہ تک پہنچ جانیوالی نگاہ سے گھورا۔ اور
اِدھر اُدھر مُڑ مُڑ کے ان کے چہرہ کا مطالعہ کیا کہ آپ کے ہوش و حواس بجا نہ رہے۔
دل پر ایسا رعب بیٹھ گیا کہ چار آنکھیں نہ کیجا سکیں۔ فوراً گھوڑے کو ایڑ بتائی اور
بدحواس بھاگے۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس بوڑھے کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ "خدا

کی قسم یہ قریش کا چہرہ نہیں۔ اس پر تو غلامی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔" اتنا کہتے ہی اُس نے
اپنا تیر کمان سے جوڑا۔ اور کچھ ایسی کامل قادر اندازی اور ایسی مضبوط چٹکی سے چلایا تو
اشعب کے پیچھے زین پر پڑا اور اُسے توڑ کے آپ کے سُرین میں پیوست ہو گیا۔
یہ اس طرح جان پر کھیل کے بھاگے تھے کہ خون بہتا رہا اور بھاگتے ہی چلے گئے۔ ا
آخر آ کے اپنے آقا کے خیمہ میں دم لیا۔ یہاں پہنچ کے گھوڑے سے اُترے۔ تیر نکالا جو زین
میں پیوست تھا۔ اور یہ دیکھ کے اور گھبرائے کہ زین ٹوٹ گیا۔ حُلّہ پھٹ گیا اور خون آلود
ہے۔ اور گھوڑا معمول سے زیادہ تھکا ہوا ہے۔ پریشان ہوئے کہ زید کو کیا جواب دیں گے
مجبوراً حلّہ دھو کے پھیلا دیا۔ اور خیمہ میں جا کے پڑ رہے۔ صبح تڑکے ہنوز اندھیرا ہی تھا کہ
زید آ گئے۔ اور اپنے لباس کو غائب۔ زین کو شکستہ اور گھوڑے کو تھکا دیکھ کے حیران
ہی تھے کہ عطر کی لپٹیں آئیں۔ اشعب سے سبب پوچھا۔ بیچارے کیا کرتے۔ بلا کم و کاست
سارا ماجرا بیان کر دیا۔ اور عذر خواہی کی۔ زید کو سُن کے اپنے نقصان پر نہایت ہی افسوس
ہوا۔ اور اس واقعہ پر کسی قدر ہنسی بھی آئی۔ مگر خاموش ہو رہے۔ تاہم ناراض ہو کے اتنا
کہا کاش تمنے ان چیزوں کے خراب کرنے ہی پر کفایت کی ہوتی۔ میرا نام تو قبائل عرب میں
نہ بدنام کرتے۔" اسکے بعد اُنھوں نے ایک لفظ نہ کہا اور مدینہ کو روانہ ہوئے۔

مدینہ میں پہنچ کے زید جناب سکینہ کے سامنے گئے۔ آپ نے راستہ کا حال پوچھا اور
دریافت کیا کہ عرج میں تو نہیں گئے تھے؟ زید نے کہا اب مجھ سے نہ پوچھیے اُسی اشعب
سے پوچھیے جسے آپ نے مجھ پر سزاول مقرر کیا تھا اور جس کا آپ کو اعتبار رہے۔ آپ نے
اشعب کو بُلا کے دریافت کیا۔ اشعب نے حسب وعدہ بلا تامل قسم کھا کے کہدیا کہ
ہر جگہ میں انکی نگرانی کرتا رہا۔ اور کوئی امر آپکی مرضی کے خلاف نہیں ہوا۔ یہ عرج میں
نہیں جانے پائے۔ اشعب کے قسم کھاتے ہی زید اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہا "یا بنت رسول اللہ
آپ کا غلام جھوٹا ہے۔ میں عرج میں گیا۔ ایک دن اور ایک رات رہا۔ مگر آپکے سامنے
اب معافی کا خواستگار ہوں۔ اور عہد کرتا ہوں کہ پھر کبھی ان لونڈیوں کی طرف توجہ
نہ کروں گا۔ بلکہ حکم دیے دیتا ہوں کہ وہ سب لونڈیاں آپ کی خدمت میں پہنچا دیجائیں

آپ کو اختیار ہوگا کہ چاہیئے انگور رکھیئے اور چاہیئے بیچ ڈالیئے اس کے بعد سفر کی ساری سرگزشت بیان کی اور کہا اس غلام کو ضرور سزا ہونی چاہیئے۔

جناب سکینہ نے فوراً وہ چار سو دینار اشعب سے واپس لئے۔ اور انمیں تین سو دینار کا چوبینہ منگوا کے بڑھیوں کو بلوایا۔ اور ایک پست اور بڑا ڈربا بنوایا۔ ان باقیماندہ سو دیناروں میں سے کچھ تو بڑھیوں کی مزدوری میں صرف کئے اور باقی کی سوکھی گھاس منگوا کے اس ڈربے میں بچھوائی۔ اس پر بہت سے مرغی کے انڈے رکھدیئے اور اشعب کو اسمیں بند کر کے حکم دیا کہ تمہاری سزا یہی ہے کہ ان انڈوں کو بیٹھ کے سیئو۔ جب تک بچے نکل آئیں گے تم کو آزادی نہ نصیب ہوگی۔ اشعب نے چار و ناچار ان انڈوں کو سینا شروع کیا۔ آخر ۲۵۔۳۰ روز میں بچے نکلے۔ جو جناب سکینہ کے گھر میں پل کے بڑے ہوئے۔ ان بچوں کو جناب سکینہ "بنات اشعب" (یعنی اشعب کی بیٹیاں) کہا کرتی تھیں۔ ان بچوں کی نسل مدینہ میں پھیلی اور اسوقت تک بہت سے گھروں میں موجود ہیں۔ اور آج تک بنات اشعب کہلاتی ہیں۔ جنکا شمار ہزاروں کو پہنچا ہوا ہے۔ اور سب میرے بھائی بند ہیں بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ مدینہ میں شاذ و نادر ہی کوئی گھر ہوگا جس میں میرے عزیز و اقارب نہ موجود ہوں۔"

جواب شرر

مسٹر شرر کی یہ شعلہ افگنی ابھی انھیں دو نمبروں تک پہونچی تھی کہ حیدر آباد میں ایک عام شورش پیدا ہوئی اور مولوی سید مرتضیٰ صاحب فلسفی ناظم صیغہ علوم و فنون نے اس طرح پر سلسلہ مراسلات شروع کیا۔

دامت معالیہ و بورکت ایامہ و لیالیہ

یہ خط میں آپ کو محض خانگی طور پر اور گویا صیغہ راز میں لکھ رہا ہوں جسکی بنا، اخلاص و دوستانہ پر ہے۔ کل میں نے جناب حکیم محمود علی صاحب سے سُنا کہ آپنے اپنی ناول نویسی میں اس قدر ترقی فرمائی ہے کہ خاندانِ رسالت پر بھی حملہ ہونے لگے اور اُنکے حالات کو بھی آپنے عاشقانہ رنگ میں لکھنا شروع کیا ہے چنانچہ بالفعل حضرت سکینہ علیہا السّلام کا ناول آپ لکھ رہے ہیں۔ مجھے اس خبر سے جس درجہ کا رنج و قلق ہوا ہے وہ بیرون احاطۂ تحریر ہے اس کا موازنہ بلا مبالغہ آپ اسیطور پر فرمایئے کہ آپ نے میری ماں و بہن کے حالات کو ناول کے رنگ میں نشر کرنا شروع کیا ہے اور دوسرا موازنہ اُس کا یہ ہے کہ آپ سے اگر کوئی شخص معارضہ بالمثل اس کا کرے تو آپ کو کس قدر صدمہ روحانی ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی اس تجاوز اور تعدی سے ہم سادات کے قلوب کو سخت مجروح کیا ہے۔

واقعات و قصص کی غلطی اور صحت سے میں قطع نظر کرتا ہوں اسلئے کہ یہ علمی بحث ہے اور بہایت طول و طویل اُسکے چھیڑنے کا بالفعل موقع نہیں لیکن آپکو اگر عظمت و جلالت خاندانِ رسالت کا خیال نہیں آیا جو ہر مسلمان کیلئے

واجب ہے تو نہ سہی مگر آپ اتنا تو خیال کر لیتے کہ آپ سے چند سادات سے معمولی درجہ کا راہ و رسم نہیں ہے شیوۂ مروّت اور اخلاق کے خلاف ہے کہ آپ اُنکے اکابر اہل حرم کے حالات کو ناول کے پیرایہ میں لکھیں اور اُنکو بلا وجہ دلی صدمہ پہونچائیں منجملہ اُن کے مجھے بھی آپ سے دعوے اخلاص و محبت ہے اور ہرگز مجھے آپ سے ایسی امید نہ تھی۔

اب تو وہ زمانہ قریب ہے کہ آپکے فیض قلم سے اس ناول کی نظم اور ناٹک کی کمپنی تیار ہو اور اسمیں خاندانِ رسالت کی علے رؤس الاشہاد تفضیح کیجاوے لندن کے ناٹک کو جسے نصاریٰ نے برپا کرنا چاہا تھا مسلمانوں نے روکا اور ملکہ معظمہ نے بکمال مہربانی مسلمانوں کی اس عرض کو قبول کیا۔ لیکن مسلمانوں کی ناول نویسی اور خاندان نبوت کے ناٹک بنانے کو کون روکیگا سعدی از دست خویشتن فریاد۔ جس فتنہ کیطرف اس روشنی کے زمانہ میں کسیکا وہم بھی نہ گیا تھا اُسکی طرف آپ نے لوگوں کو متوجہ کیا ہے۔

اگر ایک درجہ آپکے خامۂ مبارک نے اور ترقی کی تو دوسرے سال میں آپ جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا کا ناول بڑے آب تاب سے تحریر فرمائینگے اور تیسرے سال اُسکی ناٹک تیار ہوگی۔

بہت سی عورتیں اسلام میں ایسی گزری ہیں جنکے آپ بے دھڑک ناول لکھ سکتے ہیں اور ہم سادات کی ایذا رسانی سے آپ محفوظ رہ سکتے ہیں۔ آپ کو تلاش میں زحمت ہو تو میں بتا سکتا ہوں۔ شرح مقامات حریری سرشی میں نائلہ کا قصّہ قابل آپکی توجہ کے ہے۔ مصارع العشاق تزیین الاسواق دیوان الصبابہ وغیرہ کو پیش نظر فرمایئے وغیرہ وغیرہ۔

آپ جانتے ہیں کہ جہال ہر قوم و ملت کے حد سے متجاوز ہوجاتے ہیں سخت بیباک ہوتے ہیں اگر کوئی جاہل حضرت عایشہ ام المومنین رضہ کا ناول آپ کے مقابل میں لکھنا شروع کرے تو کیا عظیم الشان فتنہ برپا ہوگا اور نوبت بہ سیف و سناں آویگی۔

بجائے اسکے کہ ہملوگ اسلام میں اتحاد کی کوشش کریں آپ کی تحریر نفاق انگیزی اسلام سے گزر کر حد محاربہ و مقاتلہ تک پہونچا چاہتی ہے۔

سب سے قطع نظر کیجئے یہاں کے ارکان دولت بھی چند سادات مثل میر افضل حسین جج صاحب رکن مجلس سید علی صاحب بلگرامی شمس العلما سید علی حسن صاحب ناظم بند و بست وغیرہ ہیں۔ اگر یہ لوگ آپ کے اس ناول پر سرکار [illegible] یا اعلیحضرت میں استغاثہ کریں تو کیا آپ اس استغاثہ کو محض بے اثر سمجھ سکتے ہیں یہ مانا کہ فتح و ظفر آپ کے حصہ میں ہوگی لیکن قبل اسکے جو پریشانیاں آپ کو لاحق ہونگی وہ اسی بنا پر ہونگی جس کا دین و دنیا میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

یہ نیاز نامہ بہت طول ہو گیا لیکن علت اولیٰ اس تطویل کی وہی آپکی محبت و خیر خواہی ہے۔

اب اخیر میں آپ سے میں یہ امید کرتا ہوں کہ آپ اس سلسلہ کو قطع فرمادینگے اور کوئی دوسرا سلسلہ شروع کرینگے جس کو کچھ تعلق خاندان رسالت سے ہوگا اوّلاً تو کل سادات آپکی اس عنایت و مہربانی کے ممنون ہونگے لیکن بالخصوص میں بھی آپ کا شاکر ہونگا۔ سوائے دو تین پرچوں کے میرے پاس پھر کوئی پرچہ آپ کا نہ آیا حالانکہ قیمت پیشگی ادا کرچکا ہوں۔ لیکن میں اپنے حصہ کے پرچہ کو آپ کو ہبہ کر دیتا ہوں تاکہ آپ کو اُس سے انتفاع حاصل ہو۔ مجھے ناول سے شوق بھی نہیں ہے نہ کبھی دیکھتا ہوں والسّلام

آپ کا مخلص
معدوم ہستی نما
سید مرتضیٰ

العلامۃ المتقام والبحر الفہامہ دام اللہ فیوضہٗ

تسلیم۔ مجھے یہ رقعہ یا یوں لکھا جائے کہ ملامت نامہ دیکھ کے نہایت افسوس ہوا

کوئی نیا افسوس نہیں بلکہ وہی جو عام مسلمانوں کی زود اعتقادی پر ہوا کرتا ہے
براہ عنایت فرمایئے کہ میں نے جناب سکینہ کا ناول کہاں اور کس کتاب میں اور
کس اخبار میں لکھا ہے۔ جیسا ناول جناب سکینہ کا میں نے لکھا ہے ویسا ہی آپ جناب
عائشہ کا شوق سے لکھیں اور میں کمال مشکوری کے ساتھ قبول کرونگا۔ مجھے جناب
سکینہ اور جملہ اہلبیت سے محبت ہے اسلئے نہیں کہ آپ سادات میں سے ہیں
بلکہ اسلئے کہ میں مسلمان ہوں۔
امید ہے کہ آئندہ آپ کوئی لفظ زبان وقلم سے نکالنے سے پہلے ذرا اپنے حواس
سے بھی کام لیا کرینگے فقط

آپ کا خادم عبدالحلیم شرر

دام لطفہ،
مجھے تعجب ہے کہ آپ نے اس خط کی تحریر میں اپنے حواس سے مطلقاً
کام نہیں لیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اگر آپ میرے خط کو پڑھیں گے اور سمجھینگے
تو خود نادم ہونگے اور آیندہ سے شرلفیانہ تحریر کی خو ڈالیں گے والسّلام

سید مرتضیٰ

بندہ پرور تسلیم
اگر وہ جملہ آپ کو ناگوار ہوا تو میں ندامت سے واپس لیتا ہوں۔ میرا مقصود
یہ تھا کہ محض دوسروں کے حواس پر اطمینان کرکے رائے نہ قائم فرمایا کیجئے جبتک خود
بھی نہ دیکھ لیا کیجئے۔ آپنے یہ رائے خود اپنے اعتراف کے مطابق حکیم محمود علیخاں صاحب کے فرمانے
پر قائم کی تھی۔ اسلئے میں نے عرض کیا کہ جس لائف کا تذکرہ ہے پہلے اسکو پڑھ
لیجئے پھر اُسکی نسبت کچھ ارشاد فرمایئے۔ آپ کو اگر یہ امر ناگوار ہوا تو مجھے معاف
فرمایئے کہ میں اُن معترضوں کی اطمینان نہیں کرسکتا جو محض سُنی سُنائی
باتوں پر رائے قائم کیا کرتے ہیں۔
اب واقعہ کی نسبت ملاحظہ ہو کہ میں نے نہ جناب سکینہ کا ناول لکھا ہے

نہ لکھنا پسند کرتا ہوں۔ اور سالہا سال پیشتر خود ہی زور دیکے کہہ چکا ہوں کہ بزرگان دین کا اسٹیج پر لانا مذہبی ہی نہیں بلکہ پولٹیکل غلطی بھی ہے۔ اور خاص اُن دنوں جب رسول اللہ کی تصویر یا آپ کا بہروپ اسٹیج پر لایا جاتا تھا اُس کی مخالفت میں میرا مضمون سب سے زیادہ تیز اور پُرزور تھا۔ لہذا بلا تحقیق اور بغیر دیکھے یہ رائے قائم کر دینا کہ میں نے ایسا کیا مجھ پر کتنا بڑا ظلم ہے۔

دلگداز کے دو نمبروں میں سلسلہ وار جناب سکینہ کی لائف لکھی گئی ہے اور ادب آداب و تعظیم سے آپ کا نام ہر جگہ لیا گیا ہے جس تعظیم کی ضرورت ہے۔ کوئی قصہ نہ تصنیف کیا گیا ہے نہ گھٹایا بڑھایا گیا ہے اور جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کے ثبوت کا میں ذمہ دار ہوں۔

یہ آپ کا کس قدر بے اصل اور آزادہ خیال ہے کہ آپ جناب سکینہ کو تو اپنا اور جناب عائشہ کو میرا بناتے ہیں میں اگر آپ کے خیال میں سُنی ہوں تو عام اہلسنت کے اصول کے مطابق میرے نزدیک سکینہ و عائشہ کی ایک ہی وقعت ہونا چاہئے اور اگر نہیں ہوں تو بھی۔ پھر آپ یہ کیا دھمکی دیتے ہیں کہ کوئی جناب عائشہ کا ناول لکھے تو کیا ہوگا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ وہی ہوگا جو جناب سکینہ یا جناب فاطمہ کا ناول لکھنے میں ہوگا۔ میں سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں اور جس طرح سکینہ کی لائف لکھی ہے اُسی طرح عائشہ بنت طلحہ کی لائف لکھنے والا تھا۔

رہی یہ بات کہ مدار المہام یا حضور یا مولوی سید علی صاحب بلگرامی یا آپ۔ میں مضمون لکھتے وقت اِن میں سے کسی کا خیال نہیں کرتا۔ مجھے ان لوگوں سے دنیاوی اور نوکری کا تعلق ہے۔ میں نے اپنے کانشنش اور اپنی آزادی کو ان لوگوں کے ہاتھ میں نہیں بیچا ہے۔ ایک ذرہ برابر میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ تقیہ نہ کبھی کیا ہے اور نہ جائز سمجھتا ہوں اور یہ تو شاید آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس نوکری کی چنداں پرواہ نہیں۔ بعض احباب نے اگر روکا نہ ہوتا تو میں ابتک لکھنؤ پہنچ چکا ہوتا میرے خیالات یا میری اپنی تحقیقات پر نہ حضور بہرہ بٹھا سکتے ہیں اور نہ مدار المہام

پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مولوی سید علی صاحب یا آپ میرے قلم کو کہاں تک پکڑ سکتے ہیں دنیا میں اُن لوگوں کی بہت بڑی جماعت ہے جن سے مجھے اپنے خیالات کی داد ملجاتی ہے اور جنکی ہمدردی و قدر دانی کی قوت سے میں اپنے خیالات کو یورپ و امریکہ و افریقہ وسط ایشیا تک پہونچا دیا کرتا ہوں۔

آپ کی دوستانہ رائے کا میں شکر گزار ہوں مگر افسوس کرتا ہوں اور پھر آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ جو رائے قائم کیا کیجیے اُسکو اصل چیز کے دیکھنے کے بعد سُنی سُنائی باتوں پر رائے قائم کرنے کا مرض ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ اور مجھے آپ کو بھی اسیطرح بے احتیاطی سے رائے قائم کرتے دیکھ کے نہایت افسوس ہوتا ہے۔ آپ کا شمار مخصوص اور منتخب سر برآوردگان قوم میں ہے آپ سے بھی وہی امر ظہور میں آئے جو ایک عامی ادہار دنے شخص سے ظہور پذیر ہوتا ہے تو فرمائیے کہ کتنی بڑی تکلیف ہوگی والسّلام

آپ کا خادم

محمد عبد الحلیم شرر

پرچہ نہ جانے کے اسباب بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ آپ وطن تشریف لے گئے آدمی مکان ڈھونڈھتا پھرا اور جب سُنا کہ آپ شہر میں نہیں ہیں تو مجبوراً پرچہ روک دیا گیا اور امید تھی کہ واپس تشریف لانے کے بعد خود آپ ہی مطلع فرما کے طلب فرمالینگے مگر آپ نے بے پروائی کی اور مجھے بالکل خبر نہ ہوئی کہ آپ کب واپس آئے شاید ایک ہی ہفتہ ہوا کہ میں نے آپ کے ورود کا حال سُنا مگر مکان کا پتہ آج تک نہ معلوم تھا۔ اب آپ براہ عنایت اپنا پتہ دیں کہ کس نمبر تک رسالہ آپ کو پہونچا ہے تو میں نہایت خوشی اور فخر سے بعد کے نمبر پیشکش کر دوں۔ آپ کو اگر ناول کا شوق نہیں تو مجھے افسوس ہے کہ آپ نے کیوں خریداری منظور فرمائی۔ میں نے آجتک کسی دوست پر دلگداز کا بار نہیں ڈالا اور خود اپنی زبان سے تو کسی سے خریداری کی آرزو نہیں کی لکھنؤ کے احباب میں سے کوئی خریدار نہ تھا اور نہ ہے۔ مگر آپ نے افسوس کہ خریدنا پسند کیے ذرہ

دیدیے اور خریداری منظور کر لی اور چونکہ اب آپ کے مذاق میں دلگداز کی اعانت داخل معصیت ہو گی لہذا مجھے زیادہ افسوس ہے کہ اس دو روپیہ کی فیاضی سے آپ کسی ثواب کی بھی امید نہیں کر سکتے زیادہ حد ادب۔

نیاز کیش

محمد عبد الحلیم شرر

۲۲ جمادی الاول ۱۳۱۵ھ　　　　سر اسٹیشن ریلوے بنگلہ نمبر (۹۸۱)

دام مجدہٗ

کل آپ کا عنایت نامہ شام کو پہونچا۔ اس وجہ سے جواب سے قاصر رہا دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ پردۂ شب درمیان آپکے اور آپکے غیظ و غضب کے حائل ہو جاوے تاکہ آپ میری تحریر کو پھر جادۂ اخلاص سے منحرف نہ سمجھیں اور دوبارہ اُس پر غور و انصاف کی نگاہ ڈالیں۔

میں آپکو پھر یقین دلاتا ہوں کہ اب بھی میں آپ کا خیر طلب دوست ہوں اور اسی بنا پر میں نے آپ کو پہلا خط خانگی طور پر اور صیغہ راز میں لکھا تھا لیکن آپنے اس فقرہ پر بالکل لحاظ نہیں فرمایا اور کل ہی آپ نے میرے خط کے مضمون کو مولوی مسعود علی صاحب اور ظفر علیخاں صاحب بی۔ اے سے الم نشرح کر دیا اور شب ہی کو مولوی ابراہیم صاحب کے مکان پر مجھ سے حکیم محمود علی صاحب نے دفعتہً سوال کیا کہ تم نے شرر صاحب کو یہ کیا خط لکھا تھا جس کا خلاصہ مضمون وہ مولوی مسعود علی صاحب سے بیان کرتے تھے۔ مجھے افسوس ہوا کہ آپنے میری اس حکمت اور مصلحت کو برباد کر ڈالا جو ان مراسلات کے صیغہ راز میں رکھنے سے متعلق تھی اب تو وہی مصداق ہے کہ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ اب بھی میں آپکے ان افعال کو گو وہ شیوۂ شرافت اور مروت کے خلاف سمجھے جا سکتے ہوں حسن ظن پر راجع کرتا ہوں کہ آپ کا یہ ناول یا افشائے راز اخبار کسی بدنیتی پر محمول نہیں ہے۔ بلکہ اول کی بنا آپکی غفلت یا غلطی پر ہے جو شان انسان سے کسی طرح بعید نہیں ہے۔ اور افشائے راز کا سبب افراط غضب آپ کا ہے جسمیں

انسان کبھی بجوڈ ہوجاتا ہے اور میں اپنے دوستوں کو ایسی حالت میں اُنکے رفتار و کردار پر معذور اور محذور سمجھتا ہوں۔

آپ کو یہ خیال فرمانا چاہئے کہ ہم لوگ اپنی رائے میں معصوم نہیں ہیں غلطی سے بڑے بڑے حکماء و علماء کی تحریر و تقریر محفوظ نہیں رہی ہے تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں بمجرد اپنی مخالف رائے سننے کے بگڑ جانا اور دوسرے شخص کو سخت و سست کہنا دانشمندی کے خلاف ہے دنیا میں دوستوں کی دو قسم ہوتی ہے ایک تو بازاری دوست ہیں جو ہم لوگوں کے جملہ حرکات و سکنات پر نعرہ تحسین و آفرین بلند کرتے ہیں اور وہ حقیقت میں ہمارے دشمن ہیں جو ہمکو اپنے دام فریب میں اسیر کر کے مغرور بناتے ہیں اور ہر روز بلکہ ہر لحظہ ہمارے اخلاق کو بگاڑتے جاتے ہیں اور ہماری رائے اور عقل کو میدان ترقی میں قدم رکھنے سے روکتے ہیں۔ دوسرے صادق دوست ہیں جو کمال نیک نیتی سے ہماری رائے کی غلطی ہمکو بتاتے ہیں اور کمال محبت سے ہمارے افعال پر نکتہ چینی کر کے ہماری عقل کو روشن کرتے ہیں اور ہمارے اخلاق کو جادۂ استقامت پر لاتے ہیں ایسے دوست نہایت عزیز اور کبریت احمر کا حکم رکھتے ہیں۔ میں تمنا کرتا ہوں کہ میں آپکو اپنے دوستوں کے احباب قسم ثانی میں ہمیشہ شمار کرتا رہوں۔

میں نے حکیم محمود علی صاحب کے کہنے پر جو رائے قائم کی تھی وہ آپ کے رسلہ پرچہ نمبر (۲) سے علم الیقین کے مرتبہ سے عین الیقین پر پہنچی آپ خود واقف ہیں کہ حکیم صاحب ممدوح ایک ذی علم اور مہذب شخص ہیں جسکے سمجھنے میں اُنکو تکلف و تامل ہو سکتا تھا نہ وہ ایسے غیر مہذب شخص تھے جو آپ پر افترا کرتے پھر مجھے اُنکی خبر پر اعتماد نہ کرنے کی کیا وجہ تھی۔

مجھے تعجب ہے کہ آپنے دو نمبروں میں حضرت سکینہ کا ناول لکھا اور پھر اُس سے صریحی انکار کرتے ہیں۔ شاید ناول کے معنی آپ کے خیال میں اس سے زیادہ شوخی اور بازاری الفاظ استعمال کرنے کے ہیں آپ نے کسی زمانہ میں بزرگان دین کا اسٹیج پر لانا غلط سمجھا تھا تو وہ رائے آپکی محل ستایش تھی لیکن اب تو

آپکی تحریر کہے دیتی ہے کہ آپ نے اس پہ اپنی رائے سے عدول
کرلیا ہے اور جناب سکینہ اور جناب فاطمہ اور جناب عایشہ کا ناول اس آب
وتاب سے لکھنا آپ صرف ذہناً جائز نہیں سمجھتے بلکہ آپ اسکو عملاً بھی
دکھاتے جاتے ہیں اور صاف صاف دوسروں کو بھی اُسکی ہدایت کرتے
ہیں کسر صرف اتنی رہ گئی ہے کہ انکا ڈراما تیار فرمایئے اور اسٹیج پر لانے کا
فتوے دیدیجئے۔ یا شاید آپ ان لوگوں کو بزرگان دین کی فہرست میں
داخل ہی نہیں کرتے۔

میرے اور ہر مسلمان کے خیال میں جناب سکینہ کی لائف لکھنے میں ادب سے
آپ نے کام نہیں لیا کیا یہ الفاظ آپ کے نہیں ہیں کہ بانکا جوڑا باندھتی تھیں
اور قطع نظر اس بانکپن اور وضعداری کے حسن و جمال میں بھی آپ نظیر نہ
رکھتی تھیں۔ مصعب نے چار و ناچار اپنی نازآفریں بی بی کو رخصت کیا وغیرہ وغیرہ
کیا ایسے الفاظ پردہ گیان خاندان رسالت کی شان میں بے ادبی نہیں ہیں تو اور
کیا ہیں؟ اگرچہ میں اپنے پہلے خط میں مجملاً آپ کو سارے پہلو لکھ چکا
ہوں۔ لیکن آپ مجھے تصریح پر مجبور کرتے ہیں اور میرے خط میں ذرا
غور نہیں فرماتے اب میں آپ کو تمثیل میں سمجھاتا ہوں کہ آپ سے قطع نظر کر
لیجاوے اور ایک دوسرا شخص عبدالعلیم نامی فرض کر لیا جاوے جس نے
جناب عایشہ اور جناب فاطمہ کے ناول اسی رنگ سے لکھے جسے آپ نے
اختیار فرمایا ہے اور کوئی شخص ان واقعات کو اُسکے ناول کے صحیح فرض
کر کے یو جواب لکھے کہ عبدالعلیم کی ماں کا نکاح اُس کے باپ عبدالحکیم سے ہوا
جس سے عبدالعلیم کی ولادت باسعادت ہوئی یہ ایک صحیح واقعہ ہے اور نکاح
کے قبل اتفاقاً عبدالعلیم کی والدہ کے حسن جہاں سوز پر اُسکے باپ عبدالحکیم
کی نگاہ پڑی اور اُس آشوب زمانہ نے بھی اپنے دلدادہ عاشق زار کو ایک ترچھی
نظر سے دیکھا جس تیر نگاہ کے پڑتے ہی عبدالحکیم بسمل ہو گیا اور کہتا تھا۔

دی گزشت از نظرم چشم سیاہے عجبے ⁘ از نگاہے عجبے کرد و مژہ آبے عجبے
ملک دل کرد خراب از مدد لشکر ناز ⁘ پادشاہے عجبے بود سپاہے عجبے

اور نسبت ایک دلّالہ یا مشاطہ کے ذریعہ سے قرار پائی نکاح کے بعد جب رسوم شادی ادا
ہونے لگیں تو عبد الحکیم کو عبد العلیم کی ماں کا وہ ماہ وش چہرہ دکھایا گیا جسکے جلوۂ [illegible]
آرائے اسکو اسیوقت شربت وصال کے لئے بیقرار کردیا اسکے بعد اس پری پیکر
لیلےٰ ادا کے وصال کو اسی زہر عشق اور رد اسوخت قلق اور آپکے ناول کے پیرایہ میں
لکھے تو آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ گو واقعات صحیح ہیں لیکن کیا عبد الحکیم کو ناگوار نہ ہوگا
میرے خیال میں وہ ایسے ناول نگار کا دشمن جانی بن جاویگا اور اگر اسکو یہ ناول ناگوار
نہ ہوگا اور اسکو دل سے پسند کریگا تو میں اور ہر عاقل اسکو فطرۃ انسانیہ سے مسلخ
سمجھیگا اور اگر دل سے ناگوار ہوگا لیکن زبان سے اسکی پسندیدگی کا اقرار کرتا
جاویگا تو لامحالہ عاقل اسکو منکر اولیات و بدیہیات اور سوفسطائی سمجھیگا ایسے
ناول نویس اور اسکے زبانی اقوال کا جواب بدون اس طریقہ کے اور کیونکر دیا
جاسکتا ہے۔ شیخ الرئیس نے بھی شفاء میں فرمایا ہے کہ واما المتعنت
فینبغی ان یکلف شروع النار اذ النار واللانار واحد وان یولم ضربا
اذ الوجع واللاوجع واحد فھذا المبدأ الذی سائر من یکذب به
ھو اول مبادی البراھین تنفع وعلی الفیلسوف الاول ان یذب
عنہ انتھی یہ طریقہ جواب کا جناب شیخ الرئیس کے افادہ سے مستفاد ہے
اب اس سے قطع نظر فرمایئے اور آپ حضرت ملکہ معظمہ یا لارڈ سالسبری یا مسٹر
گلیڈ اسٹون کی شادیوں کے ناول اگر اسی رنگ سے لکھکر نشر کیجیے تو کیا آپکی یہ
آزادی قابل عفو سمجھی جاویگی اور آپکی جان عزیز جو مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے
خدانخواستہ سیاست قانونی اور قہر سلطانی کی شکار ہو جاویگی اور وہ لوگ آپکی اس آزادی
کو جائز رکھیں گے ہرگز نہیں۔
پھر جب آپ خود اپنے ابنائے جنس حتیٰ نصاریٰ کیلئے ایسی ناول نویسی جائز نہیں سمجھتے

تو آپکا اسلام خاندان رسالت کی نسبت ایسی ناول نویسی اور ایسی بے ادبی کی اجازت کس طرح دیتا ہے۔ مجھے تو آپکی رائے پر سخت حیرت ہے۔

میں اسکو تسلیم کرتا ہوں کہ یورپ کے خیالات درسم و رواج کے مطابق یہ ناول آپکا مقبولیت کا مرتبہ رکھے گا لیکن صرف اس خیال سے کہ ایشیائی خیالات درسم ورواج کیموافق آپکے اس ناول سے انکی سخت توہین ہوگی وہ لوگ کبھی آپکی ناول نویسی پر خاموش نہ رہینگے اور اس مقام کو کچھ مناسبت ذکر اسما وحالات مستورات دعورات سے مطالدی احادیث وکتب انساب مین نہیں ہے اسلئے کہ نہ وہ عاشقانہ حالات ہیں نہ پیرایۂ عاشقانہ ہے لہذا یہ قیاس صورت قیاس مع الفارق میں ہوگا۔ باوجود اس آزادی کے مسٹر رینالڈز آف دی کورٹ آف لنڈن کی اشاعت ایک زمانہ دراز تک انگریزوں نے بند کردی تھی اور اس کا مصنف مبتلائے شکنجۂ عذاب ہوا تھا لیکن آپکی آزادی کا طول وعرض تو غیر متناہی معلوم ہوتا ہے جسپر مجھے اور آپ کے ہر دوست کو سخت افسوس کرنا پڑیگا۔

اب میں آپ سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کلیہ مشہور ہے کہ "درایۃ خیر من الف روایۃ" آپنے اسپر مطلق لحاظ نہیں فرمایا یہ یقین فرمائیے کہ میں آپ سے مناظرہ ومطارحہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ مخلصانہ عنوان سے اپنے خیالات کو ظاہر کرتا ہوں اگر آپ قبول فرمالیں گے تو ممنون آشنا پرستی ہوں گا والا میں خود ہی اپنے تئیں علم دہر کے کوچہ سے ناآشنا سمجھتا ہوں۔ میں اس ناول کے ماخذ سے قطع نظر کرتا ہوں اور اسکے روات کی حقیقت اور وقعت پر اس وقت بحث نہیں کرتا لیکن آپ کو ذرا یہ غور فرمانا چاہئے تھا کہ بڑے بڑے دفتر احادیث کے جب ناقدین کے نزدیک موضوع قرار پاچکے ہیں تو ایسے قصص اور حکایات کا کیا اعتبار ہے جس پر آثار وضع ظاہر ہیں بڑے بڑے مشہور مورخین کے کتب اقوال پایۂ اعتبار سے عند التحقیق ساقط کردیئے گئے ہیں تو بھلا ایسے مجاہیل اور اباطیل قصص پر کون عاقل توجہ کرسکتا ہے۔ مجمع البحار میں امام نسائی کا قول منقول ہے کہ الکذابون المعروفون بالوضع اربعۃ ابن ابی یحیی بالمدینۃ والواقدی بالشام ومقاتل وضع

الجویباری وابن عکاشہ ومحمد بن تمیم الفاریابی اکثر من عشرۃ الاف۔ حالانکہ واقدی وہ
شخص ہے جسکی نسبت شرح شفا میں ہے کہ محمد بن عمر الواقدی قاضی العراق اخذوا عنہ
العلم علے ضعفہ بل اجمعوا علیہ اخرج لہ ابن ماجہ واقدی کی شہرت سے فن تاریخ میں کون شخص
واقف نہیں ہے فی المقاصد قال احمد ثلث لیس لہا اصول المغازی والملاحم والتفسیر الخطیب ہو
محمول علی کتب مخصوصۃ فی ہذہ المعانی الثلاثۃ غیر معتمد علیہا لعدم عدالۃ ناقلیہا و زیادۃ القصاص
فیہا من اشہرہا کتابان للکلبی ومقاتل بن سلیمان واما المغازی فمن اشہرہا مغازی محمد ابن
اسحاق وکان یاخذ من اہل الکتاب وقال الشافعی کتب الواقدی کذب انتہی۔ اب اور سنئے
فی جامع البیان لمعین بن صفی قد یذکر محی السنۃ البغوی فی تفسیرہ من المعانی والحکایات ما اتفقت
کلمۃ المتاخرین علی ضعفہ بل علی وضعہ انتہے۔ فضائل سور قرآنی تک کی اکثر احادیث موضوع قرار
دیگئی ہیں حاشیہ محقق شریف تفسیر کشاف پر ملاحظہ ہو۔ قال قول بعض المحدثین ان من الموضوع
الاحادیث المرویۃ عن ابی بن کعب فی فضائل السور اراد بہ اکثرہا قال الصغانی وضعہا رجل من
العابدین واعتذر بان الناس لما اشتغلوا بالاشعار وفقہ ابی حنیفۃ وغیر ذالک ونبذوا القرآن و
راء ظہورہم اردت ان ارغبہم فیہ انتہے۔ آپ کو ایسے حکایات کی لغویت اور کذب کا خود ہی یقین ہو
جاتا اگر یہ سوچئے کہ یہ قصص فی نفسہ ایسی بیہودگیوں پر مشتمل ہیں جن پر احتمال بھی صدق کا نہیں
ہوسکتا اس قصہ میں حضرت سکینہ کا اپنی حسن وجمال میں جناب عائشہ بنت طلحہ سے دھوم دھام سے مفاخرت
ومقابلہ کرنا منظور رہا اور پھر عمر بن ربیعہ کو حکم قرار دینا اور اسکے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کرنا کسقدر لغو ہے
کیا کسی مسلمان کی عقل باور کرسکتی ہے کہ پردگیان دودمان نبوت اسقدر بیباک بیحجاب بیشرم تھیں نعوذ باللہ
کہ ایک اجنبی مرد کے سامنے اپنی حسن وجمال کا فیصلہ کرانے کیلئے نکل آئیں عرب کی کوئی بازاری عورت اسقدر بیباک
نہیں ہوسکتی بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ لندن کی بھی کوئی شریف زادی ایسی بیشرمی پر اس آزادی کے زمانہ
میں جرأت نہ کریگی اسلئے کہ میرے ڈاکٹر احمد مرزا صاحب جو آپسے بہت زیادہ لندن میں رہے ہیں اور وہاں کے
ہر طبقہ کی طرز معاشرت سے بہ نسبت آپکے ہزار درجہ زیادہ واقف ہیں سنا ہے کہ لندن کی متوسط الحال شریف
خاندان کی عورتیں نہایت حیادار ہوتی ہیں اور کبھی کسی اجنبی سے ملاقات نہیں کرتیں نہ عام طور پر
تماشوں اور میلوں میں شریک ہوتیں نہ کسی اجنبی کے ساتھ سوا اپنے محارم کے

گھر سے قدم باہر نکالتی ہیں۔ پھر بنا بہ لونڈی والاقفقہ کس قدر ناپاک ہو کہ صرف ایک لونڈی کے اشارہ پر باوصف اس شدت انکار نکاح کے فوری اقرار کرلیا بھلا کسی کی عقل ایک لمحہ کیلئے اس طرف جا سکتی ہے کہ ایک لونڈی کے اشارہ پر عظیم الشان نکاح کا دارومدار قرار دیا جائے اور ایسی جلیل الشان بی بی اپنے کسی عزیز بنی ہاشم سے اس بارہ میں مشورہ تک نہ کرے پھر ایک فریبانہ حرکت سے تمام بنی ہاشم اور بنی زہرہ میں جوتی اور لٹھ چلوا دیا۔ جس جنگ میں سو آدمیوں کے سر ٹوٹ جاویں اور خود اُس کا تماشہ دیکھنا اور اپنی چالاکی پر آپ ہی فخر کرنا یہ کسی مہذب شریف خاندان کی عورت کا کام ہے استغفر اللہ یہ وہ نالایق حرکت ہے جس سے بازاری معزز عورتیں بھی ہزار بار استغفار کریں گی ڈر ہے میں اشعب کی نسل مدینہ کے ہر گھر میں موجود ہے اس سے زیادہ اور کیا غلط خبر ہو سکتی ہے۔

یہ حکایات مثل داستان امیر حمزہ دشمنان اہلبیت نے حکام وقت کے خوش کرنے کے لئے بنائی تھیں۔ زمانہ قدیم میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہ تھی اخطل شاعر دربار یزید کا اہل بیت رسالت کی ہجو کرنے میں نہایت جری تھا۔ بن جہم جناب امیرؑ کی ہجو کرنے میں مشہور آفاق تھا۔ سریسی شرح مقامات میں لکھا ہے۔ بن الجہم کان

ھجاء لعلی بن ابیطالب وسمعہ یوما ابوالحینا لیطعن علی علیؑ فقال انا ادری لم تطعن علی علی امیر المومنین قال اتعنی قصہ بیعہ اھلی قال انت اوضع من ذالک ولکنہ لانہ قتل الفاعل قوم لوط وانت استملھما وقال البحتری فیہ ؎

اذا ما حصلت علیا قریش			فلا فی العبرات ولا النفیر
ولو اعطاک ربک ما تمنی			لزاد الخلق فی عظم الایور
علام ھجوت مجتھدا علیا			بما لفقت من کذب وزور
اما لک فی استک الوھاء شغل			یکف اذاک عن اھل القبور

جھوٹی حدیثوں کے وضع کرنیوالے قدیم زمانہ میں اس کثرت سے تھے کہ اُن کا احصا مشکل ہے اُن کے اغراض بھی مختلف تھے کسی کا یہ ارادہ ہوتا تھا کہ شریعت میں فساد ڈالے کم سے کم شک پیدا کرے یا شرع کے ساتھ ایک تمسخر کرے کسیکا یہ ارادہ ہوتا تھا کہ بادشاہوں کا تقرب حاصل کرے۔ چنانچہ خلاصہ میں ہے ومنھم زنادقۃ وضعوا قصد الی الفساد فی الشریعۃ وایقاع الشک والتلاعب بالدین وقال احمد بن زید وضعت الزنادقۃ اربعۃ الاف حدیث ومنھم من قصد التقرب الی السلطان ومنھم القصاص لانھم یریدون لحادیث ترقق وتنفق انتھی ملخصاً۔ خود جناب ختمی مآب فرماتے تھے کہ لقد کثرت علی الکذابۃ دور کیوں جائیے اس تہذیب و ترقی عالم انسانیت کے زمانہ میں اکاذیب و افترا کا طوفان کس زور شور سے چل رہا ہے روئٹر کے تاروں کو ملاحظہ فرمائیے کہ اُس نے فتنہ ارمینیہ میں کیا کیا مضامین تراشے ہیں اعلیحضرت سلطان پر انگریزی اخباروں نے کیا کیا افترا کئے ہیں یہاں تک کہ انکو سکمین تمام دنیا نے تسلیم کر لیا تھا اور ہم لوگ تو ان اخباروں کی بنا پر انکو چراغ سحری سمجھے ہوئے تھے۔ مسٹر گلیڈ اسٹون نے کیا کچھ دشنام حضرت سلطان کو انسانی ہمدردی کے پردہ میں نہ دیئے انگریزی اخباروں نے کیا دقیقہ گالیوں کا انکے لئے فرو گذاشت کیا اس مادہ میں میرے چند درچند آرٹکل قابل ملاحظہ ہیں۔ دیگر دیسی اخباروں نے خصوصاً حبل المتین کلکتہ نے بھی نہایت لیاقت اور لطافت سے جواب لکھے ہیں آپ ہی گلیڈ اسٹون صاحب ہیں کہ سرحدی وحشی جب ہمدردی قومی کے جوش میں فوج انگریزی سے برسر مقابلہ آتے ہیں تو فوج انگریزی انکے صدہا گاؤں جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے ہزاروں کی جانیں تلف کرتی ہے اور ذرا رحم نہیں کرتی لیکن مسٹر گلیڈ اسٹون ہیں کہ ہمدردی نوع انسانی کا سبق ہی بھول گئے۔ وہی ہمدردی قومی مسٹر گلیڈ اسٹون کیلئے عرش عزت و ترفع ہے اور سرحدی وحشیوں کیلئے جہنم ذلت اور بغاوت ہے مظلوم دکن نے کیا کیا گالیاں حضور بندگان عالی اور دیگر امراے حیدرآباد کو دی ہیں یہ تو وہ زمانہ ہے کہ ان لوگوں کے قبضہ اقتدار میں ایک عظیم الشان سلطنت

حاضر ہے پھر قیاس کر لیجئے کہ جن بیکسوں کے وارثین تین دن کے بھوکے پیاسے قتل کر
گئے ہوں اور وہ مقید ہو کر دربار یزید میں بکمال ذلت وخواری لائی گئی ہوں سلطنت
اُس قوم کے ہاتھ میں ہو جو اُنکی بقیہ اولاد واحفاد کی خونریزی کو اپنا فرض سمجھتے ہوں اُ
توہین وتذلیل وتفضیح کے درپے ہوں اُنکی نسبت ہزار ہا بد معاشوں کے ہزار ہا اتہام ا
بہتانوں کی کیا کمی ہو سکتی ہے وہ بھی ایک زمانہ دراز کے بعد قصہ گو ہرزہ سرا عقبی فروش جب
احادیث وضع کرنے میں ذرا نہ جھجکتے تھے تو ایسی کہانیوں کے تصنیف کرنے میں اُنکو
باک ہو سکتا تھا۔

لیکن آپنے بعد مدت دراز کے اس سنت قدیم کو عجب انداز سے اس زمانہ میں زند
ہے جسمیں اگر آپ کو موجد کہیں تو بجا ہے آپ نے تو وہ ملمع ان ہفوات اور اکاذیب
اپنی رنگینی قلم سے چڑھایا ہے کہ اصل کو بھی اُسکے سامنے شرما دیا ہے تمام اہل اسلا
ہند وترکستان وعجم محبت وتعظیم خاندان رسالت کو جزو ایمان رسالت اعتقاد کرتے ہیں
یہاں تک کہ امام شافعی درود محمد وآل محمد پر نماز میں واجب جانتے ہیں چنانچہ امام ر
تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ هذا دلیل علی مذهب الشافعی لان الامر للوجوب فیجب
الصلوٰة علی النبی ولا یجب فی غیر التشهد فیجب فی التشهد المسئلة الثالثه
سئل النبی کیف نصلی علیک یا رسول الله ۔ فقال قولوا اللّٰهم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم وبارک علی محمد و
علی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید
انتہٰی اسلئے ایسی روایات اگر دفاتر قصص عرب میں مذکور بھی ہوں تو بھی آر
نصاریٰ کیلئے سند نہیں ہو سکتیں اسلئے کہ اصول اسلام محبت دودمان رسالت کے
خلاف ہیں حقیقت میں آپ نے یا تو میرے خط کو پڑھا نہیں یا سمجھا نہیں یہ بتا
اپنے خط میں کہاں لکھا ہے کہ جناب سکینہ میری اور جناب عائشہ آپکی ہیں ۔ میں
تو یہ لکھا تھا کہ کوئی جاہل آپ کے مقابلہ میں حضرت ام المومنین عائشہ کا ناول
شروع کرے تو کیسا فتنہ برپا ہوگا کیا کوئی عاقل اس فقرہ سے یہی

سکتا ہے کہ میں حضرت سکینہ کو اپنا اور جناب عائشہ کو آپ کا سمجھتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ غصہ میں عنانِ اختیار و فہم و ادراک آپ کے ہاتھ سے بالکل چھوٹ گئی ہے۔

میں آپکو اس کے قبل سُنّی جانتا تھا اور اب بھی اس اعتقاد پر قائم رہنا چاہتا ہوں لیکن مجبوری یہ ہے کہ آپ ہی میرے اس اعتقاد کے سدراہ ہوتے ہیں میں تو یہ مکرر لکھ چکا ہوں کہ کوئی مسلمان مطلقاً توہین خاندان رسالت منظور نہ کریگا بلکہ حمیت اسلامی کبھی اسکو اس وہم پر بھی آمادہ نہیں کر سکتی لیکن آپنے اس حمیت سے کوئی حصہ نہیں لیا اور کوئی دقیقہ اُنکے تحقیر و توہین کا فروگذاشت نہیں فرمایا مسلمانوں کے خیال میں وا لا آپ کے نزدیک شاید ابھی اور مراتب اس توہین کے باقی ہیں جسکو آپ آئندہ اپنے صحیفہ میں ثبت فرما دیں گے اس وجہ سے مجھے تامّل ہے کہ میں آپ کو سُنّی سمجھوں یا نہیں؟ میری عقل اس مسئلہ میں متحیر ہے لیکن اگر آپ اپنی غلطی کا اعتراف کرینگے تو بیشک میں آپ کو ایک لائق مسلمان سُنّی المذہب سمجھونگا۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ نے سخت نا ملایم بحث سُنّی و شیعہ کی اس مقام پر چھیڑی ہے۔ میں نے اپنی تحریر میں کہیں اختلاف کا نام بھی نہیں لیا تھا میں اس تذکرہ کو تحریراً و تقریراً نہایت خلاف تہذیب سمجھتا ہوں آیندہ سے آپ مجھے اس تذکرہ سے معاف فرمائیگا میں یہ لکھ چکا ہوں کہ میری رائے دونوں میں اتحاد پیدا کرنے کی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ میری تحریر کو اچھی طرح پڑھتے ہیں نہ اُسکے مطالب پر غور کرتے ہیں بلکہ ناحق مسلمانوں کے لڑانے کی فکر فرما رہے ہیں۔

میں آپ کی دعا سے تحریر و تقریر کی نباضی میں کیسقدر دخل رکھتا ہوں۔ اب آپ نے یہ پہلو اختیار کرنا چاہا ہے کہ اپنے اس ناول کے عیوب کو طوفان بے تمیزی بحث سُنّی و شیعہ کے تلاطم میں چھپا دیں حالانکہ میں آپ کے اس نکتہ کو ابھی سے سمجھا ہوا ہوں۔ آپ جانتے ہیں ع عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔ مجھے تو آپ لکھنؤ سے جانتے ہیں مجھے سُنّیوں سے بیحد اُلفت ہے بساط و لبسیط علم و دانش سے اگر کوئی ذرہ میسر ہاتھ آیا ہے تو وہ سُنّیوں کی بدولت ہے حضرت اُستاد علامہ مولانا محمد عبد الحی صاحب قدس سرہ کے اشفاق بے نہایت کا اثر ہے کہ میں دو چار حرف لکھ پڑھ لیا ہوں

اب رہی دنیاوی عزت وہ اس ریاست میں مجھے قدر شناسی جناب نواب قارالامرا
سے حاصل ہے پھر فرمایئے کہ میں کیونکر سنیوں کا قلادہ احسان اپنی گردن سے اُتار سکتا ہوں
اور میرا دل کیونکر اُنکی محبت سے خالی ہو سکتا ہے آخر میں سید ہوں اور شریف خاندان کا
آدمی ہوں میرے دوستوں میں جنسے مجھ سے بہت گرمجوشی حد سے زیادہ بے تکلفی ہے
اور بلکہ یوں کہیے کہ لطف زندگانی اُن کے دم سے وابستہ ہے وہ اکثر سُنّی ہیں لیکن آپمیں
شیر وشکر ہیں اختلاف مذہب کا کسی کو خیال تک نہیں ہے۔ ایسی صورت میں بھلا یہ ممکن ہے کہ
میں آپ کے نکتوں کو نہ سمجھوں اور سُنیوں سے اُلجھکر محسن کش مشہور ہوں اور حظ زندگانی اور
معاشرت کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھوں ملکی مصالح جو اتحاد فریقین اسلام میں ہیں وہ
اُس کے علاوہ ہیں اور میں حتی الوسع اُس کا سخت پابند ہوں اسیوجہ سے میں
آپ کے ناول پر اصلی طریقہ سے جرح و قدح کرنا پسند نہیں کرتا مجھے کسیطرح یہ منظور
نہیں ہے کہ آپ سے رنجش بے لطفی کی نوبت پہنچے آپ پہلے ہی مرحلہ میں لڑائی پر آمادہ ہوگئے
اور خلاف تہذیب الفاظ استعمال کرنے لگے اور یہ ذرا نہ دیکھا کہ آپ کے دوست کا خطاب ہے
یا دشمن کا اور کیا لکھ رہا ہے میں ہرگز آپ سے مناظرہ کا مقصد نہیں رکھتا بلکہ مناصحہ دوستانہ
کا حق رکھتا ہوں اگر آپ میری نہ سنیں گے تو بالآخر خاموش ہو جاؤں گا لیکن خدا سے عرض
کروں گا کہ ربّ انی دعوت قومی لیلا و نهارا فلم یزدهم دعائی الا فرارا ۔ آپ کا یہ دعویٰ
کہ مجھے جناب ام المومنین عائشہ سے بھی ویسی ہی محبت ہے جیسی حضرت سکینہ سے ہے
میں تسلیم کر لیتا ہوں لیکن بحث نوع محبت میں ہے اگر آپ کو جناب عائشہ سے اسی نوع
کی محبت ہے جیسی اُن لوگوں کو تھی جنھوں نے عہد جناب رسالتماب میں یہ ارادہ کر لیا
تھا کہ بعد انقضائے ایام حیات جناب خاتمؐ اُن سے نکاح کرینگے تا اینکہ آیہ قرانیہ ولا
تنکحوا ازواجہ نازل ہوا تو آپ کی ایسی محبت سے ہم مسلمان تو سخت بیزار ہیں اور اگر اس نوع
کی محبت ہے جو لڑکوں کو اپنی ماؤں سے ہوتی ہے یعنی ازواج نبی کی امہات ہونیکی حیثیت
سے جسے محبت تعظیمی سے بھی تعبیر کرتے ہیں تو بظاہر ایسی محبت آپکو حضرت سکینہ سے نہیں ہے
اسلیئے کہ کوئی شخص دنیا میں آپکی ریختی و بے باکی سے اپنی ماں یا بہن یا خواتین واجب الاحترام

کا ناول لکھنا بشرط صحت عقل و ثبات حواس ہرگز گوارا نہ کریگا۔

آپ نے بڑے زور شور سے اپنی آزادی خیال کا دعویٰ فرمایا ہے میں تو اس دعویٰ کو آپ کے ہرگز تسلیم نہ کرونگا جبتک آپ جناب عایشہ یا جناب فاطمہ کا ناول اسی آب و تاب سے لکھکر حضور اعلیحضرت یا مدارالمہام یا حضرت سلطان روم خلد اللہ سلطانہ کے سامنے پیش نہ کریں اور آپ کے بے تقیہ ہونے کو بھی جبھی مانونگا تقیہ کی بحث میں بھی آپنے وہی نازیبا تعریض کی ہے جس کا کوئی محل نہ تھا اور حقیقتہً تقیہ تو سب ہی کرتے ہیں مسٹر گلیڈاسٹون لارڈ سالسبری زار روس شہنشاہ جرمن شاہ ایران حضرت سلطان روم سبھی اپنے اپنے موقع پر اپنے اپنے مقابل کے سامنے تقیہ کرتے ہیں اور اپنی رائے و خیال کے خلاف تحریر و تقریر کرتے ہیں جس کو حکمت عملی یا مصلحت وقت یا پولٹیکل سے تعبیر کرتے ہیں اسیکو ایک زبان یا اصلاح میں تقیہ کہتے ہیں بھلا ہماری اور آپکی تو کیا حقیقت ہے سعدی نے بھی فرمایا ہے کہ " دروغ مصلحت آمیز به از راستی فتنہ انگیز" ہر شخص متمدن جب اپنے شبانہ روزی حالات زندگانی پر غور کرے گا تو وہ یقین کرے گا کہ الّا ان تتقوا منہم تقاۃ سے اکثر مواقع پر محفوظ نہیں رہ سکتا اسیواسطے امام رازی نے تفسیر کبیر میں تقیہ فی المال کو بھی واجب فرمایا ہے۔ اب ذرہ ملاحظہ فرمائیے کہ طیبی شرح مشکوۃ میں ہے منہ ذکر الدجال انذار کموہ لیس خوفہ صلی اللہ علیہ من قبل شبہۃ تلحق المومنین العارفین باللہ و صفاتہ فانہم لا یعتریہم شبہۃ بل لان خروجہ یکون فی زمان شدید و عسر احوال و یستولی علی معاشیہم و اموالہم فیمکن ان یتبعہ اقوام بابدانہم والسنتہم و یکذبونہ بقلوبہم و یحسبون انہ رخصۃ کما فی غیرہ فیصرف اللہ قلوبہم ولم یقبل ایمانہم القلبی اذ لم یرخص فی الدجال بہ کما جاز فی غیرہ

لہ نہایۃ ابن اثیر لغۃ تقاۃ دیکھیے کہ منہ حدیث وصل للسیف من تقیہ قال نعم تقیۃ علی اقذاء و ہدنۃ علی دخن التقیہ والتقاۃ بمعنی یرید انہم یتقون بعضہم بعضا و یظہرون الصلح والاتفاق و باطنہم بخلاف ذلک انتہی کلامہ اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت تقیہ کا درکار ہے فافہم ۱۲ منہ

یہ بالکل صحیح ہے کہ آپ کے خیالات پر نہ حضور پہرہ بٹھلا سکتے ہیں نہ مدارالمہام بلکہ اعلیحضرت سلطان اور شہنشاہ جرمن اور قیصرۂ ہند کے پاس بھی کوئی ایسا پہرہ نہیں ہے جس کا کچھ بھی اثر آپ کے صرف دماغی خیالات پر پڑسکے اور اُس کو ہر قسم کے ہیجان سے روک سکے فرض کیا جاوے کہ آپ اگر جناب رسالتمآب کو ہزارہا گالیاں اپنے خیال میں دیتے ہوں یا خود اپنے تئیں خاتم المرسلین سمجھتے ہوں یا تمام سادات کے قتل کا ارادہ رکھتے ہوں یا اپنے تئیں شکسپیر یا ملٹن یا ناسخ و غالب خیال کرتے ہوں تو واقعاً حضور یا مدارالمہام آپ کے خیالات پر کوئی پہرہ نہیں بٹھا سکتے لیکن آپ نے اپنی تخصیص ناحق کی ہے کسی فرد بشر کے خیالات پر جب تک صرف اُسکے ظرف دماغ میں ہیں چاہے وہ کسی درجہ کا ہو کوئی شخص پہرہ نہیں بٹھا سکتا۔

یورپ اور امریکا تک خیالات کا پہونچا دینا اس زمانہ میں کوئی کمال کی بات نہیں ہے سلسلہ ڈاک یہاں سے وہاں تک برابر جاری ہے آپ کو کسی قسم کی قوت سے اس مادہ میں کام لینے کی ضرورت نہیں ہے صرف سرکار انگریزی کی قوت انتظامی سے استمداد کافی ہے لیکن بحث اسمیں ہے کہ آپ کے خیالات وہاں کس معیار پر رکھے جا سکتے ہیں۔ میری خواہش تو یہی ہے کہ وہاں بھی آپ کے پُرزور مضامین کی وقعت ہو اور ملکی معاملات پر آپکی رائے سے کوئی معتدبہ فائدہ حاصل ہو۔

مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ دنیا میں آپ کی داد دینے والوں کی کمی نہیں ہے دنیا عجب جام عجائب ہے جسمیں ہزار در ہزار رنگ نظر آتے ہیں دنیا میں ایسے لوگ بھی ہزارہا ہیں جو طوطا کہانی اور قصہ چہار درویش اور طلسم ہوشربا وغیرہ کی بڑے ذوق شوق سے داد دیتے ہیں اور ہزارہا جلدیں اُنکی خریدتے ہیں لیکن کیا اس سے لازم آتا ہے کہ ان کتب یا اُنکے مصنفین کو حقیقت میں کوئی فخر حاصل ہو بلکہ اگر کوئی یہاں منطق الشفا چھاپ دے تو اس کی اشاعت بہ نسبت آپ کے پرچۂ دلخراش کے عشر عشیر بھی نہ ہوگی جو لوگ آپ کی داد دیتے ہیں یہ دیکھیے کہ وہ کس طبقہ کے ہیں (کہیں سخن ناشناس تو نہیں ہے) اور کس نیت سے (کہیں تیاری کا رنگ تو نہیں ہے)

داد دیتے ہیں داد تو میں بھی آپکی اردو کی تحریر اور بعض مضامین کی دیتا ہوں لیکن میں اُن لوگوں میں نہیں ہوں کہ آپ کی ہر رائے و ہر مضمون پر داد دوں اگرچہ وہ داد دینے کے قابل نہ ہو اور آپ کو بحر العلوم یا غالب کہکر مغرور بنا تا جاؤں میں خدا نخواستہ آپ کا دشمن نہیں ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ مجھے آپکی اس تحریر کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بو علی بن سینا اور فارابی پر خدا بخش کھٹیارے یا کلو نان بائی یا گردھاری چمار نے اعتراض کر دیا ہے اور وہ دونوں حکیم اپنی عظمت و شان کے خیال سے دفعتہً اس قدر بگڑ گئے ہیں کہ جامہ سے باہر ہو گئے ہیں اسکو ہمیشہ خیال کرنا چاہیے کہ ؎

اُفتادگی برآورد از خاک دانہ را

گردن کشی بخاک نشاند نشانہ را

حیدر آباد میں اب لوگ جو چاہیں سمجھیں لیکن آپ اپنے مبلغ استعداد سے علوم عربیہ (علوم قدیمہ) و انگریزیہ (علوم جدیدہ) میں واقف ہیں آپ کے احباب بھی اچھی طرح مطلع ہیں دفعتہً آپ نے اپنے تئیں اس عرش تبحر اور تحقیقات پر متمکن سمجھ لیا کہ کسی اعتراض کا نام لیا وہ بھی بطرز دوستانہ اور آپ نے اکسوڈانٹ بتائی بلکہ جو کچھ جی میں آیا سُنانے لگے کہ میں کسی کی کیا حقیقت سمجھتا ہوں میں وہ ہوں جسکی تحریر و تقریر کی دھوم آج لندن کے اکسفورڈ اور کیمبرج اور امریکا کے دار العلوم میں ہے میری تحقیقات سے آج یورپ مستفید ہے۔ مجھے بحر العلوم اور حریری وقت یا سعدی روزگار یا شیکسپیر عصر پر ہندی وہ بھی مسلمان حمقا اور جہلا اعتراض کریں کیا اندھیر ہے؟ اگر آپ کہئے تو میں بھی بازاریوں کیطرح آپکو وحید عصر اور بدیع ہمدانی سمجھوں اور آپ کو خوش کر دوں لیکن میرا یہ شیوہ نہیں ہے میں لکھ چکا ہوں کہ میں آپکا دوست نادان نہیں ہوں۔

آپ نے اُس نوکری سے اپنی بے پروائی ظاہر کرکے بدلالت التزامی اہلی یا ابلی آبائی ثروت و امارت کو یاد کرانا چاہا ہے۔ اگر کسی کے ذاتی اور خاندانی حالات سابقہ

ولاحقہ کا کشف کرنا خلاف تہذیب اور خلاف شیوۂ مروت نہ ہوتا تو میں کچھ عرض کرتا لیکن زبان
بکام خموشی کشیم و دم نہ زنیم۔

یہ فقرہ آپ کا شاید کسی معنی سے صحیح ہوگا کہ آپ نے اپنے کو فلاں اور فلاں کے ہاتھ نہیں
بیچا ہے مگر مطلقاً تو قابل تسلیم نہیں ہے اسلئے کہ جب آپ نے نوکری سرکار نظام کی بکمال ہو
کد و رغبت و طلب اختیار کرلی ہے تو یہ ظاہر ہے کہ اب فلاں و فلاں کے بعض افعال
اور کارروائیوں پر جو فی الواقع یا آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہیں اپنی رائے علانیہ
ظاہر نہیں کرسکتے ملازمان سرکار انگریزی کا بھی یہی حال ہے کہ گورنمنٹ کے خلاف
میں نہ کوئی مضمون شایع کرسکتے نہ آزادی سے رائے ظاہر کرسکتے اگرچہ وہ اُس کی
کارروائیوں کو کلاً یا جزاً قابل اعتراض سمجھتے ہیں یہ وہ تقیہ ہے جس پر روزانہ عملدرآمد
آپ کا اور ہزارہا آدمیوں کا ہے اور حقیقت میں اُس سے انکار کرنا راستی کے روز روشن
پر خاک ڈالنا ہے آپ اور ہر ملازم جب اپنے نفس کیطرف ایک لحہ کیلئے رجوع کرے گا
یہ یقین کریگا کہ یہی تعلق ملازمت اُسکی آزادی سے اظہار رائے کیلئے قید زنجیر آہنی
سے زیادہ سخت ہے اچھا ایک چھوٹا سا امتحان آپکی آزادی کا ہے کہ آپ مسٹر پلوڈن
صاحب رزیڈنٹ کی خدمت میں حاضر ہوکر بکمال آزادی اُنکی ان کارروائیوں پر
جو کشمیر اور حیدرآباد سے متعلق ہیں نکتہ چینی کرائیے یا یہ نہ سہی بالفعل اسی حد کے دعوے
آزادی سے اُسکو تحریر کرکے شایع کردیجیے تو میں سمجھونگا کہ آپکے کانشنس میں کسی
حدتک قوت ہے اور آپ دعویٰ آزادی کا کسی حد تک ثبوت دیسکتے ہیں سرور جنگ نے
بعد مجبور المملازمت ہونیکے اپنے طویل آرٹیکل کو شایع کرایا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ میں بھی لکھنؤ میں تعلیم پاچکا ہوں گو کچھ نہ آیا ہو لیکن بھلا ایسے زبانی
دعوؤں کی بھبکیوں میں کب آتا ہوں۔

اچھا اس سے بھی قطع نظر کیجاتی ہے کہ آپ ملازم ہیں تب بھی آپ آزاد مطلق نہیں
ہیں۔ کیا اگر آپ جواز اجتماع النقیضین یا جواز کون شے واحد جوہراً و عرضاً یا عدم
التفرقہ بین الجوہر والجوہری والعرض والعرضی یا انکار راول الاوائل فی القضایا یا جواز امکان

بالغیر وغیرہ کی بڑے قائم کریں یا دو اور دو چار کے منکر ہو جاویں اور پانچ کہنے لگیں تو اور
آپ کے اکثر احباب ضرور آپکو ایسی آزادی سے روکیں گے اور ایسی آزادی آپکی جائز نہ
رکھینگے اور جب ہم لوگوں کے سمجھانے پر بھی آپ ایسے خرافات بگڑ بگڑ کر کہنے یا لکھنے شروع کرینگے
کہ میں کسیکا کچھ خیال نہیں کرتا مجھے تم لوگوں سے دنیاوی تعلق ہے میں نے اپنے
کانشنس اور آزادی کو تم لوگوں کے ہاتھ نہیں بیچا ہے ایک ذرہ برابر کسیکی پروا نہیں
کرتا تم لوگ کیوں مجھے سمجھاتے ہو میری رائے سے مجھے روکتے ہو میری آزادی میں
خلل ڈالتے ہو اور فلاں تو تو شیعہ ہی تیرے مذہب میں تقیہ جائز ہے یہ سخت عیب ہے
اور فلاں تو تو وہابی ہے امام اعظم کی توہین کرتا ہے۔ زیارت قبور اولیائے کرام کو ناجائز
سمجھتا ہے تم سب بھلا اس قابل ہو کہ مجھے آزاد کی آزادی میں خلل اندازی کرو وغیرہ وغیرہ
تو ضرور آپ کے احباب آخر میں بکمال حسرت و افسوس خاموش ہو جاوینگے اور اس
وقت آپ آزاد مطلق سمجھے جانے کے مستحق ہونگے۔

دھمکی دینے کا فقرہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سخت ہیجان اشتعال طبع کی حالت میں لکھ
ڈالا مجھ سا خیر خواہ آپ کو نیک نیتی سے عمدہ رائے دے اور آپ اُس کو دھمکی سمجھیں آپ
اور دھمکی اور مناصحۂ دوستانہ میں فرق نہ سمجھیں تو جی چاہتا ہے کہ گریبان پھاڑ کر چل بیٹھے
صحرا کے دامن میں۔ مجھے خود شرم آتی ہے کہ ان دونوں میں جو فرق ہے اُسکو مثال میں
سمجھاؤں۔ اب کئی روز گزر گئے غصہ کم ہو گیا ہوگا اور آپ خود سمجھ گئے ہونگے اسلیے
کسی کے سمجھانے کی بظاہر ضرورت بھی معلوم نہیں ہوتی۔

آپ نے یہ رائے مجھے کیا خوب دی ہے کہ میں بھی حضرت عائشہ کا ناول مثل آپ کے
لکھوں۔ میں تو ایسی ناسزا حرکت کبھی بھی نہ کروں گا۔ چاہے آپ کتنی ہی مجھے ترغیب دیں
مگر میں ہمیشہ بکمال ملاطفت آپ سے اس حکم کی تعمیل پر عذر ہی کرتا رہونگا یہ تو وہی
مثل ہوگی کہ ایک نہ شد دو شد اسلیے اس سے تو مجھے معاف فرمائیے دوسرے
میں بیچارا دیہاتی آدمی ناول لکھنے کیا جانوں مجھے اس سے کیا مناسبت ہے

لکل مقال رجال ولکل رجال مقال

یہ خیال آپ کا غلط ہے کہ میں دلگداز کی اعانت مطلقاً داخل معصیت سمجھتا ہوں
خریداری کے وجوہ و نیات مختلف ہیں جسکی وجہ سے جایز کی خریداری ناجایز اور
شے ناجایز کی جایز ہوجاتی ہے اس سے بحث بیفائدہ ہے اسکے علاوہ میں کب اپنے
تقدس کا مدعی ہوں کہ میرے تمام افعال مسطر شرع پر ہمیشہ کھچے رہتے ہیں ؎

صلاح حال کجا و من خراب کجا ٭ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

میں آپکی تحریر اردو کو پسند کرتا ہوں اور دل سے اسکی قدر کرتا ہوں لیکن اس سلسلہ
کے پرچوں کو میں بیشک ناپسند کرتا ہوں مگر میرے ہمداستان اس خیال میں
اور بہت سے مسلمان ہیں مجھ بدنصیب کی تخصیص نہیں ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ فن تاریخ اور فن قصص و حکایات پر ایک فلسفیانہ راے لکھتا
اور اس پر ایک مطول بحث کرتا جسمیں ابن خلدون کی بعض رایوں کی تردید ہوتی لیکن
جب آپ سے قدرشناس مجھ سے بگڑ جاتے ہیں تو پھر کیوں اور کس کے لیے ؎

باپردۂ گوشے نہ شود ساز خروشم ٭ در خاک برم حسرت فریاد رسی را

اب میں آخری مرتبہ آپ کو پھر دوستانہ راے دیتا ہوں کہ آپ اس قسم کے سلسلہ
تحریر کو قطعاً قطع فرمائیے اور دوسرا سلسلہ شروع کیجیے جسمیں بزرگان دین سے جو
علاقہ نہ ہو اپنی ہٹ اور ضد پر اصرار کرنا کوئی جوہر انسانیت نہیں ہے مجھے تو آپکی انصاف
پسندی سے یہ امید واثق تھی کہ آپ بمجرد میری تحریر اول کے ملاحظہ کے اپنی راے
سے رجوع فرما کر مجھے ممنون فرمادینگے اور اپنی حق پسندی کا کافی ثبوت دینگے لیکن
غصہ نے بنا ہوا کام بگاڑ دیا خیر آپ نہ باز آیئے اور اس سے زیادہ [illegible] اہل حرم سلطان
کیجیے لیکن اسے یقین فرمائیے کہ اگر میں کوئی سلسلہ کسی ناول کا آپ کے احباب یا اعزا
یا جدات کا شروع کرتا اور آپ مجھے اپنی دلشکنی یا شکر رنجی کا بھی اشارہ کرتے تو
میں فوری اس سلسلہ کو ترک کر دیتا اور بلکہ کل پرچہ جلا دیتا اگر اس اتلاف میں میرا
ہزارہا کا نقصان ہوجاتا تب بھی کچھ پروا نہ کرتا اب آپ کو اپنے احباب کے ساتھ
کیا سلوک کرنا چاہیے اس کا فیصلہ خود آپکی راے زریں و فہم متین پر چھوڑتا ہوں

اگر آپ اس سلسلہ کو جاری رکھینگے تو میں یہ سمجھونگا کہ لیس خالاً بالولی والودود کے سوت قوالاسلام اور پھر بھی آپ کی اداؤں پر صبر و شکر سے کام لونگا اور یہ کہوں گا کہ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی والسّلام

معدوم ہستی نما
سید مرتضیٰ

۲۲ ج ۱ ۱۳۱۵ ھ
حیدر آباد دکن
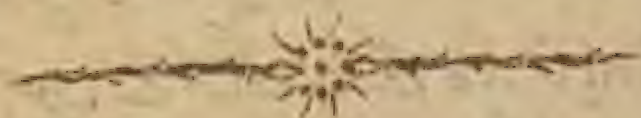
یہ تحریریں جس زمانہ میں ہو رہی تھیں اُسی زمانہ میں ایک مضمون اسکے متعلق رسالہ اصلاح میں بھی درج ہوا جسمیں حیدر آباد کے ایک اخبار کی بھی تحریر ہے۔ اور پھر اڈیٹر اصلاح کیطرف سے ایک مختصر نوٹ دیا گیا جو حسب ذیل ہے ۔ صفحہ ۳۲

نامۂ شکایت

۴ جنوری ۹۸ء
کرمی اڈیٹر صاحب

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

بارہ غازی پور
تسلیم

میرے دل میں اس وقت یہ ایک عجیب خیال پیدا ہوا کہ دنیا میں جس کو جس سے جس قدر محبت ہوتی ہے اُسی قدر اُس سے شکایت بھی [illegible] جب کبھی اپنے جوش محبت میں کسی کی شکایت کے لئے لب [illegible] ہیں اور [illegible] کا ذکر کرتے ہیں

تو تھا صکر اُنھیں نازفروشانِ جہاں کا جن کی دلکش اداؤں کے وہ ہزار دل سے زخمی تھے ۔ جنونِ آوارگان ہجران جو کسی کی یاد میں صحرائے بلا یا دشت ہولناک میں نکل جاتے ہیں جب کبھی نکلے بیٹھتے ہیں تو اُنھیں کے شاکی دکھائی دیتے ہیں جن کی محبت میں وہ ازخود رفتہ ہو کر صحرا و جنگل کی خاک چھانتے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے ۔ بلبلوں کی زبان پر بھی جب کسی کی شکایت کا نام آیا تو گلوں ہی کی اور جان نثار پروانوں نے بھی اپنی ننھی سی جان کی قربانی کر دی تو شمع ہی کی شعلہ زبانی پر ۔ دلتنگ غنچوں نے بھی مسکرا مسکرا کر اگر کچھ شکایت کے لئے منہ کھولا تو اُنھیں کی جنھوں نے اُن کو اپنے گلے کا ہار بنایا اور جسکے لئے وہ پھولے نہ سماتے کہ ہائے صبح ہوتے ہی ہم گلے سے یوں نکالکر دور پھینکدیئے گئے ۔ اور اور مرغانِ چمن بھی نواسنجیاں کرتے کرتے اگر فریاد کناں چلا اُٹھتے ہیں تو اُنھیں عروسانِ چمن کی بدولت جنکی دلفریبی اور خوشنمائی کو ہمیشہ مدنظر رکھنے کے خیال میں انھوں نے اپنے آشیانے بھی وہیں بنا رکھے تھے ۔

غرض جسے دیکھئے اُسی کا شاکی پائیے گا جس سے اُسے بے انتہا محبت تھی اور اُسی کی محبت کا دم بھرتا تھا ۔ میں بھی اُسیطرح آج اپنے اُس دوست کی شکایت لکھتا ہوں جسے میں غائبانہ ازحد پیار کرتا تھا ۔

میری یہ شکایت اُسی رنگ میں ہے جس طرح ایک حبیب کی شکایت کا مزہ ملتا ہے کہ دوست ہی کی باتوں میں وہ مزہ بھی ہوتا ہے کہ ادھر سُنا اور اُدھر دل تھام لیا ۔ حبیب ہی کی محبت بھرے جملے مرہم زخم دردمندان کا کام دیتے ہیں ۔ اور حبیب ہی کے نشتر آمیز کلمات کانٹوں کیطرح دل و جگر میں چبھکر ناسور بھی پیدا کر دیتے ہیں ۔ غرض ہر ایک وہ باتیں جو اپنی قوم ۔ اپنے مذہب ۔ اپنے گروہ ۔ اپنی سوسائٹی ۔ اپنے بھائیوں ۔ اور اپنے دوستوں سے سرزد ہوتے ہیں وہ یا تو انتہائے مسرت کا باعث ہوتی ہیں جس سے روح کو ایک قسم کی بالیدگی ہوتی ہے ۔ ویا اُسیقدر رنجیدہ اور دلکو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی ہوتی ہیں کہ جس کی

شکایت میں جز اسکے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ اسی شعر کو بار بار پڑھے۔ شعر

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم ⁂ کہ با من انچہ کرد آں آشنا کرد

یہ ایک عجیب اتفاق کہ ۲۶ر جنوری ۱۸۹۶ء کو میرے دل کو وہ دونوں باتیں جن کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا بیک دفعہ حاصل ہوئیں۔ انتہاے مسرت بھی۔ اور انتہاے رنج بھی یعنی پہلے مجھے آپ کا رسالہ اصلاح ملا جسکے اغراض و مقاصد اور آپکی اس قومی اصلاح پر جسکے لئے آپ نے کمر ہمت باندھی ہر بیحد خوشی ہوئی۔ میں اُسے محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگا اور دل ہی دل میں اُسکی روز افزوں ترقی کے لئے دعائیں کر رہا تھا کہ اخبار* نسیم سحر جس کو میرے ایک قابل فخر عزیز نے حیدرآباد دکن سے میرے نام بھیجا تھا ملا صبح کا وقت تھا نسیم سحر کے خوشگوار جھونکوں سے مزے لینے کیلئے میں اُسطرف متوجہ ہوا۔ مگر آہ پہلے ہی جھونکے نے میرے غنچۂ دل کے ساتھ بادصرصر کا کام کیا اور اس قدر محزون خاطر بنایا کہ میں اسوقت تک ایک عجیب سناٹے میں ہوں لطف یہ کہ اُسکے باعث بھی میرے حبیب ہی نکلے یعنی مسٹر عبد الحلیم صاحب شرر۔ میں بجنسہ وہ تحریر نسیم سحر سے نقل کرکے آپ کی خدمت میں ارسال کرتا ہوں۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ دوست ہی نے کس قدر صدمہ دیا۔

آپکا خیر طلب محمد اسحاق باروی

وھو ھذا

نسیم سحر مطبوعہ ۸ اہمن ۱۳۰۷ فصلی — جلد (۱) نمبر (۴)

مطابق ۱۲ر دسمبر ۱۸۹۷ء روز شنبہ — ایڈیٹر منشی قدرت اللہ صاحب مضطر

حیدرآباد دکن

---

* یہ ایک چھوٹے پیمانہ کا روزانہ پرچہ ہے۔ مرکز اس کا سواد شہر حیدرآباد دکن ہے ۱۲ ایڈیٹر

عبرت نامہ

ارے قوم اسلام عبرت کی جا ہے — سنا آجکل تو نے کیا ہو رہا ہے
نیا قوم نے یہ نکالا ہے رنگ — مسلماں جسے دیکھ ہوتے ہیں دنگ
سناتا ہوں میں اک نیا ماجرا — قلم جسکے لکھنے سے ہے کانپتا
سنیں غیر قوم اسکو گر سر دھنیں — مسلماں و لے اسپہ اف نہ کریں!!!
سنو مومنو ہے یہ وہ ماجرا — تنور نے سکینہؑ کا ناول لکھا
سکینہؑ ہیں وہ کون بنت حسینؑ — نبیؐ و علیؑ کی جو ہیں نور عین
فضائل ہیں جن کے بے حساب — لکھی حامئ دیں نے صد ہا کتاب
فضیلت بیاں انکی ہم سے ہو کیا — لکھا جب کہ قرآں میں ہو جابجا
ہے قرآن سے یہ صاف ہم پر عیاں — نبی زادی ہیں مادر مومناں
انھیں کی شرر نے ہی لائف لکھی — حماقت سے برپا قیامت ہے کی
لکھے ایسے الفاظ ہیں بے ادب — رکھا خیال دل میں نہ حسب نسب
صد افسوس ہے انکے حالات پر — کریں حملے جو صاف سادات پر
مسلماں انھیں میں سمجھتا نہیں — کہ جس دلمیں انکی محبت نہیں
خدا کا ہو قہر ان پہ آفت پڑے — نبی زادیوں پر جو تہمت کرے
مسلمانو تم اتنا سن لو ذرا — نہیں اور کچھ اس سوا مدعا
جمع ہو کے یکجا مسلمان چند — شرر کو کریں ملکے سب [illegible]
ندامت سے شرمندہ ان کو کریں — کہ وہ خیال ایسا نہ دل میں رکھیں
اور اس فعل پر اپنے ہوں منفعل — بہت مجمع عام میں ہوں خجل
اور اس اپنی حرکت سے وہ باز آئیں — در حق پہ دیں اپنے سر کو جھکا
خدا بخش دے گا یہ انکی خطا — کہ خوش ہوں گے ان سے رسول خدا
اب آخر میں تحریر کرتا ہوں میں — کہ نقل ان کے پرچہ کی لکھتا ہوں یاں
سمجھ جائیں گے خود اسے ناظریں — بس اب اور کچھ بحث اس پر نہیں

نمبر ۶ جلد ۶ دلگداز پرچہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی

بذلہ سنج - صاحب مذاق - لطیفہ گو - فیشن کی موجد - فیشن کی لیڈر - نسبی فخر کا ناز - خود داری کا خیال - ہر دل عزیز بننے کی خواہش -

نمبر ۷ جلد ۶ دلگداز

زندہ دل - خوبصورت - بانکا جوڑا - بانکپن - وضعدار - ناز آفریں بی بی - دھوم دھام - مزاج میں چہل پہل - چہل پہل والی بی بی - بامذاق - ناز سے فرمانا - آداب صحبت سے خوب واقف - دلربا ادائیں - اشعب کا ڈربے میں بند کرنا اور جناب سکینہ کا ظالم ثابت ہونا - دلربائی اور دلفریبی - (ایڈیٹر)

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ نیکاں برد

ہائے غضب اور وائے ستم کیا اسی کا نام اسلام ہے - ایسے ہی الفاظ مقدس حضرات کی شان میں اور پھر کیسی مقدس جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نواسی اور مظلوم حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی کے متعلق وہ الفاظ استعمال کئے ہوں جو ناولوں اور قصے کہانیوں میں ایک فرضی یا بازاری حسن فروشوں کے واسطے استعمال ہوتے ہیں - کیا بغیر ان الفاظ کے جناب شرر کا ناول ادھورا رہا جاتا تھا؟ یا بغیر اُن کے ناظرین دلگداز کو دلچسپی نہیں ہوتی تھی - یا اگر فرض کر لیا جاے کہ مؤلف نے تاریخی واقعات کی تکمیل مد نظر رکھی تھی تو بڑا افسوس ہے اُنکی سمجھ پر ایسے مزخرف اور لغو الفاظ کو درج کرنا ضروری خیال کیا حالانکہ یہ اگرچہ سچے بھی ہوتے تو جب بھی نہ صرف کوئی مسلمان ان کا آنکھوں سے دیکھنا کانوں سے سُننا روا رکھتا - بلکہ ہر مہذب شخص خواہ وہ کسی مذہب وملت کا کیوں نہ ہو اس سے ہر طرح پر احتراز اختیار کرتا - اور پھر

قیامت تو یہ ہے کہ اسلامی دارالحکومت میں بیٹھکر اور دہیں کا نمک کھا کر یہ اسلام پر بیجا حرف رکھنا۔ مگر ہائے بات تو یہ ہے" مسلمانان درگور مسلمانی در کتاب" لیکن ایسا بھی نہیں ہے۔ نیّرِ اسلام بالکل غروب اور چراغ مذہب مطلقاً گل نہیں ہو گیا۔ مصرعہ (مردے از غیب بروں آید و کارے بکند) کچھ تو باداشن مل چکی ہے اور انشاء اللہ بہت کچھ ملیگی۔ بزرگوں اور پیشواؤں کی روح پاک کو صدمہ پہونچانا اچھا نہیں"۔

قدرت اللہ مضطر ایڈیٹر نسیم سحر

اصلاح

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

جناب من۔ آپکی پُرتاثیر تحریر نے اس وقت میرے دل پر وہ اثر کیا کہ اگر غمخواری کی عادت نہ ہوتی تو میری ضرور وہ حالت ہوتی جسکے بعد پاگل خانہ کی ہوا کھانی پڑتی۔ قومی خیرخواہوں کی صدا جو ہر چہار طرف بلند ہے اپنی گونجتی ہوئی آواز سے یہ ثابت کر رہی ہے کہ اتفاق کرو اسلام کی بلند نامی میں جان توڑ کوشش کرو قوم بناؤ تفریق مٹاؤ۔ کوئی اخبار کوئی رسالہ کوئی مجمع کوئی جلسہ اس پُرتاثیر صدا سے خالی نہیں۔ میں نے بھی اسی ارادہ سے اس سال اصلاح کی بنیاد ڈالی کہ شاید میں بھی خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جاؤں کہ یکایک آپکی بے نظیر تحریر نے مجھے چونکا دیا کہ ساری قوم کا یہ ارادہ نہیں ہے کچھ لوگ اس کے خلاف بھی ہیں اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ قومی تفرقہ ترقی کرے اسلام کی اتنی ہستی بھی نہ رہے!

تاریخی صحیح واقعات کا بعنوان ناول لکھنا شاید مخصوص اسی غرض سے ایجاد کیا گیا ہے جسکے موجد حضرت شرر صاحب ہیں آج سے نہیں پانچ سات برس سے اونھوں نے یہی رنگ اختیار کیا ہے کہ کچھ وقتہ دیگرایسی دل لبھانے والی رنگین تحریریں جہاں اور اونکی تبلیغ اسلام کریں اس غرض کو بھی پورے طور پر ادا کریں کہ خاندان رسالت کی توہین ہو اور اہل اسلام کے اس عقیدہ کو کہ "یہ خاندان ابا عن جد کل مکارم اخلاق کے اصل الاصول ہیں" مٹا ئیں کیا آپ کو اسی دلگداز کا وہ مضمون نہیں یاد ہے جو "خاندان نبوت" کی سُرخی سے شایع ہوا جسکی رد میں جناب علامہ مولوی عبد العزیز صاحب دہلوی سلمہ اللہ نے اپنا پر زور مضمون اخبار طوطی ہند میرٹھ میں شایع کیا اور حضرات علمائے فرنگی محل نے بذریعہ اپنے فتووں کے اوسکی غلطی بیوقعتی بلکہ قایل کے فسق کو مشتہر کرایا ابھی تو اسکو "قصہ پارینہ" کا خطاب بھی نہیں ملا تھا۔ کل کی بات ہے کہ شرر صاحب نے دوسرا شوشہ چھوڑا حضرت سکینہ بنت الحسین ؑ کی شان میں وہ کلمات لکھے جسپر ہمارے لایق ہمعصر مولوی قدرت اللہ صاحب مضطر مضطرب ہو گئے اور جوش اسلام ظاہر کر دیا۔

اگرچہ مسلمانان حیدر آباد کے متفقہ جوش نے اونکی تیسری تحریر روک دی جو شایع نہ ہوئی۔ عہدہ سے بھی معزول کر دیئے گئے کیونکہ اس اسلامی ریاست بلکہ سلطنت میں رہ کر اس طرح اسلام کی توہین کرنا کسی طرح مناسب سمجھا نہ گیا۔

دیکھئے شرر میں وہ تحریر نہیں ہے جس کو مضمون سکینہ بنت الحسین ؑ میں اونھوں نے باقی آیندہ کیا تھا۔ مگر حضرت رباب والدہ حضرت سکینہ کا ناول اوسی آب و تاب سے نکل رہا ہے جسپر شاید کسی مسلمان نے ابھی تک توجہ نہیں کی اور شاید ہمارے لایق ایڈیٹر منشی قدرت اللہ صاحب نے بھی نہیں خیال کیا میں اس وقت ایک عجب حیرت کی حالت میں ہوں کہ بیان بھی نہیں ہو سکتا۔ دلگداز کے جانگداز دونمبر نکلے پڑے ہیں نشیم سحر کے جھونکے چل رہے ہیں اور اسلامی جلیل القدر محدثین جناب امام حسین ؑ کا یہ قول جدا نقل کر رہے ہیں واما سکینۃ فغالب علیہا

عہ مثل شیخ حسن حمزاوی و علامہ ابن صباغ مالکی۔ دیکھو کتاب مشارق الانوار مطبوعہ مصر صفحہ

الاستغراق مع اللہ فلا تصلح لجل کہ سکینہ معرفت خدا میں ایسی مستغرق ہے کہ قابلیت تزویج نہیں رکھتی۔ پھر کس پا یان لاؤں کس کو صحیح مانوں کس کو غلط کہوں شاعرانہ رندانہ مضامین کے ذمہ وار تو شرر صاحب ہیں۔ اسلامی حمیت اسلامی جوش میں نسیم سحر ڈوبا ہوا ہے محققانہ محدثانہ تحقیق یہ ہے جو مشارق الانوار سے میں نے نقل کی۔

مسلمانو! غور کرو تم کو جوش کیوں ہے یہ کھلبلی کیوں مچی ہے کیا شرر صاحب کو تم شاعر نہیں مانتے جن کی توصیف میں قرآن ناطق ہے والشعراء یتبعھم الغاؤن شاعروں کے پیرو گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ کیا شرر صاحب مشہور ناولسٹ نہیں جس کو تم قصہ خواں فسانہ گو کہتے ہو۔ کیا تم کو یہ نہیں معلوم قصہ کہانی فسانہ ناول ہمیشہ جھوٹا ہوتا ہے غلط ہوتا ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

علی حیدر، ایڈیٹر

ریمارک بیخود

جو مضمون یہاں اصلاح سے نقل کیا گیا اُسنے عام طور پر اس فتنہ کو فرو کر دیا تھا کہ شرر کے ایک شریر النفس طرفدار "بیخود" پر یہ نشہ چڑھا کہ اپنی بیخودی کے عالم میں اول فول بکنے لگا۔ **دلگداز۔ نسیم سحر۔ اصلاح** کے عنوان سے **اودھ پنچ** میں ایک مضمون شایع کیا۔ اور بقاعدہ تثلیث اُسکے ۳ نمبر کئے پہلے اور دوسرے نمبر میں تو منشی قدرت اللہ مضطر کے نظم کی ابتری دکھائی کہ نہ قافیہ درست ہے نہ بحر ٹھیک ہے اسی بیخودی میں مضطر کو وہ مولوی حالی کی نظیر بتاتے ہیں جن کو زمانہ نے اسلام کا مرثیہ گو تسلیم کر لیا ہے۔ اور سب کو اونکی تقلید کا شوق ہے۔ جس مضطر کی اعلے قابلیت ثابت ہوتی ہے نہ توہین۔ اسی سے وہ ۲ نمبر یہاں نہ لکھے گئے کہ محض لاطائل تھے۔

افسوس بیخودی کی تحریر کا تیسرا نمبر۔ اصلاح اور اوڈیٹر کے حق میں حسب ذیل

ہے۔

اودھ پنچ مطبوعہ ۲۸ اپریل سنہ ۱۸۹۸ء

نمبر ۱۷ جلد ۲۲

شور واعظ کم نہیں ہوتا ہی تو للکار دے
اک ذرا اے قلقل مینا بلند آواز سے

تمتہ اودھ پنچ مطبوعہ ۱۴ اپریل سنہ ۱۸۹۸ء

اب ہم ایڈیٹر اصلاح کے نوٹ پر نظر ڈالتے ہیں جو انھوں نے بارہوی قاضی صاحب کے مراسلہ پر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"آپ کی پُرتاثیر تحریر نے میرے دل پر وہ اثر کیا کہ اگر غمخواری کی عادت نہ ہوتی تو میری ضرور وہ حالت ہوتی جس کے بعد پاگل خانہ کی ہوا کھانی پڑتی" اجی جناب نہ کوئی بات نہ کچھ اصل۔ نہ بنیاد۔ آپکو اس قدر بدحواسی کیوں ہے شرر نے اتفاق اور بلندنامی اسلام کیخلاف اب تک کچھ نہیں لکھا۔ وہ ہمیشہ سے اسلام کے محب۔ دین کے خیرخواہ۔ قومی تعصب اور تفریق کے مٹانے والے اور قوم کے مُردہ قالب میں نئی روح پھونکنے والے ہیں۔ ایڈیٹر الفنیم سحر کے سے چند ہوا پرستوں کی بادہوائی باتوں میں آکر آپ شرر سے بدگمان ہوئے اور "ان بعض الظن اثم" کو یاد رکھیں تاریخی صحیح واقعات کو بعنوان ناول لکھنے کے موجد شرر ہی نہیں ہیں۔ بڑے بڑے حکمار و عقلا نے اصلاح قوم۔ تہذیب اخلاق اور تاثیر مواعظ کی غرض سے یہ طریقہ جائز رکھا اور اختیار کیا ہے۔

شرر نے اسلام کی بیخ کنی اور خاندان نبوت کی توہین کب اور کہاں کی۔ ذرا ہمیں ایک مثالیں پیش کیجئے۔ "خاندان نبوت" کے عنوان سے جس مضمون کو آپ لکھتے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب نے اوس کی تردید کی اور علما نے فتوا دے

فسق دیا۔ اوسکی غلط فہمی کا پردہ اونکے دوسرے مضمون نے اچھی طرح کھول دیا تھا
آپ اوس قصہ پارینہ کو یاد کر کے اصلاح اور اوسکے بھولے بھالے ناظرین کیلئے
بی شادی اور بیجا نہ بنیں۔ شرر کی حُسن نیت۔ جوش مذہبی اور حمیت اسلامی کا اندازہ
کرنے کیلئے دلگداز کی کسی گزشتہ جلد میں وہ مضمون بغور و انصاف پڑھ لیجئے جو اسلام
اور بھیتڑ پر اونھوں نے لکھا تھا۔ اور انصاف کیجئے کہ اس نیت اور خیال کا آدمی
توہین دین کب روا رکھ سکتا ہے۔ افسوس ہی کہ اڈیٹر نسیم سحر کیطرح آپ بھی
ناول اور لایف کا فرق نہیں جانتے۔ اور بایں ہمہ جہل بسیط در فن تاریخ و علم الادب
ہم ید طولےٰ می دارند۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"وہ مگر حضرت رباب والدہ سکینہ کا ناول اوسی آب و تاب سے نکل رہا ہے جس پر
شاید کسی مسلمان نے ابھی تک توجہ نہیں کی۔ اور شاید ہمارے لائق اڈیٹر منشی قدرت اللہ
صاحب نے بھی خیال نہیں کیا۔" ع گر بہ شاشید و گفت باران است
ایک مشہور افادہ مجتہدانہ تھا مگر زمانہ کی ترقی نے اوس باران کو طوفان بنا دیا
جسمیں اڈیٹر اصلاح اپنے ساتھ اڈیٹر نسیم سحر کو بھی لئے ڈوبتے ہیں۔ آپنے اوس
عورت کو والدہ جناب سکینہ سمجھ لیا ہے جس کا ذکر ناول کے صفحہ ۱۱۱ میں ہے۔ اجی مولینا جس رباب
کا ذکر ناول میں ہے وہ سردار قبیلہ بنی تمیم قیس بن عاصم کی بیٹی تھی جو والی ارض حیرہ
کے سامنے بندیوں میں لائی گئی تھی۔ اور جو رباب جناب سکینہ کی والدہ ماجدہ تھیں
وہ امراء القیس بن عدی کلبی کی صاحبزادی تھیں۔
ناول میں ہجرت نبوی سے تخمیناً چالیس برس پیشتر کے واقعات ہیں اور جناب رباب کا
عقد حضرت خلیفہ ثانی رضہ کے عہد عدالت مہد میں جناب امام حسین علیہ السّلام کیساتھ
ہوا تھا۔ نام کے اتحاد سے آپ نے زمانہ۔ خاندان۔ قبیلہ سب کو ایک کر دیا۔ اگر
محض سہو نظر ہے تو خیر آیندہ را احتیاط۔
شرر کے مضمون پر مسلمانان حیدر آباد کا متفقہ جوش۔ تیسری تحریر کا روک لیا
جانا اس تحریر کی بدولت شرر کا معزول ہونا۔ یہ خبریں اب تک ہم نے کسی اخبار میں نہیں

دیکھیں۔ اور سیج ہونے پر بھی اِن باتوں کو جاہلانہ شور و شغب اور شعر فہمی عالم بالا سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے۔

آپ نے جناب امام حسین علیہ السّلام کا ایک ارشاد مشارق الانوار سے نقل کیا ہے مگر کیونکہ سیاق و سباق غائب ہو رد اور محل کا پتہ نہیں بالکل لا تقربوا الصّلوٰۃ۔ مضمون ارشاد یہ ہے:-

"سکینہ معرفت الٰہی میں ایسی مستغرق ہے کہ قابلیت تزویج نہیں رکھتی"۔

تاریخ دانی۔ حدیث خوانی۔ اور ادارت اصلاح کے منصب سے آپ کا فرض یہ تھا کہ پورا ارشاد نقل کرتے اور کتب سیر سے یہ ثابت کر دکھاتے کہ جناب سکینہ اس ارشاد کیموافق ہمیشہ ناکتخدا رہیں۔ خود جناب امام حسین علیہ السّلام نے اون کا عقد اپنے بھتیجے عبد اللہ بن حسن سے نہیں کیا۔ اور عبد اللہ بن حسن کے بعد مصعب بن زبیر۔ عبد اللہ بن عثمان خزامی۔ زید بن عمر بن عثمان عفان کو اونکی زوجیت کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اور جن مورخین نے یہ حالات بیان کئے ہیں وہ سب کے سب غیر موثق اور غیر معتبر ہیں۔ اب بھی اپنا فرض ادا کرنا ہے تو صحیح صحیح واقعات زندگی لکھ ڈالئے۔ اور دلگداز کیساتھ مشہور تواریخ پر خط نسخ کھینچ دیجئے۔ ورنہ خیر ہم اپنی کریم النفسی سے اس پر عمل کرینگے ؎

ترا بہ سادہ دلی ہائے تو توان بخشید کہ جرم کردی و امید آفریں داری

آخر میں ہم ایڈیٹر اصلاح سے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس نادان اور معصوم بچی (اصلاح) کو جو ابھی آپ کے آغوش تربیت میں پل رہی ہے نفاق اور تعصب کے گرم و سرد سے محفوظ رکھنا آپ کا پہلا فرض ہے۔ اگر میاں قدرت اللہ صاحب مضطر کے سے چند نادان دوستوں کی گرمجوشی اور آپکی معصومانہ سادہ دلی سے خدانخواستہ زمانہ کی ناموافق ہوا لگ گئی تو اس کا پھولنا پھلنا سخت دشوار ہو جائیگا اور آپ اپنی عرق ریزیوں کا ثمر پانے کے بجائے تصنیفی دُنیا میں پھوہڑ اور غفلت شعار مربی مشہور ہوں گے۔ عرب اور عجم کے مورخوں کی سڑی گلی ہڈیاں کھودنے اور اُن کی غلطیاں نکالنے سے زیادہ اچھا اور مفید شغلہ مذہبی تاریخی اور اخلاقی اصلاح کا یہ ہوگا کہ شعرائے ہند اور شعرائے ہند اور شعرائی

ہزلیات۔ غلط بیانیاں اور افترا پردازیاں قوم کو دکھائی جائیں جنمیں نہ تاریخ کی اصلیت ہے نہ حدیث کی صحت۔ بلکہ محض شاعری۔ قصّہ خوانی اور افسانہ گوئی کے رنگ میں صدہا غلط واقعات اور بے اصل اقوال خاندان عصمت و طہارت کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہی جناب سکینہ ہیں جن کے حالات زندگی شرر نے قدیم تاریخوں سے دلچسپ اور موثر لفظوں میں لکھ کر اونکی اعلےٰ قابلیت اور عمدہ مذاق سے پبلک کو آگاہ کیا۔ اور میاں مضطر کی تقلید میں آپنے شرر کو بے ادبی اور غلط بیانی کا الزام دیکر عوام کو شرر سے بدگمان اور خواص کو اونکی آپ سے متنفر کر کے اصلاح کی جان پر ظلم روا رکھا۔ اس فضول بکواس اور نکتہ چینی کے عوض اگر آپ صرف اوس مشہور غلط فہمی کی اصلاح کرتے جو مرثیہ گویوں اور نوحہ خوانوں نے جناب سکینہ رض کے کربلا میں صغیر السن ہونے اور قیدخانہ میں وفات پانے کے متعلق پھیلا رکھی ہے۔ تو تاریخ اور حدیث پر کتنا بڑا احسان اور تصحیح تاریخ کا فرض کس خوبی سے ادا ہوتا۔ ایسے اہم اور ضروری مشغلہ اصلاح کو جس میں نہ فقط نیک نامی دنیا بلکہ اجر آخرت بھی متیقن الحصول ہے ترک کر کے دلگداز اور مرقع عالم وغیرہ رسالوں اور ناولوں کے مضامین پر شرارت آمیز حملے کرنا خلاف شان اور بے سود ہی نہیں بلکہ اصلاح کے نام سے افساد کا ثبوت دینا ہے۔ ہماری یہ صلاح اگر مفید ہو تو مانئے ورنہ آپ جانئے ؎

عرق نشستہ زنیدم زرخ نکوسے ترا　　زمن مرنج کہ میخواہم آبروے ترا

راقم

بے چوں

تعلم حضرت مصلح المسلمین

الجواب

یہ جواب اُسی زمانہ میں لکھا گیا مگر اسکے چھپنے کی نوبت نہ آئی لہذا ہدیہ ناظرین ہے

گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی

افسوس یہ مضمون اس شعر سے شروع کیا گیا ہے ؎ شور واعظ کم نہیں ہوتا ہے تو للکار دے + اک ذرا اے قلقل مینا بلند آواز سے ۔ جس سے ہر سمجھدار آدمی یہی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ بیخود صاحب واعظوں کے پند و نصیحت کے شور قلقل مینا سے چھپایا چاہتے ہیں جس کا حوصلہ یا ارادہ وہی مجنون بیخود کر سکتا ہو جو شراب غفلت کے نشہ میں ایسا سرشار اور چور ہو کہ بیخود ہو جائے ۔

افسوس ہے تو اس کا کہ بیخودی آپ پر طاری بھی ہوئی تو شرر صاحب کی طرفداری میں جس کے شرارے نے کوہ آتش فشاں کو بھی سرد کر دیا ۔ اور آپ ایسے بہت سے حضرات کو بیخود حواس باختہ کر دیا ۔ اور ہونا بھی چاہئیے کیونکہ رسول اور آل رسول کا دشمن صاحب عقل سے نہیں ہو سکتا بجز بیخودی و بدحواسی کے جو یا مینا سے پیدا ہو یا شرر انگیز خیال سے یا ....

بلی بیخودی انکی یہ ہے کہ لکھتے ہیں ”واہ جی جناب نہ کوئی بات نہ کچھ اصل نہ بنیاد آپ کو اس قدر بدحواسی کیوں ہے ۔ شرر نے التفاق اور بلند نامی اسلام کے خلاف اب تک کچھ نہ لکھا“

تو کیا التفاق اور بلند نامی اسلام کے موافق لکھا ہے ؟ کیا دلگداز میں اسلام کے محاسن اور صحاح ستہ کے مضامین بیان ہوئے ہیں ؟ کیا یہ سب قصے اور ناول اسلام کے نام بلند کرنے والے ہیں ۔ التفاق اور اتحاد قائم کرنے والے ہیں ۔ کیا اسلام نے عشق بازی کی تعلیم دی ہے جو دلگداز

سکا مطلب ہے یا اسلام نے عیاری و مکاری سکھائی ہے جسکی ترکیبیں وہ بتا رہا ہے۔ ان ناولوں کا نتیجہ بجز فسق و فجور میں ترقی کرنے کے کیا ہے؟ خدا کے واسطے بتائیے۔ پھر کون مسلمان کہہ سکتا ہے کہ دلگداز اسلام کا خیرخواہ ہے جو اس قدر آپ بے خود ہو رہے ہیں۔

رہی "شرر سے بدگمانی" یہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے ربنا وقنا عذاب النار کہا کے ہمنے عام طور پر یہ نہیں کہا کہ شرر موجد ہیں مگر ہاں خاندان رسالت کی اسطرح سے توہین کرنے کے وہی موجد ہیں۔ اور اگر آپ سچے ہیں تو انکے سابق کوئی اور مثال بتائیے کہ متقدمین میں سے مسلمان نے یا ہندو نے یا عیسائی نے اس رنگ میں اہلبیت رسالت کا حال لکھا ہو۔ تو البتہ اس ایجاد کا سہرا شرر کے سر سے اوتر سکتا رہا تاریخی صحیح واقعات کا اس پیرایہ میں لکھنا۔ اسمیں عذر نہیں کہ یہ فعل بعض مواقع میں جائز ہوتا ہے۔ لیکن یہاں تو کوئی صحیح واقعہ ہی نہیں جو آپ کے کلیہ میں وہ داخل ہو سکے۔

شرر کی بدنیتی اور ارادہ توہین خاندان رسالت تو اوسی اصلاح میں درج ہے کہ حضرت شہربانو کی نسبت کیا کچھ لکھا جس پر اونکی تفسیق و تکفیر کی گئی۔ مگر آپ اوسکو قصہ پارینہ بتاتے ہیں تو اس کا میرے پاس کیا علاج ہے۔

آپ حضرات نے اون لوگوں کو کب دشمن خاندان رسالت مانا جنھوں نے قتل و غارت کیا جو شرر صاحب کو آپ دشمن سمجھیں۔

آپ لوگوں کے خیال میں تو رسول اللہ کے کل الفاظ و اقوال حق میں اہل بیت کرام کے بے معنی اور مہمل ہیں کہ اون الفاظ کو تو البتہ مجبوری قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سب آپکی صحاح ستہ میں موجود ہیں اور اسکے معنی کو نہیں مانتے۔ اللھم العن اول ظالم ظلم حق آل محمد کو قبول کر لیتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ وہ ظالم کون تھا کس نے ظلم کیا۔

آپ ہی ایمان سے فرمائیں کہ جب اون لوگوں کو بھی دشمن اہل بیت نہیں مانتے
جنھوں نے قتل کیا۔ غارت کیا۔ تو دوسروں کو آپ کیونکر دشمن اہل بیت قبول کرسکتے
ہیں۔ ہم سابق خلفا کو چھوڑ کر پوچھتے ہیں بتائیے۔ حضرت عائشہ دشمن علی تھیں؟
آپ کہئے گا نہیں۔ طلحہ زبیر۔ دشمن علی تھے؟ کہئے گا نہیں۔ امیر شام کو جو بھتر
لڑائیاں لڑے۔ آپ دشمن حضرت علی مانتے ہیں۔ نہیں خطائے اجتہادی کا
جال تو آپ کے یہاں ابن ملجم۔ عمر ابن سعد۔ شمر ذی الجوشن۔ تک پھیلا ہوا ہے
پھر بیچارہ شرر صاحب کیا ہیں جن کو آپ دشمن خاندان رسالت قبول کرسکتے
باقی رہا حضرت شہربانو کے بارے میں دوسری تحریر۔ اونکی پس اوسکی دھجی بھی اڑ چکی ہے
انتصار الشریعہ دیکھیے کہاں تک اوس کا اعادہ کیا جائے۔
ہاں یہ دلیل آپ کو خوب ہاتھ آئی ہے وہ مضمون بغور و انصاف پڑھ لیجئے جو اسلام
اور تھیٹر پر اونھوں نے لکھا تھا ' اس مضمون پر خود شرر صاحب نے بھی ناز کیا ہے
اور آپ نے تو اوسے یہی سمجھ لیا ہے کہ ایسی نیت اور خیال کا آدمی توہین دین کب روا رکھ سکتا ہے
مگر یہ نہ سمجھے کہ وہ جوش و خروش اونکا مقابلہ یہود و نصاری تھا جنھوں نے معاذ اللہ
رسول اللہ کا تھیٹر بنانا چاہا تھا۔ اور یہ تحریر اونکی بمقابلہ اون شرفا و سادات کے
ہے جنکے قتل و غارت کو ہم مشربان شرر جائز ہی نہیں سمجھتے بلکہ اوس کو اعلے درجہ کی سنت
بلکہ اوجب واجبات جانتے ہیں۔ اسی وجہ سے اونھوں نے حضرت سکینہ ہی کی شان میں
یہ سب لکھا جو شمر کے طمانچے قید یزید کے مصائب جھیل چکی تھیں۔ اور کوئی خاتون عرب
اونکو نہیں ملی۔ حالانکہ بقول اونکے عائشہ بنت طلحہ حضرت ابو بکر کی نواسی بھی حسن و
جمال۔ ناز و ادا۔ چہل پہل۔ بذلہ سنجی۔ شوخی شنگی میں فتنہ تھیں قیامت
تھیں۔ مگر اونکی لائف نہ لکھی اور لکھی تو حضرت سکینہ کی اگر اوس مضمون میں وہ یہود
و نصاریٰ کے ہم آواز بنجاتے تو پھر آپکی سوسائٹی میں وہ کیونکر رہ سکتے تھے
خصوصاً جبکہ تمامی اسلامی اخبار اوس مضمون کے مخالف تھے۔
اجی حضرت! شرر صاحب اس پردہ میں اپنے وہ دلی بخارات نکال رہے ہیں جو اشتعل کی

شرافت کے لوازم سے ہے۔ اسی وجہ سے تو کل شرفا اس پر برہم ہوئے۔ خواہ سُنّی ہوں خواہ شیعہ۔ بجز آپ کے کہ شاید اِن خیالات سے خاندانی طور پر آپ محفوظ ہیں۔

لایف اور ناول کا فرق تو ہر شخص کو معلوم ہے مگر آپ تو کچھ ایسے بیخود ہو رہے ہیں کہ سُنتے ہی نہیں۔ نہ قلقل مینا کی بلند آواز آپ کو سُننے دیتی ہے جو معدے سے آپکے دماغ تک بلند ہے۔ اور اگر خدانخواستہ آخر وقت اپنے زخم کاری کھایا تو اُسوقت بھی آپکی آواز بلند رہے گی۔ گو اس وقت نام اس کا نبیذ رکھا جائے۔

او بیخود! سمجھو۔ نہیں سمجھیے تم کہ شرر نے لایف نہیں لکھی ہے جس کو سوانحعمری کہتے ہیں اور اوسکی بنا اصلی و صحیح واقعات پر ہوتی ہے۔ بلکہ یہ ناول ہے جسکی بنیاد لغویات اور جھوٹے واقعات پر ہوتی ہے اور عشق و عاشقی کے انداز پر لکھی جاتی ہے۔

آپ کو اگر لائف دیکھنے کا شوق ہے تو الصدیق ملاحظہ کیجئے یا الفاروق یا المامون جو آپ کے ہم مشربوں نے تصنیف کی ہے جس میں اگرچہ صحت روایات کا نہیں قصد کیا گیا ہے تاہم ان لغویات اور قصے کہانیوں سے پاک ہے۔ اب آپ ہی اگر ایمان رکھتے ہوں تو فرمائیے کیا اوسی رنگ کی یہ لایف ہے۔

حیات سعدی دیکھیے۔ اور اس قسم کی صدہا لایف ہیں اون سے ملائیے تو آپ کو صاف معلوم ہو جائیگا کہ یہ لایف نہیں ہے بلکہ درحقیقت ناول ہے مگر شرر صاحب نے اخفاء جرم کی غرض سے اوس کا نام لائف رکھا ہے اور ناول کہنے سے خفا ہوتے ہیں اور آپنے بیخودی کے عالم میں اوس کو سچ مان لیا۔

اس کو میں قبول کرتا ہوں کہ ایڈیٹر اصلاح کو بیشک اشتباہ ہوا جو اوس ناول کو اونھوں نے حضرت رباب کا ناول سمجھا۔ اور ہم سب شکر گزار ہیں کہ شرر صاحب نے حضرت رباب کا ناول نہیں لکھا۔

رہا آپ کا یہ مصرع گر یہ شاشید وگفت بار الست۔ پس اس کا جواب کیا عرض کیا جائے۔ جن لوگوں کے یہاں۔ بلّی۔ سور۔ کتا۔ منی حلال اور پاک۔ شراب سے وضو درست خدا اونکا کتا بلّی کی صورت میں آتا ہے وہ یوں کہتے ہیں ؎

از کرامات پیر ما چہ عجب ٭ گربہ شاشید و گفت یزداں است
سگ بمسجد رسید و سفرہ درید ٭ پیر ما گفت اینکہ رحمان است

رہا جناب امام حسین علیہ السّلام کا ارشاد صدق بنیاد اسمیں اڈیٹر اصلاح کا کیا قصور۔ آپ کی کتاب مشارق الانوار۔ اسعاف الراغبین فصول المہمہ میں اسقدر لکھا تھا۔ چنانچہ میں پھر مشارق الانوار سے لکھے دیتا ہوں ملاحظہ ہو

وفی فصول المہمہ فی فضائل الائمہ لابن الصباغ ان الحسن بن الحسن بن علی خطب من عمہ الحسین احدی ابنتیہ فاطمہ او سکینہ وقال اختر لی احدیہما فقال الحسین قد اخترت لک ابنتی فاطمہ فہی اکثرہما شبہا بامی فاطمۃ بنت رسول اللہ ص اما فی الدین فتقوم اللیل کلہ وتصوم النہار واما فی الجمال فتشبہ الحور العین واما سکینہ فغالب علیہا الاستغراق مع اللہ فلا تصلح لرجل وفی کلام غیر واحد ان سکینہ تزوجت بابن عمہا عبداللہ بن الحسن فقتل عنہا بالطف ثم تزوجت بعدہ بازواج صـ۹۰

یہی عبارت بجنسہا اسعاف الراغبین کے صـ۱۵۴ میں بھی موجود ہے۔ جسکے معنی اگر آپ عربی سمجھتے ہیں تو خود سمجھ لیں گے ورنہ میں بتائے دیتا ہوں کہ حسن ابن امام حسن کے خطبہ پر امام حسین ع نے فرمایا میں اپنی بیٹی فاطمہ کو تمہارے لئے اختیار کرتا ہوں۔ لیکن سکینہ پس اوسپر استغراق مع اللہ غالب ہے جس سے وہ صلاحیت تزویج نہیں رکھتی۔

اب للہ انصاف سے فرمائیے اسمیں اڈیٹر اصلاح نے کون سی غلطی کی جو آپ اسقدر برہم ہیں۔ کون سا سیاق غائب ہے۔ کون سیاق۔ کون سے مورد و محل کا پتہ نہیں دیا گیا۔ جو آپ لا تقربوا الصلوۃ کو یاد کرتے ہیں۔

افسوس آپکی بیخودی اس درجہ بڑھتی جاتی ہے کہ آنکھوں سے بھی معذور ہوئے اور نہیں دیکھتے۔ کیا لکھا ہے کیا نہیں۔ اڈیٹر اصلاح نے صرف قول امام حسین ع نقل کیا تھا۔ آپ کی کتابوں سے نہ آپ کے علما کا قول یا اونکی رائے

جس کو آپ کے عندیہ میں قول امام حسینؑ پر ترجیح ہے۔
عبارت اصلاح کو پھر سے پڑھیے "میں اسوقت ایک عجب جو ندکیحالت میں ہوں
آخر تک جس سے صاف معلوم ہو جائے کہ بقول امام حسینؑ حضرت سکینہ صلوٰۃ حسنات
تزویج نہیں رکھتین معرفت الٰہی مین مستغرق ہین - اور
اسکے خلاف مسٹر شرر وہ حالا لکھ رہے ہیں جنکی نسبت سے ہر شریف اپنی
بہو بیٹی کیطرف غصہ ہی نہ ہو بلکہ جان لینے اور دینے پر آمادہ ہو جائے۔
آپ آپکو اختیار رہے جس قول پر جاہیے ایمان لائیے یا امام حسینؑ کو سچا مانئے
یا اپنے مسٹر شرر کو اور اون کے امام و مقتدا آغانی والے کو۔
بیخودی کی بیخودی اور بڑھتی جاتی ہے کہ لکھتے ہیں "تاریخ حدیث خوانی اور ان
اصلاح کے منصب سے آپ کا فرض یہ تھا کہ پورا ارشاد نقل کرتے اور کتب سیر سے
ثابت کر دکھاتے کہ جناب سکینہ اس ارشاد کے موافق ہمیشہ ناکتخدا رہیں خود
جناب امام حسینؑ نے اونکا عقد اپنے بھتیجے عبداللہ بن حسن سے نہیں کیا۔ تا آخر"
تاریخ دانی کا حال تو آپ کو تصحیح تاریخ سے معلوم ہوا ہوگا کہ آپ کی کل کتب
تواریخ اب اس قابل رہ گئیں کہ انگریزی اخبار ونکی جگہ استعمال کیجائیں اور اگر
آپکو نہ معلوم ہو تو اوسکے اوراق اولٹیے اور اپنے اون مردوں کے حالات دیکھئے جنھیں
بلی کے گوہ کیطرح آپ لوگ چھپائے تھے۔ سبکے نسب نامے دیکھیے اور سب کے کارنامے۔
رہی حدیث خوانی اور حدیث دانی اوسکے ہزارہا شواہد موجود ہیں کہ آپکی صحاح ستہ
تک کو خاک کر ڈالا۔ پھر ایسی باتوں پر کیا طعن کرتے ہو۔
اصلاح میں پورا ارشاد جناب امام حسینؑ کا نقل کر دیا گیا ہے نہ ایک لفظ کم
نہ زیادہ اس پر بھی آپ کی بیخودی نہ دیکھنے دے تو اصلاح کا کیا قصور ہے
گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ❊ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ
اور کتب سیر سے ثابت کرنے کی جب ضرورت ہوتی کہ ہم آپکی طرح
معاذ اللہ قول امام حسینؑ کو لغو یا غلط سمجھتے کہ اوسکی تصدیق و تکذیب کیلئے

سیر کیطرف رجوع کرتے جن کو دائیں بائیں کی بھی تمیز نہیں صرف بخوشامد خلفائے بنی عباسیہ و سلاطین تصنیف ہوئیں۔
دور کیوں جائیے اپنے مقدس علماء کی تصنیفوں سے پہلے اسکو طے کر لیجئے کہ حضرت سکینہ کون تھیں ۔ ایک صاحب لکھتے ہیں جناب امام حسین کی بہن تھیں۔ دوسرے صاحب لکھتے ہیں نہیں بیٹی تھیں۔ تیسرے صاحب لکھتے ہیں نہیں پوتی تھیں۔ پھر فرمائیے ان کتب سیر سے کیوں کر کوئی امر ثابت ہو سکتا ہے دیکھئے مشارق الانوار میں ہے وقیل انھا اخت الحسینؑ وقواہ النووی وقیل انھا بنت سیدی علی زین العابدین قال العلامہ الاجھوری قیل الذی تواتر سلفا و خلفا ان سکینۃ التی بمصر بنت الحسینؑ بلا شک صہ۹
کہا گیا ہے کہ سکینہ امام حسینؑ کی بہن ہیں ۔ امام نووی نے اسکو قوت دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ بیٹی ہیں امام زین العابدین علیہ السلام کی اور علامہ اجھوری نے کہا بہ تواتر خلف و سلف ثابت ہے کہ جو حضرت سکینہ مصر میں مدفون ہیں وہ دختر امام حسینؑ ہیں۔
حالانکہ خود مصر میں مدفون ہونا غلط محض ہے ۔ پھر فرمائیے کس جملہ پر ہم ایمان لائیں اب ایک طرف امام نووی کو لیجئے جو علماء اہلحدیث کے امام ہیں اور حدیث دانی میں مسلم الثبوت ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت سکینہ بہن تھیں تو پھر دوسروں کے بیان پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔
بنجود! جب آپکے مقدس اور محقق علماء کا یہ حال ہے تو اوف نا تحقیق ناول نویسوں کا کیا شمار کیا جائے جن کو علامہ ابن حجر عسقلانی اکذب الناس فرمائیں اور آپ کی طرح وہ نشہ بغض اہلبیت میں چور ہوں اور شرر کیطرح رندی و ناول نویسی میں مشہور۔
آپ کو تو بغض اہلبیت نے بجود کر دیا ہے ۔ اور شرر کی محبت نے متوالا جس سے کچھ آپ کو سوجھائی نہیں دیتا اور بہکی بہکی باتیں کئے جاتے ہیں۔ ورنہ اور

جناب امام حسینؑ کے دیکھنے کے بعد آپ ہرگز یہ فرمائش نہ کرتے "کہ کتب سیر سے ثابت کر دکھائے کہ جناب سکینہ ہمیشہ نا کتخدا رہیں" کیونکہ قول امام معصوم کے مقابل میں ہر قول غلط ہے چاہے وہ کسی محدث کا قول ہو یا مورخ کا۔

ہاں یہ آپکے اختیار میں ہے کہ آپ اون علمار کی تکذیب کیجئے جو اس حدیث کے ناقل ہیں اور اُن راویوں کو دروغگو بنائیے جو اس حدیث کے راوی ہیں تو اور بھی ہم کو موقع ملیگا کہ جب ایسے ایسے مقدس علمار آپکے نزدیک لاغی ہیں تو وہ لوگ بدرجہ اولیٰ لاغی اور کاذب ہیں جنھیں آپ کے علما بتصریح تمام لاغی اور کذاب کہہ رہے ہیں۔

یہ بحث کہ حضرت سکینہ کا عقد ہوا یا نہیں؟ اور ہوا تو مصعب سے ہوا یا نہیں۔ اسکے ما بعد کے واقعات صحیح ہیں یا غلط۔ آئندہ کیجائیگی جہاں آپکے شرر کے اقوال رد کئے جائینگے اسلئے یہ بحث آپ کے مقابلہ میں تا تمام چھوڑی جاتی ہے اوس تحریر کا انتظار کیجئے۔ اور جب تک اس بحث کو طے کیجئے کہ حضرت سکینہ کون تھیں۔ امام حسینؑ کی بہن یا بیٹی۔ یا پوتی۔

بیخود اوسی بیخودی میں اڈیٹر اصلاح کو یہ نصیحت کرتے ہیں "عرب او عجم کے موجودہ لٹریچر کی ہڈیاں کھودنے اور اونکی غلطیاں نکالنے سے زیادہ اچھا اور مفید مستقل مذہبی تاریخی اور اخلاقی اصلاح کا یہ ہوگا کہ شعرائے ہند اور شعرار کی ہزلیات غلط بیانیاں اور افترا پردازیاں قوم کو دکھائی جائیں۔ تا آخرہ"

یہ فقرہ بجائے خود آپکی بیخودی کی کافی دلیل ہے جو شعرائے ہند کی لغویات ظاہر کرنیکی فرمائش کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام عالم جانتا ہے شاعر لغو بیان ہوتے ہیں نہ اونکو حدیث کی پابندی نہ آیت کی نہ تاریخ کی پھر اسکے بیان کرنیکی کیا ضرورت ہے۔ بخلاف تاریخ کے جسے اس زمانہ کے جہلا آیۃ وحدیث سے بھی زیادہ صحیح مانتے ہیں اور اسپر ایمان لانے کو ایمان اور انکار کو کفر سمجھتے ہیں۔ پس آپ ہی فرمائیے کسکی ضرورت ہے کسکی نہیں۔ افسوس آپکا وجود مسعود علامہ ابن خلدون کے بہت بعد ہوا ورنہ آپ اونکو بھی یہی صلاح دیتے کہ تاریخ کو کیوں مٹی میں ملاتے ہو شعرار کی دھجیاں اوڑاؤ جو بے

غلط گو رند مشرب ہوتے ہیں۔

خدا نے ہم کو بیخود نہیں کیا ہے جو ایسے بیخودوں کی نصیحت سنیں اور اُس پر عمل کر کے قوم کو اُسی جہالت میں رہنے دیں جس تاریکی میں شرر صاحب اور نکمور رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا بلکہ ہر عاقل کا یہ فرض عین ہے کہ وہ صحیح واقعات کی جانچ کرے اور اغلاط کے دفعیہ میں کوشاں ہو۔ آپ ہمیں چاہے کسی قبر کھدے یا سڑی گلی ہڈیاں نکلیں۔ عرب ہوں یا عجم سب کی تنقید کیجائیگی اور سب کی حقیقت کھولی جائیگی اور اون لوگوں کا پردہ فاش کیا جائیگا جو حق کو چھپاتے ہیں اور باطل کو رواج دیتے ہیں خواہ وہ محدث ہوں یا مورخ آپ مطمئن رہیں تصحیح تاریخ کا مسلسل سلسلہ انشاء اللہ یوں ہی جاری رہیگا اور جن جن بزرگوں نے آپ لوگوں سے غلط تاریخیں بنائی ہیں سب کی قلعی کھولی جائیگی اور سب کی حقیقت دکھائی جائیگی جس سے اسلامی دنیا میں ایسا انقلاب آئیگا کہ سب کے اصلی حالات آئینہ ہو جائیں گے۔ اور یہ سب پھندے ٹوٹ جائیں گے اور ان جالوں کا رگ و ریشہ جدا ہو جائیگا۔

اسی بیخودی میں آخری نصیحت بیخود کی یہ ہے "اس فضول بکواس اور نکتہ چینی کے عوض اگر آپ صرف اوس مشہور غلط فہمی کی اصلاح کرتے جو مرثیہ گویوں اور نوحہ خوانوں نے جناب سکینہ کے کربلا میں صغیر السن ہونے اور قیدخانہ میں وفات پانے کے متعلق پھیلا رکھی ہے تو تاریخ اور حدیث پر کتنا بڑا احسان اور تصحیح تاریخ کا فرض کس خوبی سے ادا ہوتا" مگر ہم نہیں سمجھے کہ یہ کس قسم کی بیخودی ہے "دیوانہ بکار خویش ہشیار" معلوم ہوتا ہے کہ شرر کی شرارت تو یوں ہی چھوڑ دیجائے اور صحیح واقعات غلط کر دیے جائیں۔ اصلی حالات کا لکھنا تو آپ کے نزدیک فضول بکواس ہے اور شرر کا فسانہ یا ناول قرآن کی تلاوت اور حدیث کی کتابت ہے یا عبارت۔

اس غلط فہمی سے کہ حضرت سکینہ کو کربلا میں نوحہ خوان صغیر السن سمجھتے ہیں۔ کیا اسلامی دنیا تباہ ہو رہی ہے۔ بربادی آتی ہے سارے عزت خاک میں مل جاتی ہے؟ ؟ اور انکے بے پردہ بے حجاب سمجھنے سے اسلام کو ترقی ہوگی۔ گئی ہوئی سلطنت پھر آئیگی۔ سب کا ایمان

درست ہوگا سب کے اخلاق پاکیزہ ہو جائیں گے۔ اتفاق و اتحاد قائم ہوگا
خدا آپکی بیخودی کو زائل کرے اور راہ راست کی ہدایت کرے اور اہلبیت اطہار کی
محبت آپ کے دلمیں دے کہ ایمان کسیطرح درست ہو۔ آپ نہیں سمجھتے کہ اہلبیت طاہرین
کی کیونکر عزت کیجاتی ہے لہذا دو ایک مثالوں سے سمجھائے دیتا ہوں۔
دیکھیے آپ کے علامہ شیخ شبلنجی کتاب نور الابصار میں تاریخ قرمانی اور عز...
اور مستطرف سے یہ کرامت حضرت نفیسہ کی جو (حضرت سکینہ کی بھیتجی اور امام حسنؑ کی
پوتی ہیں) نقل کرتے ہیں کہ جب احمد بن طولون حاکم مصر کا ظلم حد سے بڑھا تو لوگوں
نے حضرت نفیسہ سے فریاد کی اس پر حضرت نفیسہ نے ایک رقعہ لکھا اور خود اپنے ہاتھ
میں لیکر راہ میں کھڑی ہوئیں۔ جب ابن طولون کا وہاں سے گزر ہوا تو ...
پہچانا اور از راہ ادب گھوڑے سے اوتر پڑا اور وہ رقعہ اونکے ہاتھ سے لیکر ...
اور اپنے افعال و ظلم و ستم پر نادم ہوا اور تائب ہوا۔ اس حکایت کو لکھکر علامہ
مذکور لکھتے ہیں۔ قلت نسبته هذه المقالة الى السيد نفيسه صاحبة الترج...

من دودة بوجهين احدهما
نقلى وثانيهما ذوقى اما
النقلى فهوان ظهور الدوله
الطولونية التى اولها احمد
بن طولون كان فى سنة اربع
وخمسين وما ئتين على ما فى
تاريخ القرمانى ووفاة السيدة
نفيسه كانت فى رمضان سنة ٢٠٨ باتفاق
يعلم ذلك بمراجعة كتب التواريخ
واما الذوقى فهوان السيدة
نفيسه ليست من

اس حکایت کی نسبت حضرت نفیسہ کی
کیطرف دو وجہوں سے غلط ہے ایک یہ کہ ا...
بن طولون کے دولت کا زمانہ سنہ ٢٥٤ ...
یا سنہ ٢٥ میں تھا اور وفات حضرت نفیسہ ...
میں پھر اس واقعہ کا وقوع کیونکر ممکن ...
دوسری وجہ یہ ہے (ترجمہ لفظی) کہ سیدہ نفیسہ
اوباش عورتوں سے نہیں جس ...
کوئی غبی غافل چہ جائے فطن فاضل ...
گمان کرے کہ وہ جائیں احمد بن طولون
کیطرف اور راہ میں اوسکی منتظر کھڑی ...
ہاں ہوسکتا ہے کہ یہ قصہ کسی دوسری ...

اوباش الناس حتی یتوہم غبی متغافل فضلاً عن فطن عاقل انها مذہب الیٰ احمد بن طولون و تقفت بالطریق ینتظرہ ثم لا مانع من صدور ذلک من نفیسہ آخری

والقاسم صفحہ ۱۷۲ مصری

کیوں نجو و حضرت نفیسہ کا اس غرض سے کہ خلق اللہ کو بادشاہ ظالم کے پنجہ سے نجات دلوئیں صرف راہ میں کھڑا ہونا اور بادشاہ کی آمد کا انتظار کرنا اوباشی میں داخل ہے جس اس واقعہ سے انکار کیا گیا۔ تو یہ ستر کے یہ جملے کہ حضرت سکینہ حاکم مدینہ کے مقابلہ میں کھڑی ہو کر اوسکو گالیاں دلوائیں۔ آپ کے نزدیک کس قسم میں داخل ہے۔ پھر ایک مجمع کو شامی کہکر کوتوالی سے آدمی بلوانا۔ اور ایک عرب کے سامنے حسن کے فیصلے کیلئے بے حجاب جانا کس قسم میں داخل ہے کیا اسکے بعد بھی آپ کہینگے کہ ستر نے حضرت سکینہ کی توہین نہ کی اور جب ایسے علماء جو تاریخ کے مصنف ہیں اور مستطرف اور عقد کے تصنیف کرنے والے اس قسم کی غلطیاں کریں کہ پچاس برس کے بعد والے واقعات کو اسطرح ماقبل کیطرف منسوب کر جائیں اور کسیکو اوسپر تنبہ ہو تو اون بدمعاشوں کا کیا ذکر جنکی تصنیف و تالیف کا مدار چانڈو خانوں کی گپ پر ہو۔

دوسری مثال یہ ہے کہ شریک قاضی اور ربیع میں جو مہدی عباسی کا حاجب تھا باخود بار رقابت تھی دونوں اپنے اپنے داؤں گھات میں لگے رہتے۔ ربیع چاہتا تھا کسیطرح شریک قاضی کو زک دے مگر مہدی کچھ خیال نہ کرتا۔ اتفاقاً ایک روز مہدی نے خواب دیکھا کہ شریک قاضی جیسے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اس خواب کو اوس نے ربیع سے بیان کیا جو حاجب تھا۔ ربیع کو موقع ملا اوس نے کہا کہ قاضی آپ کے خلاف ہیں وہ فاطمی محض ہے۔ مہدی نے بلوا بھیجا اور کہا اے شریک میں نے سُنا ہے تو فاطمی ہے شریک نے جواب دیا کہ خدا نہ کرے کہ تم غیر فاطمی ہو۔ الا اینکہ فاطمی سے تمہاری مراد فاطمہ بنت کسریٰ ہو

مہدی میری مراد فاطمہ بنت رسول اللہ سے ہے۔

شریک قاضی۔ تو کیا آپ حضرت فاطمہ پر (معاذ اللہ) لعنت کرتے ہیں۔

مہدی۔ معاذ اللہ کہ میں اس کا مرتکب ہوں۔

شریک ۔ جو شخص حضرت فاطمہ پر لعنت کرے اوسکے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے۔
مہدی ۔ خود اسپر لعنت خدا ہے۔
شریک قاضی ۔ تو اچھا اس ربیع پر لعنت کیجیے کہ یہ حضرت فاطمہ پر لعنت کرتا ہے۔
ربیع ۔ نہیں واللہ۔ اے امیر المومنین میں ہرگز نہیں لعنت کرتا ہوں۔
شریک ۔ او بیہودے پھر کیوں تو نے سیدہ نساء العالمین کا ذکر کیا مردوں کی مجلس میں" عقد الفرید جلد اول ص ۱۴۱

اس مثال سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مسٹر شرر کس خطاب کے مستحق ہیں جبکہ انہوں نے حضرت سکینہ کا ناول یا بقول آپکے لا لغو ایسے پرچہ میں لکھا جسکے دیکھنے والے اکثر آوارہ مزاج رند مشرب ہوتے ہیں جن کا مشغلہ بجز عشق و عاشقی اور کچھ نہیں ہوتا۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا عیسائی یا مسلمان ۔ اور پھر آپنے اوس سیدہ مظلومہ کے وہ حالات منتخب کیے جنھیں کوئی شریف کسی شریف زادی کے لیے پسند نہیں کرتا۔

تیسری مثال ترجمہ صواعق محرقہ میں ہے ابو المطرف فتوی کرد بتادیب شدید در حق کسیکہ راضی نمیشد کہ زنے را سوگند در شب دہد و آن زن گفت اگر تو دختر ابوبکر باشی تراداروز سوگند خواہم داد فتوی بتادیب آنشخص بواسطہ آن داد کہ بے ادبی کردہ در بیان قضیہ نام دختر ابوبکر بردہ بود ص ۵۶

پس جب ضمنی طور پر بھی دختر ابوبکر کا نام لینا ایسے موقع پر کہ وہ کہے ہم اپنی عورت کو رات کو قسم نہ دینگے۔ اگرچہ وہ ابوبکر کی بیٹی ہو۔ ناجائز ہو اور قابل و مستحق تادیب و تعزیر ہو تو بجنور صاحب اپنے شرر کو خیال کیجیے کہ وہ کس امر کے مستحق ہیں اور انکا کیا حشر ہونا چاہیے ہائے اے دختران رسول و جگر گوشگان بتول! تمسے خلافت کیا چھنی کہ کسی تعظیم و ادب کے تم مستحق نہ رہے۔ دختر ابوبکر کا یہ ادب کیا جائے اور حضرت سکینہ کا اس طرح ناول لکھا جائے اور اس پر بجنور ہیں کہ شرر کو اسلام کی ترقی دینے والا کہتے ہیں اور اتفاق و اتحاد کے بڑھانے والے مانتے ہیں ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ بجنور دارد ٭ وائے گر از پس امروز بود فردائے

نجود صاحب! سچ کہئے گا اگر واقعات کربلا کا تذکرہ ہی چھوڑ دیا جائے تو آپ کس قدر خوش ہونگے؟ کیونکہ آپ کے امام غزالی تو اس کا فتویٰ دیچکے ہیں جو درعلی الواعظ ذکر الحسینؑ۔ اگر شیعہ بھی آپکی طرح عید عاشورہ منائیں تو آپکو کیسی مسرت ہوگی کہ غوث اعظم کی روح خوش ہوگی۔ تو صاف صاف یہی کیوں نہیں کہتے جو حضرت سکینہ کی صغر سنی اور وفات قید خانہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ عقائد و اعمال سے نہ اس کو تعلق ہے نہ اوسی کو۔ اور آج تک آپنے اسکے خلاف ثابت کیا۔

میں آپکی اس شرارت آمیز حملے کرنا خلاف شان اور بے سود ہی نہیں ہے بلکہ اصلاح کے نام سے افساد کا ثبوت دینا ہے" کیونکہ ایسے نجیب الطرفین لوگوںکے دین و ایمان کا مدار بغض آل رسول پر ہے جس پر بغض رسول موجود ہے وہ تو حمایت آل رسول کو ضرور حرام اور گناہ عظیم سمجھتے ہیں۔ دلگداز و مرقع عالم کی حمایت کو اپنا ایمان جانتے ہیں اون کے خدا و رسول تو شہر ہیں اور شہر کا دلگداز اونکی کتاب جس نے قیامت کے روز بلکہ قبر ہی میں سوال ہوگا۔

آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا آپ کے دل کو نور ایمان سے منور کرے اور محبت خدا و رسول عنایت فرمائے اگرچہ احادیث فریقین سے اس نژاد کے لوگوں کی بخشش محالات سے ہے۔

محمد حیدر عفی عنہ

یہ تحریریں

ابھی دبی چالوں سے چل رہی تھیں ۔ حیدر آباد میں ہل چل تھی ۔ تیسرا نمبر شرر کا
دب گیا تھا ۔ فتنہ فرو ہوا چاہتا تھا کہ شرر صاحب نے ایک دوسرا شرارہ بھرا ۔
مولوی سید مرتضیٰ صاحب کے آخری خط کا جواب دوسرے پیرایہ سے جریدۂ روزگار
میں شایع کرایا جو ایک مہمل تحریر تھی ۔ اوس کا جواب

روزانہ اخبار دہلی

میں حسب ذیل ۳ نمبروں میں چھپا ملاحظہ ہو ۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳ ۶ جولائی ۱۸۹۸ء

عذر گناہ بدتر از گناہ

آج ۲۸ رمضان کو میرے ایک دوست نے جریدۂ روزگار کے نمبر ۵۲ جلد ۲۳ مورخہ
۲۵ دسمبر ۱۸۹۷ء کے اس مضمون کو پیش کیا جو "خط و کتابت" کے ہیڈنگ سے تھا ۔
جسکے نیچے جلی قلم سے لکھا تھا "حضرت سکینہ کی سوانحعمری اور مولانا شرر لکھنوی"
چونکہ مجھے اس مضمون کی واقفیت پہلے سے تھی اسلئے نہایت مکروہ معلوم ہوا کہ اس مضمون
کو دیکھوں جس سے دماغ و دل میرا زخمی ہو ۔ مگر یہ خیال کہ شاید شرر صاحب نے کوئی معقول
معذرت کی ہوگی ۔ محرک ہوا کہ ایک دفعہ دیکھ جاؤں ۔

مگر افسوس ہے کہ میرا سابق خیال اور مستحکم ہو گیا ۔ بجائے معذرت شرر صاحب نے
اپنی تحریر کی اور تائید کی ہے اور اسناد بھی پیش کئے ہیں ۔

پہلے آپنے اس کا اظہار کیا ہے کہ ہم کو اہلبیت نبوی کی ویسی ہی محبت ہے
جیسے رسول اللہ کی ۔ جس سے شاید ہی کسی مسلمان کو انکار ہو ۔ مگر محبت
ایسی چیز نہیں ہے جو صرف زبانی دعوے سے ثابت ہو جائے جب
تک عملی طور پر ثابت نہ ہو ۔ کیونکہ شرر صاحب بھی اپنے کو محب اہلبیت کہتے ہیں

اور جن لوگوں کو اس تحریر پر اعتراض ہے وہ بھی اپنے کو محب اہلبیت ظاہر کرتے ہیں
شرر صاحب اپنی اس تحریر کو ذریعہ اظہار محبت و عقیدت بتاتے ہیں اور دوسرے
لوگ اس تحریر کو کمال درجہ کی بے ادبی اور توہین اہلبیت رسالت قرار دیتے ہیں
اور دونوں فریق مسلمان ہی ہیں جنھوں نے تمام اخباری دنیا میں یہ شور و ہنگامہ
پیدا کر دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اب عداوت و محبت کا تصفیہ شخصی طور پر کرنا پڑا
کہ آیا شرر صاحب بذات خاص دوست اہلبیت ہیں یا دشمن۔ جو ما بعد کی تحریر سے ظاہر
ہو جائیگا۔ دوسرا دعوے شرر صاحب کا یہ ہے کہ "اس مضمون میں ایک سطر بھی
شاید ایسی نہ ملیگی جو بے اصل ہو یا متداول اور مستند کتب تواریخ سے ثابت نہ
کیجا سکے" جس کے جواب میں نہایت زوروں کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ محض غلط ہے
سر مو برابر بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ سب بیان تاریخ سے خارج ہے۔ مورخ کا یہ وظیفہ
ہی نہیں جو ایسے امور کو لکھے یا درج تاریخ کرے۔ کیونکہ مورخ کے اغراض ہمیشہ واقعات
عظیمہ سے متعلق رہتے ہیں نہ مزاح و تفریح مذاق و دل لگی سے۔ شرر صاحب اپنے ثبوت میں
ان کتابوں کے نام بذیل تواریخ گنتے ہیں۔
ناسخ التواریخ۔ ابن اثیر۔ ابن خلکان۔ معارف ابن قتیبہ۔ آغانی لابی الفرج الاصبہانی
عقد الفرید۔ لابن عبد ربہ۔ اسمیں ناسخ التواریخ اور ابن اثیر تو البتہ کتاب تاریخ ہے
جس میں مفصل حالات زمانہ بقید سنہ وغیرہ مرقوم ہیں ان دونوں کتابوں میں کہیں ان
واقعات کا وجود بھی نہیں بجز اسکے کہ ابن اثیر نے مقتل مصعب بن زبیر میں عبد الملک کا قول
نقل کیا ہے "کہ مصعب کے عقد میں دونوں عقیلہ قریش عائشہ بنت طلحہ و سکینہ بنت حسین
تھیں" اور کچھ نہیں۔ ناسخ التواریخ حال کی تصنیف ہے جو متقدمین کا بلا تحقیق ذلہ خوار
ہے جس سے اگر ثابت ہوگا تو اسیقدر کہ حضرت سکینہ کا عقد مصعب بن زبیر سے
ہوا تھا جس سے یہاں کوئی بحث نہیں۔ ابن خلکان کتاب حال ہے جیسا کہ
اسکے نام وفیات الاعیان سے ظاہر ہے جس کا موضوع بحث مشاہیر کا حال لکھنا ہے
جس کو لائف یا بیوگرفی کہتے ہیں باینہمہ اوسمیں بھی کہیں اس جھل بیل دھوم دھام

دلربائی حسن فروشی کا تذکرہ نہیں - صرف مصعب کا عقد یا اس کا آرزو کرنا البتہ درج ہے
اور کوئی قصہ نہیں -
معارف ابن قتیبہ کو اگرچہ صاحب کشف الظنون نے تاریخوں میں گنا ہے مگر
علم نسب کی کتاب ہے - نہ تاریخ زمانہ ہے نہ تاریخ رجال - اسمیں بھی ان
واقعات کا کوئی وجود نہیں بجز عقد مصعب و دیگر عقد جس کو ہم آئندہ نقل کریں گے
رہی اغانی اور عقد الفرید ان دونوں کو کوئی نہ رجال کی کتاب مانتا ہے نہ
نہ تواریخ کی ان دونوں کا موضوع بحث حکایات و مضحکات کا جمع کرنا ہے جسمیں کہیں کہیں
واقعات لکھے گئے ہیں اور کہیں علماء کے حالات کہیں مغنیوں کے حالات کہیں عرب کا
کہیں کچھ کہیں کچھ اسی وجہ سے ان کتابوں کا شمار علم ادب میں ہے - نہ فن تاریخ میں نہ فن رجال
دیکھو کشف الظنون - یہی وجہ ہے کہ حال کے مصنف حافظ عبدالرحمن [illegible]
دیباچہ میں جہاں اور کتابوں کو لکھا ہے معارف و عقد الفرید کو متفرق لکھا ہے - اور
التصدیق میں ان کتابوں کو ادب کی کتاب گنا ہے - نہ رجال میں نہ سیر میں نہ
ہیں - یہاں پر بے اختیار مجھے خود شرر صاحب کا یہ مقولہ یاد پڑتا ہے کہ "خدا
اس امت مرحوم پر رحم کرے کہ بہت سے حضرات کو ابھی تک ناول اور سوانح
فرق نہیں معلوم ہے - کیونکہ شرر صاحب تو ان سے بھی بڑھ کر نکلے جو ادب کی
میں لے متفرقات کی کتابوں میں اور رجال کی کتابوں میں اور تواریخ میں بھی فرق
کر سکتے جو سب کو تاریخ بنا دیا اور راوی سیر مستند اور معتبر - بیشک بعض بعض واقعات
شرر صاحب کے ان موخر الذکر کتابوں میں ملتے ہیں مگر کوئی متنفس ان کتابوں کو
سمجھتا ہی نہ معتبر - مگر چونکہ شرر صاحب نے اختیار کی ہے اسکو ان کتابوں کے کوئی
نہیں - اگر شرر صاحب اپنی راست گوئی ثابت کیا چاہتے ہیں تو ان کتابوں کی
عبارت کو بعینہ بلفظہ و بسطرہ پبلک پر ظاہر کر دیں جس سے لوگوں کو اطمینان ہو اور
برأت ثابت ہو - ہم یہاں پر علامہ ابن خلدون کی عبارت کا ترجمہ لکھتے ہیں
قصہ مامون و بوران کو عقد الفرید ابن عبد ربہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

ے جو اُس سے ایسی حرکات سرزد ہوں جو عام فجار و فساق کے عادات ہیں کہ
ون کو انگشت نما تے ہیں۔ حسن بن سہل کی بیٹی بوران کو اُن امور سے کیا سروکار جو
صلاح و عفت کے گھرانہ سے ہو۔ امثال ان حکایات کی بہت ہیں اور کتب مورخین میں مشہور ہیں
حکایات کی بہت ہیں اور کتب مورخین میں مشہور ہیں۔ ان حکایات موضوعہ کے بنانے
والے وہی لوگ ہیں جو عیاشی و رندی میں منہمک رہتے ہیں کہ اپنے لئے ایک آڑ
قائم کریں اور بزرگوں کی تاسی و پیروی کو حیلہ قرار دیں۔ ایسے ہی لوگوں کا یہ شیوہ
ہے کہ اس قسم کی حکایتیں بناکر بزرگوں کی طرف منسوب کریں۔
افسوس کہ ابن خلدون تو ایسے واقعہ پر رو رہے ہیں اور اسکو نہیں دیکھتے کہ زمانہ نے
کیا پلٹا کھایا ہے۔ آپ خاص رسول اللہ کی پوتی امام حسین کی بیٹی کیلئے ایسے قصے تصنیف
کرتے ہیں۔
یہاں تک ابن خلدون کی عبارت نقل کیجاتی ہے جسمیں اوسکے لائق مصنف نے مسٹر
شرر کی اچھی طرح خبر لی ہے۔
ثالثًا۔ آپ لکھتے ہیں کہ "واقعات کی یہ حالت ہے کہ اس مضمون میں" اور ہم یہ سمجھتے کہ
تحقیق تو اسی میں ہے کہ مضامین مذکورہ آپکے واقعات ہیں یا کاذب اور آپ پہلے جو قتل ستار
ہ واقعات کے طے ہو چکے اپنی جگہ پر جمیل سے اور وہ تسلیم کر لیتے ہیں اور تسلیم کر کے فرض کر دہ
خرافات آپ کے واقعات ہیں۔ آپکی خوش فہمی اور بلند پروازی بھی ہزار آفرین کے
قابل ہے۔ ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است
رابعًا۔ آپ کا خصم آپکے اس کلام پر معارضہ کر سکتا ہے کہ اس مضمون میں ایک سطر بھی
شاید ایسی لیگی جو اصلیت سے کس رکھتی ہو یا مستند تواریخ سے ثابت کیجا سکے۔
وسیاتیک بما لا تعود اجاہیت و تربص حتی یاتیک الیقین
خامسًا۔ آپ نے بڑے زور و شور پر کل مسلمانوں کو اور تمام امت مرحومہ محمدیہ کو
قرن اول و سوانح عمری سے جاہل قرار دیکر داد تحقیق و بلند پروازی دی ہے یہ وہی امت
مرحومہ ہے جو مصداق کنتم خیر امۃ اخرجت للناس واقع ہے اور آج آپ

اُسکی اُمت پر لعن وطعن فرما رہے ہیں حقیقتہً آپ تو قرآن اور اسلام پر منکر ازلی ہیں
اسیوجہ سے تو آپ کا اقرار لسانی اسلام معرض بحث میں آ ہے۔

مولانا شررا! ہنوز دلی دور است ذرا اپنے تئیں دیکھیے اور کل امت محمدیہ کی تجہیل
تحمیق کو ملاحظہ فرمایئے جس میں افاضل علماء و حکماء و سادات عرفاء بھی داخل ہیں
تبحر اور فضل وکمال سے اگر آپکو ایک قطرے کی نسبت بھی ہوتی جو دریا کے دیکھا دیا ہے
یادام العمر آپکے فخر کو کافی تھا آپکی یہ تعدی اور بد زبانی لوازم جہل مرکب سے ہے مگر خیر میں اس کا
تحمل کرسکتا ہوں ؎ بدم گفتی و خورسند تعالی اللہ نکو گفتی۔ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خا را
یقین فرمایئے کہ میں بذات خاص آپکی ہر قاتل ادا پر صبر کرونگا اور کبھی آپکے اخلاص وعجز
قدم کے جادہ سے منحرف نہ ہونگا اور یہی کہوں گا ؎
چھوڑا ہے نہ چھوڑیگا ارے قاتل نہ بن لڑکا ؏ وفاداروں کے خون کا داغ کیا دھبہ کبھی
لیکن عام مسلمانوں کا کیا علاج میرے پاس ہے جن پر آپ چمک چمک کر حملہ کر رہے ہیں
رالعجا۔ آپ تو خود اس جہالت میں مبتلا ہیں کہ فن تاریخ اور فن قصص حکایات
یا فن ادب یا فن موسیقی و آغانی میں تفریق نہ کرسکے۔ آپ کے اس مضمون نا معقول
کا اصل ماخذ کتاب أغانی ابو الفرج اصفہانی ہے جسے آپ اپنی غفلت سے
کتاب تاریخ سمجھ رہے ہیں حالانکہ یہ کتاب فن تاریخ کی نہیں ہے بلکہ اس کتاب کا
موضوع آغانی ہے۔ اسیوجہ سے اس کتاب میں پہلی صوت کے عنوان سے اصل گیت
کو نقل کرتا ہے اور اسکے بعد غناء سے متعلق راگ اور راگنی اور ایقاعات کو ذکر کر
یہاں تک اصل مقصود سے بحث ہے اور اسکے بعد تطفلاً وحکایتہ وہ قصص وحکایات ذکر
کرتا ہے جو شعراء اور گانیوالیوں سے متعلق ہوں اب میں جلد اول ہی کی عبارت
نقل کرکے ناظرین کو دکھاتا ہوں کہ اصلی مقصود اس کتاب سے کیا ہے۔
هذا کتاب الفه علی بن الحسین بن محمد القرشی الکاتب المعروف بالاصبهانی
وجمع فیه ما حضره وامکنه جمعه من الاغانی العربیة قدیمها وحدیثها
ونسب کل ما ذکره منها الی قائل شعره وصانع لحنه وطرائقه من الفاء

واصحه التی نسب الیها من طرائقه واشتراک ان کان بین المغنین فیه الی اجزائه
اسکے علاوہ وہ نسب آغانی کو اسحاق بن ابراہیم موصلی سے ماخوذ کرتا ہے اور اسیکا مقلد ہے
خلفاے عباسیہ کا مشہور گویا تھا قال وکل ما ذکرنا فیه من نسب غانی الی اجناسها فعلی الا
مذهب اسحاق بن ابراهیم الموصلی اور پھر اسحاق موصلی کی کتاب کو موضوع بھی
قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ سرے سے اسحاق کی تصنیف ہی نہیں ہے بلکہ ایک جلد ساز نے خود
تصنیف کر کے اسحاق کیطرف منسوب کر دیا تھا بلکہ اوسکی روایات اور نسب آغانی کو مغنین
کیجانب سے سراسر کذب کہتا ہے قال آن رئیسا عرفنی انه بلغها ان الکتاب المنسوب الی اسحاق مدفوع
ان یکون من تالیفه وهو مع ذلک قلیل الفائدة وانه شاک فی نسبته لان اکثر اصحاب اسحق
ینکرونه لان ابنه حماداً اعظم الناس انکاراً لذلک ولعمری لقد صدق فیما ذکره واصاب
فیما انکره اخبرنی محمد بن خلف عن وکیع قال سمعت حماداً یقول ما الف ابی هذا الکتاب
قط ولا رآه والدلیل علی ذلک ان اکثر اشعاره المنسوبة التی جمعت فیه انما ذکر
فیها من الاخبار ما غنی فیه احد قط وان اکثر نسبه الی المغنین خطاء وانما وضعه
وراق کان لابی بعد وفاته واخبرنی احمد بن جعفر جحظه ان الوراق الذی
وضعه وکان یسمے لسندی الوراق وحانوته فی الشرقیة فی خان الزبل کان یورق
لاسحق بن ابراهیم فاتفق هو وشریک له علی وضعه اس پر ایک اور لطیفہ
یہ ہے کہ خود ابو الفرج اصفہانی اس مزخرف کتاب کی تصنیف پر جو دوامی ذلت اسکی
بیہودہ سرائی سے مترتب ہو سکتی تھی۔ اسکو خود بھی سمجھتا تھا اسی لئے لکھتا ہے کہ فتکلفت
ذلک علی کراهیة ان تو شرعنی فی هذا المعنی ما یبقی علی الایام مخلدا والی علی تطاولها
منسوبا انتهی ملخصا۔ لیکن کسی رئیس کی خوشامد میں اوس نے اپنی رسوائی کو جو
اس داستان سرائی سے ہمیشہ کیلئے حاصل ہے طمع مال و زر کی وجہ سے حقیر سمجھا۔
خیر اس بحث کو یہاں اس قدر طے کر کے آئندہ کے حوالہ پر اصل مقصد کیطرف رجوع کرتا ہوں
جسکی وجہ سے یہ سارا دفتر آغاز ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ اوسکے غنائیہ اشعار تو فن ادب میں داخل ہیں اور
انکی راگ راگنی وغیرہ فن موسیقی کے مسائل سے ہیں۔ فن موسیقی کو فن تاریخ سے متحد سمجھنا

خوش فہمی اور ذکاوت کی بہت بڑی دلیل ہے فن موسیقی فن ریاضی میں داخل ہے جو اقسام
اربعہ حکمت نظریہ کی ایک قسم ہے وبیانہ ان الاشیاء التی یبحث عنها فی الحکمة النظریة
لا یخلو اما ان یکون امورا یجب ان لا یفتقر وجودها وحدودها بالمواد الجسمانیة
اصلا او یفتقر فالاول هو العلم الالٰهی کذات الباری والعقول والوحدة والکثرة
والمعلول وغیرها فان خالط شیء منها المواد الجسمانیة فلا یکون ذلک علی سبیل
افتقار وهو فن فی المفارقات وفن فی الکلیات وموضوع هذین الفنین اعم الاشیاء
هو الوجود المطلق من حیث هو هو واما الذی یجب افتقاره بالمادة فلا یخلو اما ان
الخیال من تجریدها عنها او لا یفتقر فی تحققه موجودا الی خصوص مادة واستعداد
او لا یکون فالاول هو العلم الریاضی والتعلیمی کالتربیع والتثلیث والتدویر
والکرویة والمخروطیة والعدد وخواصه فهی تفتقر الی المادة فی وجودها لا فی
حدودها والثانی هو العلم الطبعی وعلوم التعالیم اربعة لانها موضوعها الکم
وهو اما متصل او منفصل والمتصل اما متحرک او ساکن فالمتحرک هو الهیئة
والساکن هو الهندسة والمنفصل اما ان یکون له نسبة تالیفیة او لا یکون
فالاول هو الموسیقی والثانی هو الحساب ومن فروع الموسیقی اتخاذ الالات
لحصول النغمات المبهجة للنفس المهیجة لقواها ودواعیها کالارغنون ونحوها
وموضوع العلم الموسیقی هو الالحان ویبحث فیه عن احوالها والالحان هی الاصوات
المنبعثة من الانسان او من الالات المصنوعة لحدود مختلفة
الاحوال هی البحث عن احوال النغمات ویبحث عن حروف امتداد
وتالیفها ونسبة ما بینها فعینوا تلک الدرجات والمقامات
بحروف واصوات بحیث لا یلتبس احدها بغیرها مما یناسبها
او یناسبها او ما ضاهاها فی جمیع الالات النغمیة فهو
مکاییل یوزن تلک بهذه وافردوا لجمیع النغمات وشعبها
واوتار معنیة یکال بها تلک وبینوا ارکان النسب والتالیف والترکیب

والافراد لعلم الحساب وغیرہ۔

اس فن کو فن تاریخ سے جس کا موضوع احوال اشخاص ملوک و اکابر و امم ہو کیا مناسبت وفائدۃ علم التاریخ العبرۃ بتلک الاحوال والتنصح بہا لیحترز عن الضرار المنقولة ویستجلب المنافع فی مقابلہا۔

اب یہ امر باقی رہا کہ کتاب اغانی میں شعرا اور دیگر خلفا بنی امیہ بنی عباس اور صد ہا رنڈیوں اور لونڈوں اور گانیوالوں اور گانیوالیوں کے ہر قسم کے قصص اور حکایات مذکور ہیں جس کا بہت بڑا حصہ شہوت خیز اور فحش اور سخت نجس و ناپاک ہے۔ بڑی بڑی داستانیں اسکے جنسے اس بیہودہ کتاب کے دفتر مملو ہیں فن تاریخ میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں مولانا شرر کو بڑی غلطی کیوجہ سے بہت دھوکا ہوا ہے یہ کتاب جز و مذکور سے قطع نظر کرکے بحیثیت کذائی فن قصص و حکایات اور فکاہات کا ایک دفتر طولانی ہے اور اس حیثیت سے یہ کتاب بھی مثل قصہ سیف ابن ذی یزن کے جو چند مجلد میں بزبان عربی ہے اور مصر میں طبع ہو چکا ہے قصہ کہانی کی ایک کتاب ہے۔ البتہ اس کتاب میں مصنف نے اپنی بیباکی اور رذالت کی خیال سے اکابر دین کو بھی ارباب ملاہی کے شمار کرکے اونکے لئے بھی عاشقانہ اور بیہودہ حکایات لکھے ہیں جنسے اسکے سوا دوسری کتب قصص عربیہ بالکل خالی ہیں۔

شرر صاحب کو شاید یہ خیال ہوگا کہ اس کتاب میں انہوں نے ہر قصہ کو اخبرنی کے عنوان سے معنعن طریقہ سے روایت کی ہے جیسا کہ طریقہ محدثین ہے اور اس وجہ سے آپ انکی کہانیوں کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں ہر قصہ کہانی کی کتابوں کو اسی طریقہ سے لکھنے کا دستور تھا چنانچہ کتاب مصارع العشاق جو استنبول میں طبع ہو چکی ہے اس شہادت کیلئے موجود ہے اسیوجہ سے جب انطاکی نے تزیین الاسواق لکھی تو اوسمیں معنعنات اسنادرو مصارع العشاق کو جو محض مجہول اور اکثر مجہول تھے حشو اور لغو سمجھکر اپنی کتاب سے صاف اوڑا دیا اور محض قصص اور اشعار کو مصارع العشاق سے لے لیا ہے جسکی ضرورت فن ادب میں تھی۔

اخبار فن تاریخ میں مطابقت واقع شرط ہے بخلاف اخبار فن حکایات و قصص کے کہ اوس میں مطابقت واقع شرط نہیں ہو سکتی اسیوجہ سے وہ غیر معتبر ہیں

فن تاریخ میں مرتبہ بشرط شئے متحقق ہے اور فن قصص میں لابشرط شئے ہے اور
وہ غیر مرتبہ بشرط لا شئے کے ہے۔
مولوی شرر صاحب کو اس دقیقہ سے محض بےخبری ہے اسیوجہ سے فن قصص کی کتاب
کو عین فن تاریخ سمجھے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔
وتحقیق هذه المسئلة ان للمهية بالقياس الى العوارض اعتبارات ثلثة احدها
ان توخذ بشرط مقارنتها ويسمى المهية المخلوطة والمهية بشرط شیٔ وقد
توخذ بشرط ان لا يقارنها شیٔ من العوارض ويسمى المهية المجردة والمهية
بشرط لا شیٔ وقد توخذ غير مشروطة لها بالمقارنة ولا بعدمها ويسمى
المطلقة والمهية لا بشرط شیٔ وليس ذلك تقسيما للشیٔ الى نفسه لان
المقسم عين المهية المطلقة وذلك لان المقسم حال المهية بالقياس
الى عوارضها وهو غير المقسم المذكور ثم يمكن ان يجعل ذلك تقسيما للمهية
ولا يرد ما اورد لان الانسان مثلا وان كان معتبرا من حيث هو الا ان
العقل ينظر اليه من غير النظر الى هذا الاعتبار ويقسمه الى المعتبر بهذا الا
عتبار والمعتبر بالنحو الآخرين فالمقسم هو طبيعة الانسان والقسم مفهوم
الانسان المعتبر على هذا النحو ولا شك ان الانسان اعم من الانسان المعتبر
على هذا النحو اعنی من هذا المفهوم وان كان بعينه هو فرد هذا المفهوم
فافهم چونکہ اس بیہودہ کتاب کو فن تاریخ میں داخل نہیں کر سکتے اسیوجہ سے ملا کاتب چلپی نے
کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون میں اس کتاب کو فہرست
کتب تواریخ میں نہیں لکھا ہے حالانکہ کشف الظنون میں ایک ہی جگہ ایک ہزار تین سو کتب تواریخ
کا نام لکھا ہے بلکہ آغانی کو علحدہ ذکر کیا ہے ہم مابعد میں اوس عبارت کشف الظنون پر بحث کرینگے
جو آغانی سے متعلق ہے۔ قصہ شیخ الرئیس ابن سینا جو زبان عربی مصر میں (۱۱۷) نسخہ پر طبع ہو
چکا ہے اوسکو بھی مولوی شرر صاحب کہدیجئے کہ سوانحمری ابن سینا کی ہے اس کتاب میں تخیل
وغیرہ بیہودہ حکایات کے حضرت سکینہ کا قصہ بھی لکھا ہے جس کو سوانحمری کہنا فہم و ادراک پر ظلم

ظلم کرتا ہے۔ سوانح عمری میں تو مطابقت واقع مشروط ہے اور قصص میں یہ شرط مفقود ہے
اِسے مولوی شرر صاحب غیر مرحوم کو معلوم ہوا ہوگا (بشرطیکہ سمجھ سکینگے) کرامت مرحوم
محمدیہ تمیز معنی ناول و سوانح عمری نہیں کرسکتی؟ یا وہ خود اس تمیز سے بے بہرہ ہیں ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ؛؛ میلش اندر طعنہ پاکان زند

خامساً۔ ناظرین کو یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مولوی شرر صاحب دو دعوی ایک ساتھ
فرماتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اونکے پرچہ دلگداز کے مضامین مبحوث عنہا کتب تواریخ سے ماخوذ
ہیں بلکہ مترجم اور ایک حرف بھی ترجمہ سے ایسا نہیں ہے جو اصل پر زائد ہو دوسری وہ
کتاب تاریخ جو ماخذ انکی ہے وہ مستند ہے دعوی اول کا حال تو ظاہر ہوچکا کہ وہ اپنی جہالت سے جس
کتاب کو کتاب تاریخ سمجھے ہوئے تھے وہ حقیقت میں کتاب تاریخ نہیں ہے بلکہ بیہودہ کہانیوں کی ایک
طولانی کتاب ہے دوسرے دعوے پر حضرت نے کوئی دلیل ذکر نہ فرمائی اگر فقط انھیں کا مستند و معتبر
کہدینا آغانی کے معتبر ہو جانیکے لئے کافی ہو تو پھر کیا کہنا ہے آغانی سے زیادہ اس
رعایت اور سرفرازی کیلئے خود انھیں کا پرچہ دلگداز مستحق ہے کیوں اسقدر تطویل لاطائل
سے انہوں نے کام لیا کہ آغانی پر اپنے ناول کا مدار رکھا اتنا ہی فرما دیا کافی تھا کہ جو کچھ ہم نے
لکھدیا ہے وہ مستند معتبر ہے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ انکا دلگداز جہاں علماء کی نظروں سے
گرا ہوا ہے وہاں اونکی جرح و قدح سے بھی امان میں ہے بخلاف آغانی کے جسکے بارے میں ابن حجر
عسقلانی فرماتے ہیں کان ابو الفرج الاصبہانی اکذب الناس کان یشتری شیئا
کثیرا من الصحف ثم یکون روایتہ کلہا منہا جس سے صاف ظاہر ہوا کہ ہمارے شرر صاحب کے
مقتدا اکذب الناس تھے اس پر اگر رانگنی والی کتاب مستند و معتبر ہے تو پھر
غیر معتبر کون سی کتاب ہوگی؟
ثامناً۔ آپنے بڑے زور و شور سے اپنے اثبات لیاقت و بصیرت کیلئے معترضین کو نالائق اور نا بینا
بنایا ہے ہم آپکے اس جاہلانہ حملہ اور بد زبانی کا جواب سکوت سے دینا مناسب سمجھتے ہیں اور
امام شافعی کے اس قطعہ کو اپنے عذر میں پیش کرتے ہیں۔

قالوا سکت وقد خوصمت قلت لہم ؛؛ ان الجواب لباب الشر مفتاح

والصمت عن جاہل او احمق شرف ٭ وفیہ ایضاً لصون العرض اصلاح
اما تری الاسد تخشی وھی صامتہ ٭ والکلب یخشی العمری وھو نباح

تاسعاً۔ ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ اس ناول بیہودہ کا اصلی ماخذ کتاب اغانی ہے ابن اثیر نے تاریخ میں اس ناول ناپاک کا کچھ بھی ذکر نہیں لکھا ہے مولوی شرر صاحب نے ناحق ان پر تہمت کی ہے اُسنے صرف اسقدر لکھا ہے "کہ عبد الملک بن مروان خلیفہ اموی نے ایک روز اپنے مصاحبین سے پوچھا من اشد الناس لوگوں نے کہا کہ فلاں اور فلاں بالآخر اُنے خود مصعب بن زبیر کو اس توصیف کیلیے پسند کیا اور کہا کہ کان عندہ عقیلتا قریش سکینۃ بنت الحسین وعائشہ بنت طلحہ[لہ] اسی مجلس میں ایک شخص نے کہا مصعب شراب انگوری نوش فرماتے تھے اونکی ثنا کیوں کیجاتی ہے قال کان ذلک قبل ان یطلب المروۃ فاما منذ طلبہا فلو علم ان الماء ینقص مروتہ ما ذاقہ تو جواب دیا یہ مے نوشی اوسوقت تک تھی کہ جب تک آدمیت کی خواہش کی تھی ورنہ اسکے بعد اگر پانی پینا بھی خلاف مروت ہوتا تو کبھی نہ پیتا اسکے سوا اور کوئی مضمون مولوی شرر صاحب کے ناول ناپاک کا اگر ابن اثیر نے ذکر کیا ہو تو اسکا نشان دیں اور ہم مابعد میں یہ بیان کرینگے کہ اسقدر مضمون بھی کہ حضرت سکینہ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا تھا فی نفسہ غلط ہے فانتظروا

عاشراً۔ ابن خلکان کو بھی مولوی شرر صاحب نے ناحق بدنام کیا ہے انکی کتاب میں بھی اس ناول کے کسی مضمون کا پتہ نہیں ہے البتہ اونسے صرف اسقدر لکھا ہے السیدۃ سکینۃ بنت الحسین بن علی بن ابی طالب کانت سیدۃ نساء

لہ اگر صاحبان عقل غور کریں تو خود اس سوال وجواب سے اس قصہ کی لغویت ظاہر ہو جائے کیونکہ اشد الناس ہونے میں اور کان عندہ عقیلتا قریش میں کوئی لگاؤ ہے نہ ربط جو قریش کی دونوں عاقلہ کے عقد سے انکی اشدیت ثابت ہو سکے جس سے صاف معلوم ہوا کہ خیرخواہان آل زبیر نے صرف اس غرض سے کہ کسیطرح فضیلت مصعب باقرار عبد الملک ثابت ہو یہ جملہ گڑھ کر اوسکی نسبت کردیا ورنہ عقلمند کی زبان سے تو کبھی ایسا جملہ نہیں نکل سکتا جس میں دعوی دلیل میں کوئی نسبت نہ ہو سوال از آسمان جواب از ریسمان کا مضمون ہو ۱۲ ایڈیٹر

عصرها ومن اجمل النساء واظرفهن واحسنهن اخلاقاً وتزوجها مصعب بن زبير فهلك عنها ثم تزوجها عبد الله بن عثمان بن عبد الله بن حکیم بن خرام فولدت له قريناً ثم تزوجها الاصبغ بن عبد العزيز بن مروان وفارقها قبل الدخول ثم تزوجها زید بن عمرو بن عثمان بن عفان فامره سليمان بن عبد الملك بطلاقها ففعل وقيل فی ترتیب ازواجها غیر ذلك والطرة السكينة منسوبة اليها ولها نوادر وحكايات ظريفه مع الشعراء وغيرهم من ذلك ما يروى انها وقفت على عروة بن اذينه وكان من اعيان العلماء وكبار الصالحين فقالت له انت القائل ؎ اذا وجدت اوار الحب فی كبدی ذهبت نحو سقاء الماء ابترد — هبنی بردت ببرد الماء ظاهره + فمن لنار على الاحشاء تتقد — فقال لها نعم فقالت انت انت القائل + قالت وانتهيما ستری وحب به قد كنت عندی تحب الستر فاستتر — الست تبصر من حولی فقلت لها — غطی هواك وما القی علی بصری قال نعم فالتفتت الی جوار كن حولها وقالت هن حرائر ان كان خرج هذا من قلب سليم قط وكانت وفات سكينة بالمدينة يوم الخميس لخمس خلون من شهر ربيع الاول سنة سبع عشرة ومائة وقيل اسمها امنه وقيل امينه وقيل اميمه وسكينة لقبتها به امها الرباب ابنة امراء القيس بن عدی وقال محمد بن السائب الكلبی النسابة سالنی عبد الله بن الحسين بن الحسن بن علی ابن ابی طالب رض عن اسم سكينة ابنه الحسين بن علی رض فقلت اميمه فقال اصبت انتهى كلامه کوئی عاقل جو ذرا عربی عبارت سمجھ سکتا ہے۔

مولوی شتر صاحب سے پوچھیے کہ اس عبارت میں آپ کے خرافات کا ادنیٰ کہیں نشان ہے؟!

اور آگے چلکر ہم اس کلام ابن خلکان کی تغلیط ظاہر کرینگے۔ اور بتائیں گے کہ اس کلام کا ماخذ بھی وہی آغانی ہے جس کا مولف نسل بنی امیہ سے ہے۔

(۱۱) معارف ابن قتیبہ کا نام بھی مولوی شتر صاحب نے لیا ہے اور اپنی سند

میں اس کتاب کو بھی لکھیا ہے۔ ہم نے اس کتاب کو اول سے آخر تک اس رسالہ کی تحریر
کے وقت دیکھا لیکن کہیں اس کتاب میں اس سراسر جھوٹے ناول کا کوئی مضمون مرقوم
نہیں ہے صرف اسمیں اس قدر عبارت واقع ہے سکینة امها الرباب بنت امرء القیس
الکلبیة وفیها یقول الحسین لعمرک اننی لاحب دارا تحل بها سکینة والرباب
تزوجها مصعب بن الزبیر فهلک عنها فتزوجها عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ
بن حکیم بن حزام فولدت له قریناً وله عقب ثم تزوجها الاصبغ بن عبد العزیز
بن مروان ففارقها قبل ان یدخل بها ثم تزوجها زید بن عمرو بن عثمان بن عفان
فامره سلیمان بن عبد الملک بطلاقها ففعل وماتت بالمدینة فی خلافة
هشام هذا اقول الی الیقظان
وقال الهیثم بن عدی حدثنی صالح بن حسان وغیره قال کانت سکینة
عند عمر بن حکیم بن حزام ثم تزوجها بعده عمرو بن عثمان بن عفان ثم تزوجها
بعده مصعب بن الزبیر قال ابن الکلبی اول ازواج سکینة الاصبغ بن
عبد العزیز اخو عمر بن عبد العزیز ثم مات عنها بمصر ولم یرها ثم خلف علیها زید
بن عمرو بن عثمان بن عفان ثم خلف علیها مصعب بن زبیر ثم خلف علیها عبد اللہ
بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام فولدت له عثمان الذی یقال له قرین وکانت
ولدت من مصعب جاریة ثم خلف علیها ابراهیم بن عبد الرحمن بن عوف جد
ابراهیم بن سعد الفقیه۔
اور ابن قتیبہ کی بے اعتباری بھی عنقریب ثابت ہوگی کیونکہ امام حاکم فرماتے ہیں
اجمعت الامه علی ان القتیبی کذاب اور خود ان اقوال میں جو تخالف و تناقض
ہے آئندہ ظاہر کیا جائیگا۔
(۱۲) ناسخ التواریخ میں سوائے ذکر تزویج حضرت سکینہ کے جسکی
تحقیق مابعد میں مذکور ہوگی۔ اور کوئی مضمون اس ناول کا مرقوم نہیں
ہے اسلئے اس کتاب سے بھی استناد محض لغو ہے اُس نے خود اس ناول

کو عامیانہ سخن قرار دینے کا اشارہ کر دیا ہے اور منقول عنہ اُسکی بھی وہی کتاب آغانی ہے۔ وسیاتیک تفصیلہ وتنقیحہ

(۱۳) عقد الفرید ابن عبد ربہ کا نام بھی اپنی فہرس میں مولوی شرر صاحب نے داخل کرلیا ہے۔ اُسکی بھی یہی حالت ہے کہ اس افسانہ بیہودہ سے قطعاً خالی ہے البتہ اسمیں بھی وہی مضمون ہے جو توصیف مصعب میں بزبان عبد الملک بن مروان ابن اثیر سے منقول ہو چکا اور اوس کے بعد یہ عبارت ہے۔

وقالوا کان تحت مصعب عقیلتا قریش عائشہ بنت طلحہ وسکینہ بنت الحسین ولما قتل مصعب خرجت سکینۃ بنت الحسین ترید المدینۃ فاطاف بہا اھل العراق وقالوا احسن اللہ صحابتک یا ابنۃ رسول اللہ فقالت لا جزاکم اللہ عنی خیرا ولا اخلف علیکم بخیر من اھل بلد قتلتم ابی وجدی وعمی وزوجی وایتمتمونی صغیرۃ وارملتمونی کبیرۃ۔

ہاں عقد الفرید میں اس مقام پر توصیف عبد الملک بن مروان کے بعد یہ لطیفہ بھی منقول ہے ولما قتل مصعب دخل الناس علی عبد الملک یھنونہ ودخل معھم شاعر فانشد لہ

اللہ اعطاک التی لا فوقہا	وقد اراد الملحدون عوقہا
عنک ویابی اللہ الا سوقہا	الیک حتی قلدوک طوقہا

فامر لہ بعشرۃ الاف درھم انتھی اس شاعر نے جو مصعب کو ملحد بنایا تو عبد الملک ادیر اس قدر خوش ہوا کہ دس ہزار درہم اُسنے خزانہ شاہی انعام میں بخشدئیے۔ حالانکہ اسکی بخالت تمام عالم میں مشہور ہے۔ اب خود ناظرین خیال فرما سکتے ہیں کہ جس شخص کو عبد الملک ملحد سمجھتا ہو اُسکی توصیف میں اوسکی شر انجواری کیونکر انکار کرسکتا ہے۔ کیا ملحد سے شر انجواری مستبعد ہے در حالیکہ عبد الملک کو اس سے جانی عداوت بھی تھی اور قبل حکومت آسکی مے خواری کا اقرار بھی کر چکا ہو تو ایسا ملحد جو ایک حکومت اور سلطنت پر فائز ہو وہ شر انجواری محض بنظر

مروت ترک کرسکتا ہو ع چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ ملحد سے اور مروت سے کیا مناسبت ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ مجمع میں مے پرستی نہ کرے لیکن ملحد جو شراب کا عادی ہو تخلیہ اور خاص صحبت میں کبھی بنت العنب سے ہم آغوش نہ رہے اسکے کیا معنی پھر مسلمان یہاں یہ بھی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ کیا ایسے ملحد اور شرابی سے ہمارے رسول کی نواسی کی شادی برضامندی ممکن ہے؟ اسلئے کہ جبر و اکراہ کا تو کوئی ثبوت کلام مولوی شرر صاحب سے نہیں ملتا بلکہ اسکے خلاف پر اونکا کلام دلالت کرتا ہے اسپر تفصیلی بحث مابعد میں مذکور ہوگی۔

تیسری بحث شرر صاحب کی تاریخ کے بارے میں ہے کہ بعض حضرات سرے سے تاریخ ہی ماننے سے انکار کرتے ہیں جو ایک بیکار سی تقریر ہے کیونکہ مطلق تاریخ سے کسیکو انکار نہیں۔ ہاں مذہبی روایات کے مقابلہ میں وہ ہیچ ہے یا عام طور پر بلالحاظ قواعد روایت و درایت قابل قبول نہیں جسپر ایک مدلل بحث علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں کی ہے اور کچھ مضامین اسکے رسالہ اصلاح میں بھی شایع ہوئے ہیں جو فی الحال ہماری رسالہ پٹنہ میں شایع ہوتا ہے جسمیں صاف طور پر دکھایا گیا ہے کہ علم تواریخ سے انکار نہیں مگر اتنی وقعت بھی نہیں کہ اسپر ایمان لایا جائے۔ یا آنکھ بند کرکے ہر واقعہ اُس کا قبول کرلیا جائے۔

شرر صاحب اس تاریخی بحث کا خاتمہ یوں کرتے ہیں "یہ خوب یقینی طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ اخبار روایت کا سلسلہ رہتی دنیا تک رہیگا" جس کا مطلب میں سمجھ نہ سکا کہ کون تاریخ کا منکر ہے یا اُسکے عدم کا مدعی ہے یا اس کا زوال چاہتا ہے جس کو آپ سمجھاتے ہیں ہاں آپکو یہ سمجھنا چاہیے کہ رہتی دنیا تک واقعات کی چھان بین ہوتی رہیگی اسلاف کی غلطیاں نکلتی رہینگی۔ وہ زمانہ گیا کہ لوگ آنکھ بند کرکے فلاں علامہ فلاں شیخ فلاں محدث کے لکھدینے پر ایمان لاتے تھے یا قبول کرلیتے تھے۔ شرر صاحب سمجھ رکھیں کہ تاریخ میں کیا کیا باتیں ہیں وہ کیا کیا باتیں بتاتی ہیں۔ کتنے واقعات دکھاتی ہیں جس سے اسلام کے کسی نہ کسی فرقہ کا ضرور ضرر ہے کیا آپنے اغانی کو مستطرف کو عقد الفرید وغیرہ کو تاریخ سمجھ رکھا ہے؟ یہ آپکی غلط فہمی ہے شرر صاحب کو اس جملہ سے بڑی تکلیف ہوئی "کہ اغانی عربی میں ایک کتاب ہے جو تیرہ دور

کے حالات میں ہے" کیونکہ اسمیں نہ اسحٰق معنی کا حال ہے نہ ہارون رشید و مامون کی لونڈیوں کا۔ نہ سمیہ کا۔ نہ نابغہ کا نہ دیگر ذوات الاعلام کا نہ عرب کفار جاہلیت کا نہ ان کی جنگجوئی کا۔ نہ زناکاری و شر الجواری کا۔ اسمیں تو فقط محدثین فقہا خلفا ابنیا بیٹھے ہوئے ہیں یا حضرت! ہم آپ پر۔ آغانی والے پر۔ عقد الفرید والے پر۔ جاحظ پر۔ ایک ہی ساتھ روتے ہیں جس کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں ص توجب رسول اللہ کے اقوال یوں لکھے جائیں تو حضرت سکینہ عائشہ بنت طلحہ یا دیگر صحابیہ کا حال مندرج آغانی ہونا کیونکر تعجب خیز ہو سکتا ہے؟ اسی ذیل میں مسٹر رضا صاحب آغانی کو مستند بھی ٹھہراتے ہیں "انصاف فرمائیے کہ یہ ایک بہت بڑی ۲۰ جلد والی کتاب ہے جس کی تعریف میں تمام بعد کی کتابیں بھری پڑی ہیں" غرض آغانی کا حجم زیادہ ہونا اُس کے حجم کا ۲۰ جلدوں میں تقسیم ہونا اسکے مستند ہونیکی دلیل ہے۔

مگر کیا مسٹر رضا صاحب نے بستان خیال کی حجیم ۱۶ جلدیں نہیں دیکھیں الف لیلہ کی عربی میں پانچ چار جلدیں نہیں دیکھی ہیں جو ۲۰ جلد ہونے سے مستند ہونا ثابت کیا چاہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ مسٹر رضا صاحب ایسا دعوے کرتے ہیں جسکی تائید کسی مستند عالم کے قول سے نہیں ہوتی کیونکہ ابوالفرج مولف آغانی کا نسل بنی اُمیہ سے ہی ہونا اُسکی بے اعتمادی کیلئے کافی ہے مگر علامہ ابن حجر عسقلانی اس شخص کی نسبت لسان المیزان میں نقل کرتے ہیں کان ابوالفرج الاصبہانی اکذب الناس کان یشتری شیئاً کثیرا من الصحف ثم تکون روایاته کلها منها۔ اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس شخص کو علامہ ابن حجر سا محقق اکذب الناس کہے اُس کو مسٹر رضا صاحب کیونکر مستند کہہ سکتے ہیں اسیطرح یہ ہے کہ خود مسٹر رضا صاحب اسی دلگداز میں حضرت شہربانو رہنے والے مضمون میں لکھ چکے ہیں" ابن قتیبہ اور طبری من حیث التاریخ تمام کتابوں کا منبع اور مصنفین کا مرجع ہیں اُنکو آغانی پر ترجیح ہے" جس سے ظاہر ہے کہ آغانی اُس درجہ سے گری ہے جو طبری اور ابن قتیبہ کا درجہ ہے۔ حالانکہ خود ابن قتیبہ کی نسبت علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں قال الحاکم اجمعت الامۃ علی ان القتیبی کذاب وقال فی مرآۃ الزمان قال الدارقطنی کان ابن قتیبہ یمیل الی التشبیہ منحرفا عن العترۃ وکلامہ یدل علیه۔ کہا امام حاکم نے کہ امت نے

ص کہ جاحظ ایک طرف مجنونوں کی حکایتیں لکھتا ہے اور وہیں پر رسول اللہ ﷺ کے اقوال بھی نقل کرتا ہے!

اجماع کیا ہے اسپر کہ ابن قتیبہ کذاب ہے اور دار قطنی نے کہا کہ ابن قتیبہ قایل ہے تشبیہ کا اور منحرف تھا عترت اہلبیت سے جس پر اُس کا کلام دلالت کرتا ہے۔

اب اہل فہم خود نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب ابن قتیبہ (جو بقول شرر صاحب آغانی سے بہتر اور مرجح ہے) باجماع امت کذاب ہے اور دشمن اہل بیت طاہرین سے ہے تو اغانی کس گنتی میں ہے حالانکہ عسقلانی نے تو تصریح کردی کہ وہ کذاب ہی نہیں بلکہ اکذب الناس ہے۔

اگرچہ شرر صاحب کی تحریر مجھے مجبور کرتی ہے کہ ان کتابوں کی پوری حالت بیباکی سے ظاہر کر دوں مگر بہت سے خیالات روک رہے ہیں جن سے میرا قلم رُکتا ہے اور اگر انکا یہی انداز رہا تو تابکے؟ ہاں ہاں حق بھی تو دیکھئے کہ نام تو آپ نے بہت سے مورخوں کے گنائے ہیں مگر سب کے مرجع ابن قتیبہ ہی صاحب ٹھہرتے ہیں جنکی وفات سنہ ۲۷۶ھ میں ہے اور ابوالفرج صاحب آغانی اور ابن عبدربہ صاحب عقد الفرید اون سے متاخر ہیں۔ تو بقول شرر صاحب یہی قول ابن قتیبہ مرجح و متبع ہے بعد کے مصنفوں کا۔

اب انکی المعارف ہی ملاحظہ ہو جو ناقل ہے حضرت سکینہ کی تعدد تزویج کا بلا کسی ادنیٰ تامل کے کہ اُس میں کتنا اختلاف ہے پہلا قول یہ ہے کہ اول مصعب بن زبیر سے عقد ہوا پھر عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے پھر اصبغ بن عبد العزیز بن مروان سے پھر زید بن عمرو بن عثمان سے جس نے بحکم سلیمان بن عبدالملک طلاق دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے عمرو بن حکیم بن حزام سے عقد ہوا پھر عمرو بن عثمان سے تب مصعب بن زبیر سے تیسرا قول یہ ہے کہ پہلے اصبغ بن عبد العزیز پھر زید بن عمرو بن عثمان پھر مصعب بن زبیر پھر عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام پھر ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف ص ۲۷ مطبوعہ مصر

ان ناموں میں عبداللہ بن حسن علیہ السلام کا کہیں نام ہی نہیں جن کو شرر صاحب نام اول فرماتے ہیں اب فرمائیے ان تین مختلف اقوال سے آپ کس پر ایمان لاتے ہیں اور کس دلیل سے افسوس ہے کہ شرر صاحب نے اپنے اعتقاد کی بنیاد اُس ریتلی زمین پر قائم کی ہے جو ایک آن کیلئے بھی نہیں ٹھہر سکتی اور اُسپر دعوی تحقیق ہے اسی المعارف کی لغویت سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آغانی اور عقد الفرید کا کتنا وزن ہوگا۔

شرر صاحب نے اپنے نوٹ میں ناسخ التواریخ کی بے احتیاطی اور بے اعتمادی پر بھی کچھ اعتراض کیا ہے جس سے ایک گونہ ہمکو بھی اتفاق ہے مگر قتیبہ صاحب کی اس تحقیق کے بعد تسکین ہو جاتی ہے کہ جب ایسے ایسے محققین متقدمین کو جنپر تمام بعد والی تصنیفوں کا دار و مدار ہو۔ باوصف قرب زمانہ اتنے اختلافات پیش آئیں جس کو وہ نہ سلجھا سکے۔ تو متاخرین غیر محققین کی بے عنوانیوں پر کیا رو دُوں۔

اس اختلافی رجسٹر میں دو تین نمبر اور شامل کر لیجئے تو محدثین و محققین و مورخین کے اختلافات کا حال بخوبی ظاہر ہو جائے۔

(۱) ابن صبان اسعاف الراغبین میں۔ شیخ حسن حمزاوی مشارق الانوار میں علامہ ابن صباغ مالکی سے ناقل ہیں کہ حضرت سکینہ بوجہ استغراق معرفت الٰہی قابل شادی نہ تھیں (۲) طبقات کبریٰ شعرانی۔ طبقات مناوی۔ سیر شامی۔ سیر حلبی وغیرہ میں مرقوم ہے کہ حضرت سکینہ کی قبر مصر میں ہے بمقام قراعہ یا مراغہ جسکی ترمیم و تعمیر بھی ۱۱۷۳ھ میں ہوئی ہے۔
(۳) امام نووی ناقل ہیں کہ دمشق میں مدفون ہیں۔ (۴) قول اکثر یہ ہے کہ مدینہ مقدسہ میں دفن ہوئیں اب ہم یہ نہیں سمجھتے کہ شرر صاحب ان اختلافوں میں کس ذریعے سے فیصلہ کرکے اپنی محققانہ رائے قائم کرینگے اور دوسروں کو اسکے قبول پر مجبور کرینگے

یہاں میں نے محققین مورخین محدثین واقعہ نویس سب کے اقوال مختصر طور پر لکھدیئے ہیں اور اگر کچھ طول دیا جائے تو ایک دفتر ہو جائے جسکی گنجایش یہاں نہیں۔ مگر یہ واضح رہے کہ یہ سب تحریریں یا کل روایتیں اُن آرائشوں سے معرا ہیں جنکو شرر صاحب نے اپنے ناول کی زینت دہی کو درج مضمون کیا ہے۔

شرر صاحب تاریخوں کے نام لکھنے کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں "یہ وہ واقعات ہیں جو سلف سے آجتک معتبر و مستند تواریخ کے اوراق میں چلے آتے ہیں اور اُردو زبان اگر ترقی کرنیوالی ہے تو بتدریج و ترتیب سب اسمیں آجائیں گے یہ نہیں تو پھر اکوئی اور بھائی پیدا ہوگا اور کوئی واقعات کو صاف طور پر ہر شخص کے سامنے پیش کر دیگا"

اسمیں یہ جملہ تو غلط ہے کہ معتبر و مستند تواریخ کے اوراق میں چلے آتے ہیں جسکو میں نے

مختصر طور پر ظاہر بھی کر دیا باقی مضمون صحیح ہے جب آپ سے ترقی کرنیوالے اشخاص کی [illegible]
تو کہاں تک ایسے واقعات چھپ سکتے ہیں خود آل زبیر کے انساب بھی ظاہر ہو جا[illegible]
عقد الفرید کا یہ مضمون بھی سب کے رو برو ہوگا اول نجم سطع فی المتعہ نجم آل زبیر [illegible]
کہ سب سے پہلے جو متعہ کی انگشت روشن ہوئی تو نجم آل زبیر تھی۔ یہ بھی مضمون اسی [illegible]
میں ہے کہ جب ابن زبیر کے امور درست ہوئے حرمین و عراقین پر تسلط ہوا تو بعض بنی ہاشم [illegible]
طعن کرنا شروع کیا جبکہ ابن زبیر عبداللہ بن عباس و محمد بن حنفیہ وغیرہ بنی ہاشم سے
بیعت ہونے سب نے انکار کیا تو ابن زبیر نے انکو گالیاں دینی شروع کیں۔
منبروں پر انکو برا بھلا کہنا شروع کیا خطبہ سے رسول اللہ ؐ کا نام بھی ساقط ک[illegible]
کہ حضرت کا نام تک لیتے جب لوگوں نے اعتراض کیا تو کہا ہم دلمیں کہہ لیتے ہیں زبان [illegible]
نہیں کہتے کہ حضرت کا نام سنکر بنی ہاشم خوش اور مسرور ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ ہم کو عداو[illegible]
اس چیز سے ہے جس سے ان کو خوشی ہو پھر کہا کہ اگر تم لوگ بنی ہاشم میری بیعت نہ کروگے
تم لوگوں کو آگ سے جلا دینگے۔ بعدہ محمد بن حنفیہ کو مع پندرہ آدمیوں کے جو بنی ہا[illegible]
سے تھے اس قیدخانہ میں مقید کیا جس کا نام سجن عارم تھا کہ مختار کی فوج نے
لوگوں کو اس قیدخانہ سے نکالا صفحہ ۲۵۲ ج ۳ عقد الفرید اور مسعودی اور مروج الذہب [illegible]
ہے کہ چالیس روز تک ابن زبیر نے رسول اللہ پر صلوۃ و سلام بھیجنا موقوف رکھا [illegible]
کہ ہم چالیس برس سے تم اہلبیت کی عداوت دلمیں چھپائے ہوئے ہیں صفحہ ۱۶۳ حاشیہ کامل [illegible]
اور عروۃ بن زبیر اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی اس آگ لگانیوالی ترکیب کی یاد[illegible]
ہے کہ ان لوگوں کو جو قید کیا تھا اور جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کی تھیں اسکی غرض [illegible]
کہ ان لوگوں سے ڈرا دھمکا کر بیعت لیں جیسا کہ پہلے ان کے ساتھ کیا گیا تھا کہ [illegible]
وغیرہ جمع کی گئیں جلانے کیلئے جس وقت سے بیعت انکار کیا تھا۔ محمد بن حنفیہ کے جلائے جانے [illegible]
ایک گھنٹہ باقی تھا کہ لشکر مختار آیا کیونکہ ابن زبیر کہہ رہے تھے کہ ہم کو صرف غروب آفتاب
کا انتظار ہے کہ اس قیدخانہ کو جلا دیں جسمیں محمد بن حنفیہ قید ہیں صفحہ ۱۶۰ ج ۶ غرض [illegible]
ترقی کے ساتھ حجاب اور رواقعات ظاہر ہونگے یہ واقعات بھی اپنا جلوہ [illegible]

جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ بجز قومی تفرقہ کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلیگا جس سے اسلام کا انحلال بسرحد عدم ہو جائے۔

شرر صاحب اُن لوگوں کو دشمن حقیقی اہلبیت سمجھتے ہیں جو اُن الفاظ کو غیر مہذب اور دل دُکھانیوالے الفاظ سمجھتے ہیں اور شکریہ کے ساتھ ایک نئے لوکل اخبار سے (جس کا نام نسیم سحر اور ایڈیٹر کا نام منشی قدرت اللہ مضطر ہے) نقل کرتے ہیں جسکی کچھ تشریح بھی کی ہے بذلہ سنج صاحب لطیفہ گو فیشن کی موجد۔ فیشن کی لیڈر۔ نسبی فخر کا ناز خودداری کا خیال ہر دلعزیز بننے کی خواہش (۲) زندہ دل خوبصورت بانکا جوڑا بانکپن۔ وضعدار۔ ناز آفرین بی بی۔ دھوم دھام۔ چہل پہل۔ ان الفاظ کی نسبت عام طور پر شرر صاحب لکھتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں کونسا لفظ توہین کرنیوالا ہے اور اس سے کیا توہین ہوتی ہے۔ اگر یہ الفاظ رسول مقبول صلعم یا آپ کی محبوب بیوی جناب عائشہ صدیقہ رضہ کی نسبت استعمال کئے جائیں تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے بیجا ہے اسکے بعد بعض خاص خاص لفظوں کی نسبت کچھ تاویل کی ہے حقیقت یہ ہے کہ لفظی بحثوں میں اکثر نزاع لفظی پیدا ہو جاتی ہے جو محض بے سود ہے ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کسکی کیا شان ہے اگرچہ یہ مسئلہ ابھی بحث طلب ہے کہ الفاظ کے ذریعے توہین ہو سکتی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعی کوئی شخص ذی عزت ہے۔ تو ذلت والے الفاظ اُسکے دامن عزت پر کیا دھبہ لگا سکتے ہیں اسیطرح ذلیل کو الفاظ کیونکر معزز بنا سکتے ہیں۔ مگر قائل بہر حال۔ جب تعزیر ٹھہر نگا ورنہ اصول تمدن برہم ہوتے ہیں بہر حال ان مباحثہ کی تصفیہ کی جگہ نہیں بلکہ اس کا تصفیہ یوں کرو کہ اپنے محاورات میں دیکھو جو لوگ مقدس مانے جاتے ہیں انکی نسبت عام طور پر یہ الفاظ بولے جاتے ہیں یا نہیں یوں بھی نہ ہو سکے تو اسطرح تصفیہ کرو کہ ایک طرف بازاری عورتوں کے حسن دلفریب کو بیان کرو دوسر طرف شریف زادیوں پیرزادیوں کے حسن کی تعریف کرو یا اُن شہزادیوں کی جنکی حکومت میں رہتے ہو پھر دیکھو بانکپن۔ بانکا جوڑا۔ بذلہ سنج لطیفہ گو زندہ دل خوبصورت وغیرہ الفاظ کہاں صرف ہوتے ہیں جس سے آپ سمجھ جائیں گے کہ واقعی آپ نے غلطی کی ہے یا نہیں اب ان الفاظ کو چھوڑ کر ہم مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ تم حضرت مریم

حضرت خدیجہ حضرت عائشہ جناب فاطمہ زہرا جناب زینب جناب ام کلثوم کے حق میں لیڈی یا
میم (جو محض معمولی الفاظ ہیں مگر غیر زبان کے) سنو گے تو تم خوش ہو گے یا ناراض؟ اور جاری
رکھو گے یا نہیں؟ اسکو تو سب جانتے ہیں انبیا خلفا ائمہ علما ہم سے ہی انسان تھے۔ تو الد و تناسل
اکل و شرب سب ہوتا تھا۔ اعضائے انسانی سب ملے تھے قرآن میں بھی وہ الفاظ
ہیں احادیث میں بھی موقع سے وارد ہیں۔ مگر کیا تم اپنے محاورات میں ان حالات کو ان
اعضا کا نام لوگے اور عام طور پر بیان کرو گے اگر کل اہل اسلام اسکو قبول کریں تو ہم
ہو جائیں گے۔ مگر بجز شرر صاحب کسی کے کلام میں دیکھا نہیں گیا۔ شرر صاحب نے اشعب
ڈربہ میں بند ہونا اور انڈا سینا دلگداز میں لکھا بھی تھا مگر یہاں اسپر مستزاد کیا ہے کہ ایک
تاریخی اور صحیح واقعہ ہے جس کا منشا وہی غلط فہمی ہے جو انھوں نے آغانی کو تاریخ
کی کتاب سمجھا ہے حالانکہ ہم بیان کر چکے ہیں آغانی نہ تاریخ ہے نہ اُس کا مصنف مستند
بلکہ اکذب الناس ہے اب دیکھیے کہ اشعب کو آپ غلام حضرت سکینہ فرماتے ہیں حالانکہ آپ کے
امام ابن عبد ربہ اسکو غلام فاطمہ بنت عثمان لکھتے ہیں کہ خود اشعب کہتا ہے ہمارا اور
کا قصہ عجیب ہے کہ ہم دونوں کفالت میں تھے فاطمہ بنت عثمان کی ابو زیاد اوپر بڑھتا گیا
ہم نیچے گھٹتے آئے صفحہ ۳۴ ج ۳

ہمکو یہاں ایک لطیفہ یاد پڑتا ہے جو مصنف تصحیح تاریخ نے اصلاح نمبر ۳ میں لکھا ہے کہ ایک
شاعر اس پر بگڑ بیٹھا کہ ہم نے داستان امیر حمزہ کو لغو اور مہمل کہا جس پر شاعر نے کہا
کتاب اور جھوٹی ہو معاذ اللہ!

شرر صاحب کا یہ کہنا البتہ کسیقدر درست ہے "اسلام پکارنیوالے اپنا ہر گھونسہ جو اپنی سمجھ
میں مخالف پر اٹھاتے ہیں دراصل اسلام ہی پر پڑتا ہے کیسی کو ضرر نہیں پہونچانے اور اگر
پہونچاتے ہیں تو اسلام کو۔ بے شرموں سے پوچھیے کہ عیسائی مشنری کلکتہ کی سڑکوں پر
اور تمہارے گھروں کے سامنے کیا کہہ رہے ہیں اور کس کو گالیاں دے رہے ہیں۔ ہندوستان
کے تمام گاؤں میں آریہ سماجیوں کی آواز کس ناپاک الفاظ سے گونج رہی ہے مگر اپنا انھیں غیرت
آئیگی ہاں اسکے لئے تیار ہیں کہ کوئی مسلمان ملے تو اُسے سولی پر لٹکا دیں"۔
کیونکہ جب شرر صاحب نے مسلمان پر آپکے اعتراض کیا تو یہ عیسائی نہیں آریہ سماجی نہیں ہیں

جو خاموش ہو جائیں بلکہ اُنکا غصہ اور تیز ہوگا ہر رطب اور یابس کو اگل پڑینگے جس سے
خواہی نخواہی اسلام ہی کا نقصان ہوگا

دوسری وجہ یہ ہوگی شرر صاحب سے لوگ زیادہ واقف ہیں اور ہر قوم و ہر ملت کے
لوگ جو اردو لٹریچر کے شایق ہیں اونکے کلام کو زیادہ مستند مانینگے گو کیسا ہی لغو کیوں
ہو تو اُس کا اثر بھی اسلام ہی پر پڑیگا کہ شرر صاحب اپنی سخن پروری میں ضرور اُن
مطالب کو دہرائینگے اور دلوں میں زیادہ متمکن ہوتے جائیں گے۔

یہ غصہ بہت بجا ہے کہ ”مشنریوں آریہ سماجیوں پر مسلمانوں کو غصہ نہیں آتا اور شرر
صاحب پر سب ناراض ہیں کیا اُنکو یہ نہیں معلوم الکفر ملة واحدہ“

ہم اون الفاظ کا اعادہ نہیں چاہتے جو مسلمانوں کے حق میں شرر صاحب نے استعمال
کئے ہیں مگر اسقدر پوچھتے ہیں کہ آپ میں اور مشنریوں وغیرہ میں کیا فرق رہا وہ خاص
رسول اللہ پر حملہ آور ہیں اور آپ مسلمان ہو کر اولاد رسول کی توہین کرتے ہیں مگر افسوس
ہے تو اس کا کہ جو روش آپ نے اختیار کی ہے عیسائی وغیرہ وہاں تک نہیں پہونچے ہیں نہ پہونچ
سکتے ہیں ہاں یہ بھی تو فرمائیے کہ آپ نے پیش زبان اردو میں ہی روح پھونکنے والے تصور کرتے ہیں
کرنیچ فرمائیے اس روح کو پھونکنے والی اردو سے آپنے اسلام کی کونسی حمایت کی کن کن مشنریوں کا
جواب دیا۔ کون کون آریہ سماجیوں کو پچھاڑا کون سے مسئلہ کی تحقیق کی۔ کون سا الزام مخالفین اسلام کا
رفع کیا۔ کون سی اسلامی خدمت بجالائے جو نازاں ہیں کیا ورجنا والی ناول کو
پیش کیجئیگا۔ یا بعض عیسائی عورتوں کی جو غلط سلط لکھی ہے اُسپر فخر کیجئے گا۔ اگر ایسے ہی ناولوں
سے اسلام کی رونق یا اغیار کی ذلت ہو سکتی ہے تو کیا جعفر و عباسہ کے ناول اور آپکی
حضرت شہربانو والی اور حضرت سکینہ والی تحریر سے اسلام کی ذلت نہیں ہوتی۔ دیکھئے تو
مشنری یا آریہ سماجی وغیرہ کی بحث تو صرف رسول اللہ ہی تک محدود ہے کہ معاذ اللہ از راہ عیاشی
تعدد ازواج کو جاری کیا آپ اُنکے اعتراضوں کو اور تیز کر رہے ہیں کہ صرف مردوں ہی نے اس صنعت کو
نہیں جاری کیا بلکہ اس خاندان کی عورتیں بھی ویسی ہی وضعدار ناز آفریں وغیرہ تھیں (معاذ اللہ)
ہائے ای اسلام! مسلمان ہی جب تیرے دشمن ہوں تو تو کیونکر بچیگا دیکھو تو علمائے سلف

کہاں کہاں قرآن میں تاویل کرتے صحاح ستہ کو القت کردیتے تاریخ طبری وغیرہ کو اُڑا دیتے
اور اب یہ زمانہ آگیا ناولوں فسانوں کی کتابوں سے خاص ذریت رسول کی بے حرمتی ہوتی
ہے شررصاحب کو اگر عقد بیوگان کی ترویج کی فکر ہے تو کیا فقیں واقعات سے آپ کامیاب
ہوں گے۔ قرآن و حدیث سے نہیں کام چل سکتا ازواج رسول سے عہدہ برآری نہیں
جو ان غلط واقعات کے آپ درپے ہوئے۔

یہاں شرر صاحب نے ملا جامی کے شعر سے بھی استدلال کیا ہے جو انھوں نے حضرت زلیخا
کی تعریف میں لکھا ہے ع گرمیش کوہ اما سیم سادہ۔

اور آگے بڑھ کے دوسری جگہ ہے ۵ نہ خازن بردہ سوئے حقہ در + نہ خائن داد قفلش را شکست
جس سے اسکی تو تسکین ہو گئی کہ شرر صاحب نے بھی شاعرانہ رنگ میں یہ تحریر لکھی ہے مگر کم
ہے تو اس کا کہ حضرت جامی شاعری میں جو سراپا لکھ رہے ہیں کتنا ادب کرتے ہیں اور شرر
صاحب اپنے مضمون کو شاعری سے الگ کرکے تاریخی صحیح واقعہ بیان کرنے میں کتنی خطا
کرتے ہیں اسکے بعد شرر صاحب نے مولود خوانی اور مجلس عزا کی بھی خبر لی ہے کہ رسول اللہ کی
ولادت میں دردزہ تک کو بیان کر جاتے ہیں اور دیکھو کہ ذاکرین مصائب سید الشہدا
میں کس بیباکی اور دریدہ دہنی سے خاتونان خاندان رسالت کو بے پردہ دوڑا
باہر نکال رہے ہیں اور کسطرح اُنکے رونے پیٹنے اور بیان کرنیکی تصویر نامحرموں کو دکھاتے
جسکا یہ مطلب ہے کہ پھر اُنکی دریدہ دہنی اور بے باکی پر کیوں لوگ نالاں ہیں مگر افسوس
یہ نہ سمجھا کہ مولود خواں یا مرثیہ خواں اپنے خیال وعقیدہ میں ایک ثواب کا کام کررہے ہیں
گو وہ عقیدہ آپکے نزدیک غلط ہو مگر آپ بلا لحاظ ثواب اس بیباکی سے کام لیتے ہیں جو
آپ بھی نہیں سمجھتے کہ دردزہ ہونے یا قید ہونے یا چادر چھینی اور بانکپن وضعداری
دلفریبی میں کیا فرق ہے تو کوئی کیا سمجھا سکتا ہے۔

ہائی وڈیر۔ وہاں خاتونان رسالت کی مصیبت دکھائی جاتی ہے جس سے تمامی اہل اسلام
کو بلکہ تمامی افراد انسانی کو ہمدردی ہو اور ہونی چاہیئے۔ اور یہاں آپ وہ باتیں دکھاتے
ہیں جس کو کوئی شریف کسی شریف زادی کی نسبت پسند نہیں کرتا۔

شرر صاحب کا یہ کلام بھی صحیح ہے "حقیقت یہ ہے کہ وہ پاک اور معصوم بی بیاں جن کے دامن عصمت میں ہمارا ہاتھ دھبہ نہیں لگا سکتا ہم سے اتنے مافوق ہیں کہ ان پر ہماری عورتوں کا قیاس ہی غلط ہے جناب رسول اللہ کا مولد بیان کرتے ہیں مگر اپنے لڑکوں کا نہیں بیان کر سکتے۔ ہم خاندان نبوت کی مظلومیاں دکھاتے ہیں مگر اپنی نہیں دکھا سکتے" مگر کیا اس کے یہی مطلب ہو سکتے ہیں کہ گو ہمارا ہاتھ دھبہ نہ لگا سکے مگر لگائے جائیں اتہام افترا کئے جائیں گے؟ کیا اسکے یہی مطلب ہو سکتے ہیں کہ گو اُنکی آسمانی اور خداداد عزت تو محافظ ہے قید کرنے اسیر کرنے دربدر پھرانے سے کیا ہوگا۔

تو جو لوگ پہلے اسیر کر چکے قیدی بنا چکے اُن کا بھی شاید یہی خیال تھا۔

واہ رے انصاف کہ شرر صاحب فرماتے ہیں "اسیطرح ہم پاک بی بیوں کا حسن و جمال اور انکا مذاق سخن تمام لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتے ہیں مگر اپنی عورتوں کی یہ باتیں نہیں پیش کر سکتے" صاحب! یہ کیا ابھی تو آپ کہہ چکے ہیں۔ میں تو اپنے خیالات کے رو سے ہر مسلمان بھائی بہن کیلئے انھیں اوصاف کی دعا مانگا کرتا ہوں۔ اور یہاں آپ یہ فرماتے ہیں کہ اپنی عورتوں کی یہ باتیں نہیں پیش کر سکتے۔ سچ ہے سچ ہے خاص رسول اللہ صلعم کی پوتی امام حسین کی بیٹی ہی کیلئے ان حالات کے بیان کرنیکا آپ کو اختیار ملا ہے اور اپنی عورتوں کا نہیں۔ سچ ہے جب قید ہو چکیں دربدر پھر چکیں شمر کے طمانچے کھا چکیں تو اُن کی عزت ہی کہاں رہی جو آپ کو تامل ہو۔

یک حسینے نیست کو گردد شہید ورنہ بسیار اند در عالم یزید

اس افسوس میں تو میں بھی شریک ہوں "افسوس کہ لائف ادھوری اور اُردو زبان ایک بڑی برکت سے محروم رہ گئی" مگر بایں خیال کہ شرر صاحب کا بخار پورا نہ نکلا دبا رہ گیا۔ کاش وہ اپنی تحریر پوری کر دیتے تو خوب ہوتا کہ ہر شخص کو اُنکے دوستدار اہلبیت ہونیکا علم الیقین ہو جاتا۔ ورنہ اس سیدہ مظلومہ کی کوئی حالت ایسی نہیں جو مسلمانوں کیلئے دلخراش ہو لہذا اگر ولادت سے جو مصنف چھیلے اس کا خاتمہ مرنے پر بھی نہ ہو اکیونکہ یہی ابوالفرج آغانی والا ناقل ہے "وفات حضرت سکینہ کے وقت خالد بن عبد الملک حاکم مدینہ تھا اجازت نماز جنازہ اُس سے

لیگئی تو کہلا بھیجا میں آتا ہوں صبح سے شام تک لوگ اسی انتظار میں رہے یہانتک کہ نماز عشا
وقت آیا نصف شب ہو گئی۔ سبھوں نے اُٹھکر علحدہ علحدہ نماز پڑھی اور چلے گئے محمد بن
عبداللہ محض نے جو حضرت سکینہ کے بھانجے فاطمہ بنت حسین کے بیٹے تھے چار سو اشرفی
کا عنبر عود و دیگر عطریات خرید کر جنازہ پر ڈالا یہاں تک کہ صبح ہوئی اُسوقت خالد نے اجازت
دی کہ اچھا نماز پڑھو لو جسکے بعد نماز ہوئی اور دفن کی گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیوں شرر صاحب یہی مضمون نہ اس لائف میں باقی رہ گیا ہی جس سے آپکی اردو ایک بڑی
برکت سے محروم رہ گئی ہے۔

اس واقعہ سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں ایک حسب خواہش شرر صاحب حسب تحریر تھی اُس مظلومہ کی
مگر آپ جانتے ہیں یہ سیدہ اسی شخص کی پوتی ہے جسکی نعش تین روز تک مدفون نہ ہوئی اور
اُسی کی بیٹی ہے جسکی نعش مدتوں زمین گرم کربلا پر پڑی رہی۔ اور مسلمانوں نے توجہ نہ کی
دوسرا نتیجہ یہ نکلیگا کہ سلف سے آج تک مسلمانوں کو اس خاندان سے کتنا تعلق رہا ہی کہ گو
حاکم مدینہ ایک روز و شب برابر نعش اُس مظلومہ کی پڑی رہی دفن نہ ہو سکی۔

ہائے یہ مصائب تو اسوقت کے تھے مگر اب شرر کے ہاتھوں اُس مظلومہ کے مصائب دو
ہو رہے ہیں اور بنی امیہ کے دلی بخارات نکل رہے ہیں اور اسپر اسلام کی ہمدردی کا دعویٰ کیا جاتا
ہم کو چونکہ معلوم ہوا ہے کہ ایک دوسرے اسلامی ہمدرد نے نہایت پُرزور عنوان سے دلگداز
کی اسی بحث کا جواب لکھنا شروع کیا ہے جو پبلک میں بہت جلد شایع ہوگا لہذا ہم اسیقدر
پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ بہت اچھی طرح ان کتابوں کی اور ان واقعات کی حالت دکھلاتے
جس سے معلوم ہو جاتا کہ اس واقعہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ محض غلط افترا و تہمت بندی
ہے اور انشاءاللہ اگر ہم زندہ ہیں تو دیکھینگے وہ علامہ عصر کیا قدرت خدا دکھاتا ہے
جس کا اشتہار "جواب شرر" کے نام سے آپ اصلاح کے نمبروں میں ملاحظہ کرتے ہیں
خدا وہ دن جلد لائے جو یہ متبرک رسالہ شایع ہو اور اہل اسلام پر شرر صاحب کی
بدنیتی ظاہر ہو۔

محمد حیدر — از پٹنہ محلہ گنذری

شرر کا تلیسر نمبر

جتنی تحریریں ابھی تک شایع ہوئیں وہ سب شرر صاحب کی انھیں دو تحریروں سے متعلق ہیں جو شروع میں لکھی گئیں اس عرصہ میں بہت سے انقلابات کے۔ یہانتک کہ شرر حیدرآباد سے علحدہ ہوئے اور پھر ادنکو آزادی ملی۔ لہذا جس قدر بخار انکے دلمیں باقی تھا وہ سب لکھنؤ آکر اس تیسری تحریر میں نکالا گیا۔ حالانکہ اب اسکی ضرورت نہ تھی اکثر مضامین اس کے نکل چکے تھے۔ مگر چونکہ وہ ایسے مضامین کو اردو کے حق میں برکت سمجھتے ہیں۔ لہذا اپنے ارادہ کی تکمیل کی اور ناقص نہ رہنے دیا جو حسب ذیل ہے دلگداز ۱۲ جلد ۶

سکینہ بنت حسینؑ

نمبر ۳

جناب سکینہ کا عقد زید کے ساتھ ابتدائً تو بہت ہی مبارک نظر آتا تھا جیسا کہ مذکورہ بالا فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسلئے کہ زید نے ابتدا میں ایسی اطاعت و فرمانبرداری ظاہر کی جس سے زیادہ امکان سے باہر تھی اور ہماری زندہ دل سیدزادی کو بھی کوئی شکایت کا موقع نہ ملا کبھی کوئی ایسا معاملہ نہ پیش آیا کہ جناب سکینہ نے کسی امر کی خواہش کی ہو اور زید کیطرف سے عذر ہوا ہو لیکن آخر کب تک! ایسی نازآفرینی و نازبرداری زندگی بھر نہ نبھ سکتی تھی۔ آخر ہوتے ہوتے یہ نوبت پہونچی کہ زید تو نازبرداری سے تھک گئے۔ اور جناب سکینہ کی ناز آفرینیاں بدستور جاری تھیں۔ اور لطف یہ کہ زید اپنی لاڈلی اور خوش خصال بی بی سے ڈرتے بھی بہت تھے یہ بھی مجال نہ تھی کہ بات کو کبھی ٹال سکیں یا بالمشافہ کسی حکم سے انکار کریں۔ الغرض نتیجہ یہ ہوا کہ بی بی سے تنگ آ کے بے کچھ کہے سنے مدینہ طیبہ کو چھوڑ دیا اور اپنی مقطوعہ میں جا کے بیٹھ رہے۔ ہاں ہر چند خوبصورت لونڈیاں فراہم کر لیں اور انکی صحبت میں دل کی کلفت مٹانے لگے۔

ان دنوں عمر بن عبد العزیز جو بعد کو بنی امیہ کا سب سے زیادہ نیک نفس خلیفہ ثابت ہوا والی مدینہ تھا۔ جناب سکینہ نے جب دیکھا کہ سات مہینے ہو گئے اور زید خبر نہیں لیتے تو اسکے پاس جا کے زید کی شکایت کی اور فرمایا کہ زید نے نکاح میں یہ شرط کی تھی کہ اگر کسی اور عورت کو ہاتھ لگائیں یا اپنی کسی چیز پہ مجھے تصرف کرنے سے باز رکھیں۔ یا کسی سفر سے مجھے منع کریں تو میں آزاد ہوں۔ اور یہی آپ چاہتی تھیں کہ زید سے مفارقت ہو جائے اور کسی اور شریف عرب سے نکاح کر لیں۔ عمر بن عبد العزیز نے زید کو حاضری کا حکم دیا اور ابن حزم کو حکم دیا کہ اس مقدمے کا فیصلہ کر دے۔

جس روایت سے اس مقدمہ کا مفصل حال ہم تک پہنچا ہے وہ دلچسپ اور پبلک میں پیش کرنے کے قابل ہے۔ اسلئے کہ اس سے جناب سکینہ کے جری اور بیخوف ہونیکے علاوہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ اس عہد میں مقدمات کس طرح حاکم کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ اور اجلاس کی کیا شان رہتی تھی۔ ابو بکر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے مجھے اور محمد بن معقل بن سنان اشجعی کو بھیجا کہ جا کے روداد مقدمہ کی نگرانی کریں۔ ہم دونوں پہنچے زید ابن حزم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اُسکے قریب ہی ایک حجرے میں ابن حزم کی بی بی فاطمہ تھیں۔ ہمارے جانیکے تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ جناب سکینہ تشریف لائیں۔ ابن حزم نے حکم دیا کہ آپ اندر یعنی اجلاس میں تن تنہا تشریف لائیں۔ مگر ہماری وضعدار اور بہادر سیدانی نے قطعاً انکار کیا۔ اور فرمایا۔ میں اپنی لونڈیوں سے جدا نہیں ہو سکتی ابن حزم نے مجبوراً اجازت دی۔ اور آپ اپنی خادماؤں کے جھرمٹ میں اندر تشریف لائیں۔ اندر آتے ہی ایک لونڈی کو اشارہ کیا۔ اُسنے فوراً بڑھ کے فرش بچھا دیا جسے ساتھ لائی تھی۔ اور آپ نہایت ہی شان و تمکنت سے اسپر بیٹھ گئیں۔ آپکے آتے ہی بیچارے زید کی یہ حالت ہوئی کہ ساعت بساعت زیادہ دبکتے جاتے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ تخت کے نیچے گھس جائینگے مقدمے کی ابتدا یوں ہوئی کہ ابن حزم نے جناب سکینہ کیطرف دیکھکے کہا "اے حسین کی بیٹی اللہ جل شانہ پسند کرتا ہے کہ ہر امر میں اعتدال سے کام لیا جائے" آپنے جواب دیا "اور میری کون سی بات اعتدال سے باہر دیکھی ہے؟ تمہاری تو وہی مثل ہوئی کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا

نظر آتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں سجھائی دیتا"۔ ابن حزم نے بگڑ کے کہا "کیا کہوں تم عورت ہو
مرد ہوتا تو اپنی سطوت دکھاتا"۔ جناب سکینہ نے برافروختہ ہو کے فرمایا "کمبخت مجھے دھمکا
رہا ہے؟" اور اسکے بعد آپ نے اُسے بہت کچھ سخت و سُست کہا۔ اور ابن حزم بھی برہمی سے جواب
دینے لگا۔ ابن ابی الجہم عدوی روداد مقدمہ کو دیکھ رہا تھا۔ جب یہاں تک نوبت پہونچی
تو اُسنے ابن حزم کو روک کر کہا "تم کو اسکی اجازت نہیں ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ اور لڑنے
جھگڑنے سے باز آؤ"۔ ابن ابی الجہم کا یہ ریمارک سُنکے جناب سکینہ نے اُسے کسیقدر تعجب
سے دیکھا۔ اور پھر اپنی ایک لونڈی کیطرف متوجہ ہو کے دریافت فرمایا "یہ کون شخص ہے؟" اُسنے بتایا
کہ "ابو بکر بن ابی الجہم"۔ اتنا معلوم ہوتے ہی آپنے فرمایا "جس صحبت میں میری نسبت سخت کلمات
استعمال کئے جاتے ہوں اُسمیں تیرا موجود ہونا مجھے نہیں گوارا ہے"۔ اور اسکے ساتھ ہی آپ بعض
شرفاے قریش کو نام لے لیکے پکارنے لگیں۔ ابن ابی الجہم یہ سُن کے برہم ہوا۔ مگر کچھ کہنے
نہیں پایا تھا کہ آپ پھر ابن حزم کیطرف متوجہ ہو کے فرمانے لگیں "میرے اصحاب جیتے زندہ
موجود ہوتے تو اس یہودی غلام کو دریدہ دہنی کی پوری سزا مل جاتی۔ دشمن خدا
مجھے تو کوستا ہے اور خود نہیں دیکھتا کہ رسول اللہ صلعم نے جب یہود ضنانہ کو جلا وطن کیا
ہے تو یہ بھی اُنھیں کے دین کی پابندی میں اُنکے ساتھ نکلا تھا"۔ الغرض جناب سکینہ نے ایسی
ایسی کی باتیں کہیں اور اس جرأت اور دلیری سے ادا کیں کہ ابن حزم خاموش ہو گیا۔ پھر
آپ نے بھی زبان روک لی۔

اب ابن حزم نے زید کو مخاطب کیا۔ اور کہا "تم ہی جناب سکینہ سے گفتگو کرو"۔ زید بیچارے پہلے ہی
سے دبے ہوئے تھے۔ بیچارے کے مُنہ سے آواز تک نہ نکلتی تھی۔ مگر جناب سکینہ نے انکا ذرا
لحاظ بھی نہ کیا۔ اور فرمانے لگیں "زید یہ نہ سمجھو کہ میں تم کو پھر ملجاؤں گی۔ کیا یہ سمجھے
ہو کہ تم سات مہینے تک اپنی لونڈیوں میں رہو گے اور میں پھر چلی آؤنگی؟ قسم کھاتی ہوں
کہ آج کے بعد پھر تم میری صورت بھی نہ دیکھ پاؤ گے"۔ یہی الفاظ آپ بار بار فرماتی تھیں۔
دوسرا پُر لطف یہ کہ ابن حزم دل ہی دلمیں کٹا جاتا تھا اسلئے کہ اُسکی بی بی فاطمہ جناب سکینہ کی ہم
بانو کی محسن بھی تھی۔ بلکہ آپ کے ہر جملے پر عمداً کوئی ایسی حرکت کرتی کہ ابن حزم دل ہی دل میں جلتا

اور شرمندہ ہو جاتا۔ وہ کسی طرح نہ چاہتا تھا کہ یہ باتیں اُسکی بی بی کے کان تک پہنچیں۔ اور خاصۃً اسلئے کہ جناب سکینہ نے اُس کا ذرا بھی دباؤ نہ مانا۔ اُسنے گستاخ ہونیکا اقرار ہی کیا تھا کہ آپ نے خوب خبر لی۔ آخر گھبرا کے اُسنے یہ فیصلہ کر دیا کہ سکینہ کو اپنے دعویٰ یعنی زید کی عہد شکنی پر دلیل لانی چاہیئے۔ ورنہ زید سے قسم لیجائیگی۔ جناب سکینہ نے ابن حزم کے اس فیصلے کی بھی پروا نہ کی اور زید کیطرف دیکھ کے کہا "اے ابو عثمان (زید کی کنیت ہے) مجھے ایک نظر اور دیکھ لو۔ خدا کی قسم آج کے بعد پھر یہ دولت نہ نصیب ہوگی"۔ خلاصہ یہ کہ ابن حزم سے کچھ نہ بنی مبہوت ہو کے رہ گیا۔ اور آپ اُٹھیں چلی آئیں۔

یہ جاڑوں کی رت تھی۔ اور عمر بن عبدالعزیز کا اس مقدمے میں اسقدر دل لگا ہوا تھا کہ ابوبکر بن عبداللہ جب مقدمے کے حالات پر بیان کرنے کے لئے آیا تو باہر ہی کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ ابوبکر کی زبان سے یہ حالات سنکے اس کو اسقدر ہنسی آئی کہ ہنستے ہنستے پیٹ پکڑ لیا۔ دوسرے دن صبح کو اُسنے زید کو بلوا کے حلف لی اور جب انھوں نے قسم کھالی تو اُسنے حکم دیا کہ جناب سکینہ کو مفارقت نہیں حاصل ہو سکتی۔ اس کے بعد کسی تاریخی شہادت سے نہیں پتہ چلتا کہ آپ زید کے گھر میں رہیں یا نہیں۔ اُن سے رخصت ہوتے وقت آپنے جو وعدہ کیا تھا۔ اور قسم کھائی تھی اُس سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس عدالتی فیصلے سے زید کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے ہونگے۔ عمر بن عبدالعزیز نے یہ بڑی بھاری غلطی کی تھی کہ قریش کے اعلیٰ سے اعلیٰ شرفا کا ایک مقدمہ ایک ایسی شخص کے سپرد کیا جس کو مدینے میں کوئی خاندانی وقعت نہیں حاصل تھی اور یہ ظاہر ہے کہ ہزار مظلومیت اور ہزار بیکسی نے لپسی ہو۔ مگر جناب سیّدہ کی پوتی معمولی درجے کے نوخیز لوگوں کا ہرگز دباؤ نہ مان سکتی تھی۔ اس مقدمے میں ایسے لوگوں کو حکم یا جج ہونا چاہیئے تھا جو خاندانی حیثیت سے قریش اور بنی ہاشم میں اعلیٰ وقعت رکھتے تھے۔ خود عمر بن عبدالعزیز متوجہ ہوتا تو بھی اتنی بے لطفی نہ ہوتی۔ اور محض یہی سبب تھا کہ جناب سکینہ نے جج ہی کو کچھ خطرے میں لائیں۔ اور نہ اُن لوگوں کو جو رپورٹر کی حیثیت سے بھیجے گئے تھے۔ اور آپ کا یہ خودداری کا غرور سراسر بجا تھا۔ زمانہ ہزار پلٹے کھائے یہ نہیں ممکن تھا کہ پیمبرزادیاں اپنے فخر کو بھول جائیں۔

ہمارا قیاس ہے کہ جناب سکینہ اس واقعے کے بعد سے پھر زید کے پاس نہیں گئیں۔ اُنکو عدالت

ے کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ مگر اس کامیابی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے آخر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اونکو رائے دی کہ "نکاح میں تم نے جو شرطیں کی ہیں وہ تم سے کسیطرح نہ ہو سکیں گی بہتر ہو کہ سکینہ کو خود انھیں کی مرضی پر چھوڑ دو۔ اور طلاق دے کے خودی کیا ضرور ہے کہ خواہ مخواہ کو تم بھی پریشانی ہو۔ اور اونکو بھی پریشان کرو۔" یہ خلیفہ کی رائے تھی۔ جو دراصل حکم کا اثر رکھتی تھی۔ چنانچہ زید نے بلا تامل طلاق دیدی زید کا جناب سکینہ کے بطن سے ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوا جسکا نام عثمان رکھا گیا اور اسی صاحبزادے کے اعتبار سے زید کی کنیت ابوعثمان مشہور ہوئی عثمان بن زید بن قرین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مگر افسوس انکے زیادہ حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

جناب سکینہ کا ایک عقد اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان یعنی عمر بن عبدالعزیز کے بھائی اور عبدالملک بن مروان کے بھتیجے سے بھی ہوا تھا بعض راوی اس عقد کو بعد اور بعض زید کے نکاح سے پہلے بتاتے ہیں۔ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقد زید سے پہلے ہوا تھا اس لئے کہ زید کے نکاح کا زمانہ سلیمان بن عبدالملک کی خلافت میں تہا۔ اور اصبغ سے آپکا عقد خود عبدالملک کے زمانہ میں ہوا۔ جبکہ اصبغ والی مصر تھا۔ غالباً یہ نکاح وکالتہً اس طریقے سے ہوا کہ اصبغ مصر ہی میں رہا۔ اور آپ مدینے میں۔ بعد نکاح آپ نے لکھا کہ سرزمین مصر مرطوب ہے۔ مگر اصبغ کا شوق اسقدر حد بڑھا ہوا تھا کہ دارالسلطنت مصر سے فاصلے پر ایک نیا شہر آباد کر کے خود اپنے نام پر اُسکا نام اصبغ رکھا۔ اور جناب سکینہ کو وہاں بلوایا ادھر تو آپ اُسکے حسب الطلب مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئیں۔ اُدھر لوگوں نے عبدالملک بن مروان کو اس عقد کی خبر پہونچائی۔ عبدالملک کو بھتیجے کی اس خوش قسمتی پر حسد معلوم ہوا۔ اور جل کے اصبغ کو کہلا بھیجا کہ یا تو سکینہ کو اپنے عقد میں رکھو یا مصر کے والی رہو۔ اس حکم کے پہنچتے ہی اصبغ کو بڑا صدمہ ہوا۔ کیا کرتا؟ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ بیچارے نے قبل اسکے کہ آپ کے جمال جہان آرا کی زیارت بھی کر سکے طلاقنامہ لکھ کے بھیجدیا۔ اور جناب سکینہ راستے ہی میں تھیں کہ یہ خط ملا کہ جسکے پڑھتے ہی آپ پلٹ پڑیں۔ اور شکستہ خاطری کے ساتھ مکے میں واپس آئیں۔ اگرچہ یہ نکاح محض برائے نام تھا مگر آپ کو ۴ ہزار اشرفیاں مہر میں ملیں۔

آپکے ان جملہ عقد و ہنر اکثر مؤرخینکا اتفاق ہے - مگر ہاں اسمیں بڑا اختلاف ہے کہ کون عقد پہلے
تھا اور کون بعد جسکا تصفیہ امکان سے باہر نظر آتا ہے۔

ہم ابتدا ہی میں بیان کر چکے ہیں کہ آپکو فنون لطیفہ کیطرف خاص توجہ تھی - اور دنیا کے
جائز لطفوں کو چھوڑنا ناجائز اور ان سے نفع اٹھانیکو آپ خدا کی شکر گزاری خیال فرماتی
تھیں - اور بیشک یہ آپکا سچا اجتہاد تھا - ہمارے خیال میں صرف یہی مرحمت و برکت ہے
جسکے اعتبار سے اسلام کو دیگر ادیان پر ترجیح دیجا سکتی ہے - اور ان سب باتوں کا
سبب یہی تھا کہ خدا نے آپکو ذوق صحیح بہت دیا تھا - ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ سفر میں تھیں
اپنی محمل میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ کسی حدی خوان کے گانیکی آواز آئی "ولولا ثلاث هن
عيشة الدهر" (ہائے تین چیزیں نہ ہوتیں تو کیا ہوتا جن سے ساری دنیا کا عیش ہے)
مصرع سنتے ہی آپکو جستجو ہوئی کہ اس ظالم نے وہ کون سی تین چیزیں منتخب کی ہیں
کو حکم دیا کہ اپنا اونٹ اس حدی خوان کے قریب لیے چلیں - مگر اسنے ہزار کوشش کی نہ پا
تب آپ نے اپنے غلام کو بھیجا کہ جا سن تو یہ کن چیزوں کا نام لیتا ہے - غلام نے تھوڑی دیر
بعد واپس آکے دوسرا مصرع بتایا "الماء والنوم و ام عمرو" (پانی - اور نیند اور
ام عمرو جو غالباً شاعر کی معشوقہ کا نام ہے) یہ سن کے آپ بول اٹھیں "خدا اسے غارت کرے
آج رات کو مجھے اپنے تھکا دیا - اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپکے خیالات کو اس مصرع اور اس
کے حل کرنے میں اسقدر انہماک تھا کہ اطمینان ہونیکے بعد آپکو تھکن معلوم ہوئی جس سے
زیادہ ثبوت ذوق صحیح کا کوئی نہیں ہو سکتا۔

یہ اسی ذوق ہی کی برکت تھی کہ اپنے غلام شعبہ سے آپ اکثر مذاق کے جملے فرمادیا کرتی
اور وہ آخر میں گستاخ ہونے لگا تھا جسکی ایک دفعہ اسے سزا بھی خوب ملی - اور واقعہ
کہ ابن سریج نے جو اس عہد میں عرب کا بہت بڑا مشہور مغنی تھا - کسی مرض میں مبتلا ہو کے قسم
کھائی تھی کہ اب گاؤنگا نہیں - اور خانہ کعبہ میں جا کے گوشہ گزیں ہو گیا - چند روز بعد جب شفا
حاصل ہوئی تو مدینہ طیبہ میں آیا کہ جہاں آپ تھیں - یہاں اپنے بعض عزیزوں میں اترا
تھا - تمام مغنی اور شوقین آ آکے اصرار کرتے مگر وہ انکار ہی کیے جاتا تھا - آخر

ہوئے ایک سال گزر گیا۔ اور واپسی کی تیاریاں ہو گئیں۔ حضرت سکینہ نے اس موقع پر اشعب سے فرمایا "ابن سریج مدینے میں ایک برس تک رہ کے جاتا ہے اور میں نے اوسکی ایک چیز بھی نہیں سُنی۔ ایسی تدبیر کر کہ میں اُسے سُنوں"۔ اشعب نے جواب دیا "بیوی وہ قسم کھا چکا ہے۔ بھلا میری کیا سنیگا؟" اور اسکے بعد کوئی ایسا جملہ مذاق کا کہا کہ آپ نے اپنی لونڈیوں سے اُسے خوب پٹوایا۔ سب لڑکیاں خوب مرمت کر چکیں تو گھسیٹتی ہوئی دروازے پر لے گئیں اور مکان سے نکال کے دروازہ بند کر لیا۔ اشعب کو اس بہانے سے ایک فقرہ سوجھ گیا۔ اُسی حال سے خاک میں لتھڑا اور پھٹے کپڑے پہنے ابن سریج کے پاس گیا۔ ابن سریج نے جب اسکی یہ حالت دیکھی کہ مُنہ اور داڑھی خاک آلود ہے۔ ناک سے خون جاری ہے جا بجا نیل پڑے ہوئے ہیں اور کپڑے پھٹے ہیں تو گھبرا کے پوچھا "خیریت تو ہے؟" اشعب نے ساری سرگذشت بیان کر دی۔ اور کہا کہ "جناب سکینہ میری مالک ہیں۔ اور میں اُنکا غلام ہوں۔ اگر تم چل کے کوئی چیز گا دو تو مجھسے خوش ہو جائینگی"۔

ابن سریج "یہ تو غیر ممکن ہے میں قسم کھا چکا ہوں"۔ اشعب نے جب دیکھا کہ کسیطرح ہنیں مانتا تو ایک چیخ ماری اور اس زور سے کہ تمام اہل محلہ جاگ پڑے۔ ابن سریج نے گھبرا کے کہا "کمبخت یہ کیا ہے؟" اشعب نے کہا "خوب یاد رکھو کہ میں تمکو لیکے جاؤنگا۔ ورنہ اگر چیخا تو تمام اہل مدینہ یہیں ہونگے۔ اور میں سب سے کہدونگا کہ ایک اذیتی شخص سے یہ بدفعلی کر رہا تھا۔ میں نے اُس لڑکے کو اسکے پنجے سے چھڑا دیا۔ تو میری یہ گت بنا دی۔ اور میری حالت ایسی ہو رہی ہے کہ ممکن نہیں کسی کو میرے کہنے کا یقین نہ آجائے۔ الغرض ابن سریج مجبور ہو کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستے میں ایک بار اور جان بچانیکی کوشش کی تھی مگر اشعب ڈرا دھمکا کے لے ہی گیا۔ حضرت سکینہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئیں۔ اشعب کو انعام دیا۔ اور ابن سریج نے لاکھ عذر کیا ایک نہ سُنی۔ برابر تین دن تک اپنے مکان کے بیرونی حصے میں رکھ کے اُسے سُنا۔ پھر عزۃ المیلاء کو بھی بلا بھیجا جو مدینہ کی مشہور مغنیہ تھی اور دونوں کے کمالات کی قدردانی کی۔ بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اپنے سونے کے قیمتی بازوبند جنمیں سے ہر ایک چالیس مثقال کا تھا اُتار کے ایک ابن

سریج کو دیا۔ اور دوسرا عزّہ کو۔ اسکے علاوہ دونوں کو خلعت سے سرفراز کیا۔ تیسرے ابن سریج کو جانے کی اجازت دی اور عزّہ کو بھی رخصت کیا۔

اپنی ذہن رسا اور طبیعت داری کی بدولت آپ مشہور و نامی شعرا کا مرجع بن گئی تھیں۔ اور سب نے تسلیم کر لیا تھا کہ سخن فہمی آپ کا حصہ ہے۔ ایک مرتبہ آپ کی ضیافت میں اس دور کے مسلم الثبوت شعرا۔ جریر۔ فرزدق۔ کثیر۔ جمیل اور نصیب۔ حاضر ہوئے۔ چند روز کی امید داری اور باہر پڑے رہنے کے بعد ایک دن آپ پردے میں بیٹھ گئیں۔ اور انھیں سامنے بلوایا۔ وہ حضوری کے بعد شعر خوانی کی اجازت کے منتظر تھے کہ ایک خوبصورت لونڈی پردے سے نکلی جو اشعار کی خوبیوں سے ماہر تھی۔ اور تاریخی حالات عرب پر نظر رکھتی تھی۔ اُس نے باہر آتے ہی باری باری ایک ایک شاعر کو اپنے قریب بلایا۔ اُس کا کلام سنا۔ بعض اشعار پر نکتہ چینی کی۔ بعض کی داد دی۔ اور ایک ایک ہزار دینار دیکے رخصت کیا۔ انہیں سے صرف کثیر کے کلام کی آپ نے بہت داد دی۔ اور اسے ایک ہزار کی جگہ انعام میں تین ہزار دینار دیئے۔ اور لطف یہ کہ جمیل نے باوجودیکہ مدح اہلبیت میں بہت کچھ کہا تھا مگر لونڈی نے ایک ہزار دینار سے زیادہ نہیں دیئے۔ اس شرح سرائی کے صلے میں اتنا کہا کہ "بیوی میں تمہیں سلام کہتی ہیں۔ اور فرماتی ہیں کہ میں ہمیشہ تمہارے دیکھنے کی مشتاق رہی"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کلام کی خوبی کے متعلق جو رائے آپ قائم کر چکی تھیں اُسے خوشامد و مدح سرائی بھی نہیں بدل سکتی تھی۔

شعرائے عرب میں معمول تھا کہ ہر شاعر کا ایک راوی ہوا کرتا تھا جو اُسکے اشعار دنیا کے سامنے پیش کرتا اور شہرت کے دربار تک پہنچاتا۔ یا آجکل کی اصطلاح میں کہا جائے کہ وہ ممدوح شعرا یا مصنفین کے کلام کا پبلشر ہوا کرتا تھا۔ مدینے میں ایک مرتبہ جریر۔ کثیر۔ نصیب اور احوص مستند شعرائے عرب کے راوی جمع ہوئے۔ اور انمیں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ کون شاعر اچھا اور زیادہ قابل تعریف ہے۔ ہر راوی اپنے شاعر کو بڑھاتا اور دوسرے کی ہجو کیا کرتا تھا۔ آخر سب نے بالاتفاق جناب سکینہ کو حکم قرار دیا۔ اور دروازے پر حاضر ہوکے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ نے چاروں کو اندر بلوایا۔ اور جب وہ اپنی حاضری کی غرض بیان کر چکے

تو آپ نے مابہ النزاع شعر اور ان ہر ایک ایک شعر پڑھنے اسپر نکتہ چینی کی۔ اور سب کے
کلام پر اعتراض کرکے سب کو ناپسند کردیا۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے
جمیل کا ایک شعر پڑھ کے اُسکی قادر الکلامی اور اُسکے جذبات عشق کی داد دی تھی
وہ شعر یہ ہے :-

یَا لَیْتَنِیْ اَعْمٰی اَصَمَّ یَقُوْدُنِیْ ؞ بُثَیْنَةُ لَا یَخْفٰی عَلَیَّ کَلَامُہَا

کاش کے اندھا اور بہرا شخص مجھے ہاتھ پکڑ کے بثینہ (معشوقہ) کے پاس لیجاتا کہ
اُسکی باتیں میں آزادی سے سُن سکتا۔ یعنی لیجانیوالا دیکھنے اور سُننے کی صلاحیت نہ
رکھتا ہوتا۔

فرزدق ایک مرتبہ حج کو گیا۔ حج سے فراغت کرکے مدینے میں آیا۔ اور حضرت سکینہ
کی خدمتمیں حاضر ہوا۔ آپنے پوچھا سب سے اچھا شاعر کون ہے؟ فرزدق نے اپنا نام لیا۔
آپنے فرمایا "جھوٹ" اور کسی شاعر کے چند شعر پڑھ کے فرمایا "یہ اشعار تمہارے شعروں
سے اچھے ہیں"۔ فرزدق نے عرض کیا "میں ان سے اچھے شعر سنا سکتا ہوں"۔ مگر آپنے
سُننے سے انکار کیا۔ مجبوراً وہ اپنا سا مُنہ لیکے چلا گیا۔ دو ایک روز بعد پھر حاضر ہوا
حضرت سکینہ نے پھر وہی سوال کیا اور اُسنے بھی اُسیطرح اپنا نام لیا۔ اور آپنے پھر کسی اور
کے شعروں کی تعریف کرکے اُسے ناکام و نامراد واپس روانہ کیا۔ تین چار روز بعد وہ پھر آیا
اور پھر وہی واقعات پیش آئے۔ آج بخلاف سابق حضرت سکینہ کے گرد بہت سی خوبصورت
لونڈیاں کھڑی تھیں جنمیں سے ایک کے حُسن و جمال نے فرزدق کو مبہوت کردیا۔ جب اُس نے
دیکھا کہ آج بھی بے نیل مرام اور شکستہ دل ہوکے واپس جاتا ہوں تو جان پر کھیل کے عرض کیا
"یا بنت رسول اللہ۔ آپ پر میرے بڑے حقوق ہیں، صرف آپکے سلام کو مکے سے مدینے
میں حاضر ہوا ہوں۔ کیا اسکا انعام یہی ہے کہ ہر مرتبہ آپ میرا کلام سُننے سے انکار فرمائیں؟
اور میں جھٹلا کے اور ذلیل کرکے نکالا جاؤں؟ حضور کے اس طرز عمل نے مجھے ایسا شکستہ
دل کردیا ہے کہ زیادہ زندگی کی امید نہیں۔ کیا عجب کہ مدینے کی شہر پناہ سے نکلنے کے پیشتر ہی
مرجاؤں۔ اور اگر یہی مشیت ایزدی ہے تو میری وصیت ہے کہ (اس لڑکی کیطرف اشارہ کرکے جسکے حسن پر
میں فریفتہ ہوگیا تھا) اس لڑکی کے دامن میں دفن کیا جاؤں"۔ اتنا سنتے ہی حضرت سکینہ بہت ہنسیں اور وہ لڑکی اسی کو دیدی۔ اور فرمایا

"فرزدق یاد رکھو کہ میں نے تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔ اسے اچھی طرح رکھنا" فرزدق اس کا دامن پکڑے ہوئے جب اٹھ کے چلا تو آپ کی اور لونڈیاں دروازے تک دونوں کے پیچھے پیچھے دف بجاتی ہوئی گئیں۔ اور عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

آپ کی وفات کا واقعہ نہایت ہی عبرت خیز ہے۔ سادات بنی ہاشم پر بنی امیہ نے بعض ایسے ایسے مظالم کیے ہیں کہ انکی دناءت و ذلیل طریقے کی عداوت خیال کر کے مسلمان درکنار غیر مذہب والوں کو بھی حیرت ہو جاتی ہے۔ اور انھیں واقعات کا خیال کر کے معلوم ہو سکتا ہے کہ انتقام کے وقت بنی ہاشم کی طرف سے جو بے اعتدالیاں ہوئیں وہ ایک صدی کی مسلسل توہینوں اور مظلومیوں کے مقابلہ میں کچھ نہ تھیں۔ حضرت سکینہ نے سخت گرمی کے موسم میں سفر آخرت کیا تھا۔ ان دنوں عبدالملک بن مروان کا بیٹا خالد والی مدینہ تھا۔ جنازے کی نماز پڑھانا یا پڑھانے کی اجازت دینا ان دنوں والی شہر کے اختیار میں تھا۔ لہذا آپکا جنازہ تیار کر کے صبح ہی کو اس جگہ لا کے رکھدیا گیا جہاں نماز پڑھائی جاتی تھی اور خالد کو خبر کی گئی۔ اس نے کہلا بھیجا "ابھی آتا ہوں" مگر ظہر کا وقت آ گیا۔ اور وہ نہ آیا۔ پھر آدمی گیا۔ اس نے کہا تم چلو میں ابھی آیا۔ مگر انتظار کرتے کرتے عشا کا وقت ہو گیا اور وہ کسی طرح آ ہی نہیں چکتا۔ اب لوگ اونگھنے لگے تھے۔ اور نیند کے مارے پریشان ہو رہے تھے۔ مجبوراً انھوں نے مختلف جماعتوں میں نماز جنازہ ادا کرنا شروع کر دی۔ اہل مدینہ جوق جوق آتے تھے اور نماز پڑھ کے واپس جاتے تھے۔ ایسے گرم موسم میں اور اتنی دیر تک رکھے رہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ لاش متعفن ہونے لگی۔ یہ حالت دیکھ کے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے خوشبو کا سامان کیا۔ چار سو دینار کا عود منگوا کے جنازے کے گرد انگیٹھیوں میں سلگا دیا گیا۔ اب بھی جنازہ خالد کے انتظار میں رات بھر رکھا رہا۔ سارا عود جل گیا۔ اور وہ کسی طرح نہیں آ چکتا۔ صبح کو پھر اس کے پاس آدمی گیا تو کہلا بھیجا "میں تو نہیں آ سکتا۔ نماز پڑھ کے دفن کر دو۔"

تب شیبہ بن نصاح نے نماز پڑھائی۔ اور آپکا جسد مبارک آغوش لحد کے سپرد کیا گیا۔

دفع الشر

یہ وہ تحریر ہے جس میں مسٹر عبد الحلیم شرر کی لائف کے ہر جملہ سے بحث کیگئی ہے۔ اور ہر ہر واقعہ پر اوسکے نظر تفصیلی ڈالی گئی مگر اختصار کے ساتھ۔ روایت کی صحت و سقم سے بھی بحیثیت محدث بحث کی ہے۔ اور تاریخی واقعات کی چھان بین مورخانہ انداز سے۔

یہ تحریر ابتدا ہی میں ناقص چھوڑ دی گئی تھی کیونکہ شرر صاحب کی لائف ادھوری تھی جب تیسری تحریر بھی اونکی شایع ہو چکی۔ تب از سر نو یہ رسالہ لکھا گیا۔ خدا کرے کہ مقبول انام ہو اور لوگوں کے خیالات کی اس سے اصلاح ہو کیونکہ شرر والے مضمون میں انتہا سے زیادہ کذب و افترا سے کام لیا گیا ہے۔ گو اسکے وہ موجد نہیں ہیں بلکہ ناقل ہیں۔

دفع الشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انقلاب زمانہ نے آج ہم کو یہ دن دکھایا ہے کہ علمار کبار کی خدمت سے جُدا ہو کر ان معمولی اخبار نویس کی تحریروں پر اپنی عنان تحقیق کو منعطف کریں جنکو زمانہ کا زمانہ.... مانتا ہے مگر اوسکے شر انگیز پر درانہ مضمون نے اسلامی دنیا میں وہ تہلکہ ڈالا ہے کہ بہار سے ثابت قدم مسلمان بھی متزلزل ہو گئے۔

کیونکہ لکھنے والے اسکے مسٹر عبد الحلیم شرر ہیں جنھوں نے اپنی پوری عمر داستان گوئی افسانہ سازی، ناول نویسی میں صرف کی ہے جس کو سب جانتے ہیں کہ اسمیں ایک حرف بھی سچ نہیں ہوتا۔ عاشقانہ۔ شاعرانہ مضامین سچے ہوں۔ تحقیقات علمی سے اونکو کوئی واسطہ نہیں۔

اسیوجہ سے انکے کلام کے شایق وہی نوخیز بچے ہوتے ہیں جنھیں جوانی کی اومنگیں نئی روح پھونک رہی ہیں یا وہ بوڑھے نادان جن کو افیون وچانڈو نے خوش گپی اور خیالی دلو از رنگین بخشی ہیں جسکے ہند وسلمان شیعہ سُنی بحیثیت مساوی چاشنی خوار ہیں اور صاحبان علم وتہذیب تک ادنکی بو بھی نہیں پہونچ سکتی۔

انھیں لوگوں کے اضطراب وخلجان نے مجھے مجبور کیا کہ چند منٹ کیلئے دلگدازنامہ کو ایک نظر دیکھ جاؤں جسکے ہر ہر فقرہ میں ایسا زہر بلا اثر بھرا ہے جس سے دل ودماغ دونوں زخمی ہوں اللہ اپنی پستی کیحالت میں پہونچیں کہ سنبھالنا دشوار ہو۔

کیونکہ اس تحریر میں حضرت سکینہ بنت الحسین علیہما السّلام کیطرف وہ باتیں منسوب ہیں جن کو کوئی شریف مسلمان اپنے ذی عزت دشمن کے حق میں بھی پسند نہیں کرسکتا چہ جائیکہ رسُول زادیوں اور امام زادیوں کے بارے میں جن کے ساتھ حُسن عقیدت وارادت کو اپنا جزو ایمان سمجھتا ہو۔

اب جو بات سب سے پہلے سوچنے کی ہے یہ ہے کہ مشتہر صاحب نے یہ تحریر کس غرض سے لکھی کیا انکا منشا رہے۔

(۱) آیا وہ حُسن عقیدت وارادت اسکا محرک ہے جو ہر فرد اسلامی پر لازم ہو کہ خاندان رسالت کے ساتھ ولا رکھے۔

(۲) یا وہ بغض وعداوت جو اسلامی تفریق کیوقت سے مسلمانوں کا پولیٹیکل مسئلہ قرار پایا۔

پہلی صورت میں تو مسلمانوں کی وہ روش ہونی چاہیے کہ آنحضرت کی تعظیم وتوقیر میں کم از کم وہ آداب ملحوظ رکھے جو اپنی ماں بہن کے ساتھ برتتا ہے۔ یا اپنے بزرگوں کیساتھ حسن سلوک کرتا ہے جس سے ہر دیکھنے والا محسوس کرسکے کہ یہ شخص اسکو واجب التعظیم سمجھتا ہے جسکے بارے میں حضرت خود فرماتے ہیں لا یؤمن عبد حتی اکون احب الیہ من نفسہ وتکون عترتی احب الیہ من عترتہ الخ ۱۱۲ اسعاف

دوسری صورت دو طرح سے نمایاں ہوتی ہے ایک یہ کہ کُھلم کُھلا کسیکو بد کہے اور اظہار کرے جیسا کہ ایک زمانہ میں عام طور پر مسلمانوں نے اپنا فرض سمجھا تھا کہ علانیہ اہلبیت رسول کا دشنام کریں اور بالائے منبر وہ الفاظ کہیں جس سے اسلام کی روح متاذی

دوسری یہ کہ دوستی کے پیرایہ میں اپنی عداوت ظاہر کرے اور دل کا بخار نکالے جو خاص طریقہ منافقوں کا ہے۔

شرر صاحب کی تحریر اسی آخری سانچے میں ڈھالی گئی ہے مگر جوش بغض و عداوت نے پردہ فاش کر دیا جس سے ہر کس و ناکس پر اونکی عداوت کھل پڑی مصرع

می تراود چہ کنم آنچہ در اندرون دل است

مگر غور بین نگاہیں بتاتی ہیں کہ اس تحریر کی تہ میں دوسرا راز بھی مخفی رکھا گیا ہے جس کا اثر سنی و شیعہ دونوں پر یکساں ہے۔ دونوں سوسائٹیاں اوس سے متاثر ہونگی۔ دونوں کے اخلاق خراب ہو جائیں گے دونوں کے ننگ و ناموس برباد ہونگے۔ دونوں کی خاندانی شرافت بگڑتے بگڑتے اوس حد پر پہونچ جائیگی جس پر اراذل ہی نازاں ہو سکتے ہیں۔

غرض اس تحریر کی خاص غرض سوائے توہین خاندان رسالت کے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانان ہند اپنی عورتوں کو اوسی قسم کی آزادی دیں جس آزادی پر اہل انگلینڈ نازاں ہیں۔

مسلمان عورتیں وہ روش اختیار کریں جو پیرس کی لیڈیوں کو حاصل ہے اوس پردہ شرم و حیا عفت و عصمت کو بالائے طاق رکھدیں جس کو اپنی غلط فہمی سے جز و شرافت سمجھتی ہیں اور اوسکی مخالفت سے دوسروں کو بدچلن سمجھتی ہیں۔

مگر پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا ان امور کی ترویج کیلئے حضرت سکینہ ہی کی ذات اونکی راہنما تھی وہ جس کا جواب پھر دہی آ جاتا ہے کہ آخر دلی بخار کیونکر نکلتا۔ اسلام ان کا کیونکر ثابت ہوتا۔ قومی تفریق کیونکر پیدا ہوتی شیعوں کا دل کیونکر جلاتے جسکے لئے وہ شرر کہلاتے ہیں اب ضرور ہے کہ اونکی اس غرض پر ایک نظر سرسری ڈال جائیں اور دیکھیں اونکو کامیابی نصیب ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(پردہ)

عورتوں کو جس آزادی کی اونکو تمنا ہے کہ مردوں کی طرف سے اونکو ملے زمانہ عرب جاہلیت میں عام طور پر حاصل تھی پردہ نہ تھا۔ مرد و عورت بے حجابانہ ساتھ سفر کرتے مجمع میں بیٹھ کے باہم کھاتے۔ میاں بی بی جہاں ساتھ سوتے وہاں جس کا جی چاہتا ہے درانہ

چلا جاتا کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

مگر اسلام نے جب اس آزادی کی قباحت محسوس کی ممانعت کرنی شروع کی قیود بڑی
حجاب بھی قائم کیا پردہ بھی لگائے جنکی تصدیق واقعات مفصلہ ذیل سے ہوتی ہے
اگرچہ اسکا پتہ لگانا کہ کب سے اسکی قباحت محسوس ہوئی تاریخی حیثیت سے مشکل ہے۔
اور سخت مشکل تاہم واقعات سے کچھ نشان مل سکتا ہے۔

(۱) صحیح بخاری میں اسما سے روایت ہے جو حضرت ابوبکر کی بڑی بیٹی اور حضرت عائشہ کی بڑی
بہن اور حضرت زبیر کی بی بی ہیں کہ میں ایک دفعہ خرمہ کی گٹھلیاں سر پر رکھے ہوئے لا رہی
تھی۔ اوس باغ سے جسے رسول اللہ نے زبیر کو عنایت کیا تھا کہ راہ میں حضرت ناقہ پر سوار ملے
آپنے چاہا کہ اونٹ کو بٹھلا کر مجھے بھی ہمراہ اپنے سوار کرلیں ۔۔۔۔ مجھے شرم معلوم ہوئی
کہ مردوں کے ساتھ اونٹ پر چڑھی پھروں ۔ غیرت زبیر کا بھی خیال آیا۔ حضرت
میری شرم وحیا کو سمجھ گئے اور اونٹ بڑھا کر روانہ ہوئے۔ میں اوسیطرح ٹوکری
سر پر رکھے ہوئے مکان میں آئی اور زبیر سے سارا قصہ بیان کیا۔ اونھوں نے بھی
میری اس شرم کو پسند کیا اور کہا سر پر ٹوکری لانا بھی کچھ کم نہیں ہے۔

یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے جب تک کوئی حکم حجاب وغیرہ نہیں نازل ہوا تھا مگر عام طور
عورتوں کے خیالات میں تبدیلی ہو چلی تھی اور اسطرح بیباکانہ مردوں کے ساتھ سوار ہونے
کو وہ بے شرمی اور بے حجابی سمجھتی تھیں۔ جس کا اثر مردوں پر بھی پڑ چلا تھا۔
اس روایت کی شان خود بتا رہی ہے" ٹوکری سر پر رکھے ہوئے لا رہی تھیں" جو ایک
معمولی عورتوں کی شان ہوتی ہے۔ کہ جب ان عورتوں کے دلمیں اسطرح کی تحریک موجزن
ہو رہی تھی تو جنکی شان ان سے ارفع واعلےٰ تھی۔ ضرور ہی زیادہ ان خیالات سے متاثر
ہونگی اور اونکو حجاب وپردہ زیادہ پسندیدہ ہوگا۔

(۲) رسول اللہ صلعم اور بی بی عائشہ ایک ظرف میں کچھ غذا تناول فرما رہے تھے۔ پردہ کا
رسم نہ تھا کہ کسیکی نظر نہ پڑتی۔ حضرت عمر کا اُدھر سے گزر ہوا تو حضرت نے اون کو بھی بلا لیا
کہ آؤ کھاؤ۔ برتن ایک ہی تھا اوسمیں سب کھا رہے تھے۔ حضرت عمر اور بی بی عائشہ

کا ہاتھ لڑ گیا جسپر عمر رضا نے کہا۔ اوہ اگر حضرت میری رائے پر چلتے تو کسی کی نظر بھی تم پر نہ پڑتی۔ اسکے بعد آیہ حجاب نازل ہوا۔ (در منثور صد ۲۱۳)

یہی حالت ہوگی اوس آزادی کی جسکی فکر مسٹر شرر کو ہے کہ پردہ اُٹھا دیا جائے ایک جگہ بیٹھ کر مرد وعورت ایک برتن میں کھائیں۔ انگلی سے انگلی لڑے ہاتھ سے ہاتھ

(۳) اسمار بنت مرثد جو صحابیہ تھیں اونپر یہ واقعہ گزرا کہ ایک غلام اونکا جو جوان ہو چکا تھا اونکی خوابگاہ میں ایسے وقت چلا گیا جسکو اونھوں نے ناگوار مانا۔ اسپر آکر خدمت رسول میں عرض کی کہ یا حضرت اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مرد وعورت ایک لحاف میں ہوتے ہیں اور غیر لوگ آ جاتے ہیں یا خدمتگار وغلام چلے آتے ہیں۔ انکی اس شکایت پر آیہ حجاب نازل ہوا۔ (تفسیر کبیر جلد ۶ صد ۴۳۱)

(۴) خود حضرت عمر پر بھی یہ واقعہ گزرا کہ رسول اللہؐ نے انصار کے ایک غلام کو دوپہر کے وقت فرمایا کہ جا کر عمر کو بلا لا۔ اوس غلام نے حضرت عمر کو ایسی حالت میں پایا جسکے دیکھنے کو عمر رضا مکروہ سمجھتے تھے۔ جس پر انھوں نے آکر خدمت رسول میں عرض کیا کہ استیذان کے بارے میں اگر کوئی حکم خدا ہوتا تو بہتر تھا۔

اسپر آیہ یا ایھا الذین اٰمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم نازل ہوا ازالۃ الخفا صد ۱۶۴

لوگوں کا خیال ہے کہ مردوں کو خلاف فطرت امور میں زیادہ شرم آتی ہے بخلاف اون امور کے جو بتقاضائے فطرت ہیں اسلئے انکو زیادہ ناگوار ہو اگرچہ ہم کو تو صرف یہ دکھانا ہے کہ کیا کیا واقعات پیش آئے تھے جس پر خدا نے حجاب کا حکم دیا اور اجازت لیکر مکان میں داخل ہونیکا حکم دیا گیا۔ اب ہم دو ایک واقعہ اسکے متعلق لکھتے ہیں کہ جب آیۃ حجاب نازل ہو چکا پردہ کا رسم قائم ہو گیا اس پر بھی چونکہ پردہ پورا نہیں ہوا تھا بہت سے واقعات پیش آئے جس سے پردہ پر اور پردہ بڑھایا گیا (۵) ابی مالک سے روایت ہے کہ ازواج نبی رات کیوقت اپنی ضرورتوں سے باہر نکلتی تھیں تو منافق لوگ اونکو چھیڑتے تھے جس پر اون سے پوچھا گیا تو وہ کہتے تھے ہم تو لونڈیوں کو چھیڑتے ہیں جسپر آیہ حجاب نازل ہوا۔

(۶) حضرت سودہ بنت زمعہ زوجہ رسول اللہ جو ایک لحیم و شحیم عورت تھیں اور قد بھی دراز
تھا بعد نزول حکم حجاب رات کیوقت رفع حاجت کیلئے باہر نکلیں تو حضرت عمر نے پہچان
لیا وہیں سے آوازہ کسا۔ اے سودہ تم چھپ نہیں سکتیں دیکھو کسطرح نکلتی ہو۔ حضرت سودہ
وہیں سے پلٹ آئیں اور خدمت رسول میں یہ شکایت عرض کی کہ اسطرح ہمکو چھیڑتے
ہیں (در منثور ص ۲۲۱)

ان واقعات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کیسے ناگوار واقعات بے پردگی سے پیش
آتے تھے جنکی شکایتیں خود اس زمانہ میں ہوئیں۔ اور انھیں شکایات کے دفعیہ کیلئے [اللہ]
نے پردہ کا حکم دیا۔

(۷) جناب رسول مقبول ایک دفعہ سر مبارک اپنا گود میں حضرت عائشہ کے رکھے ہوئے
سوتے تھے۔ باہر تشریف لانے میں دیر ہوئی لوگوں نے ابوبکر پر الزام دینا شروع کیا کہ یہ سب
خرابی تمہاری بیٹی عائشہ کی بدولت ہے کہ حضرت باہر نہیں تشریف لائے۔ ہندوستان
کا ایسا پردہ نہ تھا۔ حضرت ابوبکر اندر دولتسرا کے تشریف لیگئے اور یہ حالت دیکھ
انکو غصہ آیا۔ عائشہ کے تہیگاہ پر مارنا شروع کیا۔ وہ بیچاری سخت پریشانی میں تھیں
کہ گود میں حضرت کا سر ہے علیحدہ ہوتے ہیں تو آپ بیچین ہونگے بیٹھیں رہیں تو مار [کھائیں]
کریں۔ (مدارج النبوہ ص ۱۹۷)

یہ سب کیوں ہوا۔ اسوجہ سے کہ پردہ کا رواج نہ تھا جو چاہتا تھا چلا آتا۔ یہانتک
کہ جب پردہ کا حکم بھی جاری ہوا تو چونکہ ابتدائی قانون تھا۔ حد تکمیل کو نہیں پہونچا
اسلیئے وہی ناگوار واقعات پیش آیا کرتے تھے جس سے ہر صاحب غیرت کو تکلیف
پہونچے اور اسکو ناجائز سمجھے۔

افسوس ہے اون بیحیا بے غیرت دشمنوں پر جنھوں نے یہاں اس طرح کی
بے غیرتی بھری روایتیں بنائی ہیں جس سے ہر مسلمان کو تنفر ہو کوئی کہتا ہے
ساق میں ساق ملا ہوا تھا۔ اسطرح سوتے تھے۔ کوئی کچھ کہتا ہے جنکے [ذکر]
سے شرم آتی ہے۔

دوسری غرض

اس تحریر کی یہ ہوسکتی ہے کہ ہندوستان میں عقد ثانی کا رواج ہو جو ایک عمدہ امر کی کوشش ہے کیونکہ آبادی دنیا کا مدار زن و مرد کے جایز تعلقات پر ہے۔ خدا و رسول نے اس امر کو جائز اور مباح کیا ہے اور ہزاروں فوائد اسکے بتائے ہیں جس کو کل اہل مذاہب نے قبول کرلیا ہے حتے کہ ہندوؤں تک اب یہ رائج ہو چلا حالانکہ احکام مذہبی انکے خلاف ہیں مگر اس امر کیلئے یا کسی جایز امر کیلئے یہ نہیں ہوسکتا کہ غلط طریقوں سے اوس کا اجرا کیا جائے یا غلط واقعات سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ہمیشہ نتیجہ اوس کا خراب ہوتا ہے اور خراب ہوتا رہیگا۔ خصوصاً جب معلوم ہے کہ اہلبیت طاہرین کے اقوال و افعال اون امور میں بھی قابل تقلید نہیں سمجھے جاتے جنکا تعلق دین و ایمان سے ہے تو دنیاوی یا معاشرتی اور اخلاقی امور میں کیونکر تقلید کیجائیگی۔ چنانچہ مولوی عبد العلی بحر العلوم نے صاف لفظوں میں کہدیا۔ "اجماع اہل بیت حجت نہیں"۔

بہر حال نکاح بیوگان ایک عمدہ امر ہے جسمیں ہر مسلمان کو جائز کوشش کرنی مناسب ہے نہ کہ ناجائز طریقوں سے کام لیا جائے۔ اور سب سے بہتر اسکے لئے عمل ہے نہ قول۔ ہمارے خادموں کو اسکی ضرورت ہے کہ وہ اپنی ماں بہنوں بیٹیوں کا عقد ثانی کریں۔ نہ کہ صرف لوگوں سے کہتے پھریں۔ بلکہ ایسی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنی ماں بہنوں کو طلاق دلواکر نکاح ثانی کرائیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے اپنی ماں کو طلاق دلوایا یہ کہکر کہ ہم ایسے نہیں ہیں کہ ہماری ماں کی وطی کیجاے۔

افسوس اس زمانہ کے مسلمانوں کو اسکی کد ہے کہ عورت خالی نہ رہنے پائے اور اوس زمانہ میں ایسے غیرت دار ہوتے تھے کہ اپنی ماؤں کو اون لذتوں اور مزوں سے محروم رکھتے جس سے خود بدولت کا وجود ہوا۔

ہم کو یہاں اس امر سے بھی پوری مخالفت ہے جو حضرت محی الدین ابن عربی نے فتوے دیا کہ تمام بنی آدم کے فروج حلال ہیں۔

اور اس رائے کے بھی ہم خلاف ہیں جو امام ابو حنیفہ نے ماں بہنوں کیلئے اجازت دی
کہ خود بیٹا یا بھائی اگر اپنی ماں یا بہن سے نکاح کر لے تو اوس پر حد نہیں جاری ہوگی۔
(دیکھو القول الحازم فی سقوط الحد عن نکاح المحارم)
اسیطرح امام شافعی کا یہ فتویٰ بھی ناقابل قبول ہے کہ حرام سے پیدا کی ہوئی لڑکی باپ پر
حلال ہے۔
بلکہ ہمکو وہی مصلحتیں زیادہ پسند ہیں جنکی بنا پر رسول اللہؐ نے اجازت دی کہ بیوہ عورتوں سے
عقد کیا جائے۔ یعنی جب وہ چاہیں نہ کہ مجبور کر کے عقد ثانی رواج دیا جائے۔
کیونکہ جہاں وہ روایتیں ہیں جن سے جواز عقد ثانی ثابت ہے وہاں اس قسم کے بھی احکام
ہیں جس سے ایک طرح کی ناگواری اس امر کی ثابت ہو۔
(۱) طلاق بائن کا یہ حکم کہ جب تک دوسرے مرد سے نکاح مع الوطی نہ ہولے زوج اول کے عقد
میں نہیں آسکتی کافی دلیل اسکی ناگواری کی ہے کیونکہ یہ حکم بطور سزا مقرر ہے یعنی زن وشوہر ...
(۱) ام ہانی۔ خواہر جناب امیرؑ سے رسول اللہؐ نے خواہش کی کہ عقد کریں جو بیوہ ہو چکی
تھیں اونھوں نے عذر کیا کہ لڑکے میرے صغیر السن ہیں۔ یہ عقد نہیں ہوا۔
جس سے معلوم ہوا کہ خاندان بنی ہاشم میں عقد ثانی سے ایک گونہ استکراہ رہتا تھا ورنہ
کون سی عورت ہو سکتی ہے جس کو یہ تمنا نہ ہو کہ ہم زوجہ رسول بنیں جس پر ایمان بھی لا چکی ہو
(۲) حضرت ام سلمہ کا انکار بھی قبل از عقد روایتوں میں موجود ہے جس سے معلوم ہوا عام طور پر
عرب کی عورتیں اس کو نہیں پسند کرتی تھیں۔ الا بضرورت ومصلحت۔
(۳) خود رسول اللہؐ نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے بجواب اونکے اس بیان کے کہ ہم نے
ایک بیوہ عورت سے عقد کیا ہے فرمایا کہ کیوں تم نے باکرہ (کنواری) سے نہیں نکاح کیا
جس سے مرجوحیت اسکی معلوم ہوئی۔
(۴) حضرت رباب نے بعد شہادت جناب سید الشہداء دوسرے نکاح سے انکار کیا
جس کو مسٹر صاحب نے بھی لکھا ہے۔
(۵) حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ سے بعد بیوہ گری اسکی خواہش کی گئی تو صاف انکار کیا

جب بجانب سلطنت دباؤ ڈالا گیا اور بزور حکومت چاہا کہ عقد کرلیں۔ تو حضرت فاطمہ نے یزید
یزید بن عبدالملک کو اس مضمون کا خط لکھا وہاں سے حاکم مدینہ کے نام پروانہ جاری ہوا ہرگز ایسا قصد نہ
جو ایک روشن دلیل اسکی ہے کہ خاندان رسالت میں اس قسم کے عقد کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے (۶) عاتکہ
ایک عورت تھی نہایت حسین و جمیل جس کا پہلا عقد عبداللہ بن ابوبکر سے ہوا اور دوسرا زید بن خطاب سے
تیسرا عمر سے تو جناب امیرؑ نے اوسکو بہ لفظ یا عدیۃ نفسہا خطاب کیا۔ اے دشمن اپنی جان کی
(۷) نائلہ زوجہ عثمان سے معاویہ نے اپنے دوران خلافت میں عقد کرنا چاہا اُس نے انکار کیا۔ یہ روایتیں
نے نہایت اختصار سے یہاں اس غرض سے لکھی ہیں کہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ اصلی حالت کیا ہے
اور احادیث سے کس درجہ اجازت ہے۔

مسلمانوں کی اصل بربادی کی یہی وجہ ہے کہ ہر امر میں وہ حد اعتدال سے گزر جاتے ہیں جس سے اصلی حالات
غائب ہو کر نقلی اور فرضی واقعات اسطرح قائم اور مستحکم ہو جاتے ہیں کہ پھر اوس کے خلاف کا وجود
ہی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ اسی بے اعتدالی سے تکفیر و تفسیق سب کچھ ہو جاتی ہے۔
الغرض نہ سمجھیے کہ میں اصل نکاح بیوگان کو ناجائز یا قبیح بتا رہا ہوں۔ بلکہ بے اعتدالیاں دکھانی
منظور ہیں کہ احادیث سے اسکی اجازت اور جواز ثابت ہے نہ اسکی افضلیت و ارجحیت امام فخرالدین
رازی قول ابوبکر رازی میں ناقل ہیں فلما وجدنا عصر النبی وسائر الاعصار بعدہ قد کان
فی الناس ایامی من الرجال والنساء فلم ینکروا عدم تزویجہن ص ۳۸۳ جلد ۶
حضرت کے زمانہ میں اور بعد از زمانہ صحابہ میں بہت سی بیوہ عورتیں تھیں اور ایسے ہی بہت سے مرد بھی مگر کسی نے انکے عقد نہ کرنے پر انکار نہیں کیا
بہر حال مسٹر شرر اگر اس مضمون پر کچھ زور دیتے اور اپنی غرض اصلی اسکو قرار دیتے تو ہرگز یہ مخالفت نہ قائم
ہوتی جیسا کہ اڈیٹر مرقع عالم نے ایک موقع پر لکھ دیا کہ حضرت سکینہ کا

---

(۱) اس واقعہ کی کچھ تفصیل تصحیح تاریخ میں ہو گئی ہے کہ عبدالرحمن بن ضحاک نے جو بجانب یزید بن عبدالملک گورنر تھا
حضرت فاطمہ بنت الحسین کو پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھ سے عقد کرنا قبول کر لو گی تو تمہارے بیٹے عبداللہ بن حسن پر شراب
کے اتہام میں حد جاری کریں گے تب اوس مظلومہ نے ایک قصہ یزید پاس روانہ کیا جس میں اس عامل کے جور و ظلم کی
شکایت تھی۔ اور ابن ہرمز سے بھی کہا جو دربار خلیفہ میں جانے والا تھا۔ یزید کے استفسار پر بھی ابن ہرمز نے اس مظلومہ کی فریاد
بیان کر دی اتنے میں قاصد پہونچا جس کو فاطمہ نے روانہ کیا تھا۔ تب ابن ہرمز نے بھی اونکی زبانی شکایات عرض
کی امیر یزید نے ابن ضحاک کی معزولی کا حکم جاری کیا اور عبدالواحد کو اسکی جگہ بحال کیا جس نے خوب انتقام لیا
آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ابن ضحاک بھیک مانگتے مانگتے مر گیا صفحہ ۳۱ جلد ۵ کامل ۱۲ [illegible]

کی عقد ہوا۔ اور کسینے اوسپر کچھ اعتراض نہ کیا۔ حالانکہ وہ بھی غلط اور بے اصل تھا۔
مگر شرر صاحب کا اصلی منشا تو حکم خدا کو منسوخ کرنا ہے جسمیں آیہ حجاب کی تعمیل موقوف ہو
اور شرفا کی عورتیں سر بازار ماری پھریں اسلئے شیعہ و سنی دونوں اس تحریر سے متنفر ہیں
کیونکہ اس تحریر سے صرف توہین خاندان رسالت ہی نہیں ہوتی بلکہ جملہ اشراف و سادات کی
آبرو ریزی ہو رہی ہے اور سب کو بری تعلیم دلائی جا رہی ہے۔

اب ہم واقعات کیطرف توجہ کرتے ہیں جنکی نسبت شرر صاحب کو دعوی ہے کہ ایک سطر بھی
اسمیں غلط نہیں ہے۔ حالانکہ از سر تا پا غلط ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ شرر صاحب نے یہاں جو کچھ لکھا ہے وہ صرف اغانی سے ہے نہ
کسی دوسری تاریخ سے نہ کسی اور کتاب سے بلکہ صرف آغانی کا ترجمہ کیا ہے۔ یہانتک
کہ ترتیب میں بھی فرق نہیں ہوا ہے۔

حالانکہ اپنی تحریر مندرجہ جریدہ روزگار میں اسطرح کا دعوے کرتے ہیں کہ سوا انکے اور
کسیکو ان مطالب پر عبور نہیں۔ اور نہ معلوم کس محنت و مشقت سے ہزارہا مستند کتب
تواریخ سے استخراج کیا ہے جسمیں ابن خلکان وغیرہ سب کا نام گنا دیا ہے۔ حالانکہ یہ ساری
انکی تحریر ترجمہ ہے اغانی جلد ۱۴ کے ایک جز کے جو صفحہ ۱۶۲ سے شروع ہے اور صفحہ ۱۸۰ پر ختم ہے جسکے
ذیل میں اور مضامین بھی اوس نے لکھے ہیں۔

پہلے خود سکینہ بنت الحسین کی نسبت سوال ہے۔ آپنے اونکو امام حسین کی لڑکی
کس دلیل سے بتایا۔ حالانکہ آپکے یہاں نہایت درجہ اختلاف ہے۔ علامہ شیخ حسن عدوی حمزاوی
کتاب مشارق الانوار میں لکھتے ہیں "سکینہ نے اپنا عقد کیا ابن عم عبداللہ بن حسن
سے جو معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔ اوسکے بعد اور چند شوہر ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ سکینہ امام حسین کی بہن
تھیں اور امام نووی نے اسکو قوت دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ بیٹی تھیں امام زین العابدین
کی۔ اور کہا علامہ اجہوری نے کہ بتواتر خلف و سلف ثابت ہے کہ جو سکینہ مصر میں مدفون
ہیں وہ بیٹی ہیں امام حسین کی بلاشک" صفحہ ۹ مطبوعہ مطبع عثمانیہ مصر
جس سے معلوم ہوا ابھی تک ان علما کے یہاں یہ امر غیر محقق ہے کہ حضرت سکینہ امام حسین

کی بہن تھیں یا بیٹی یا پوتی۔ اور آگے چلکر آپکو معلوم ہوگا کہ حضرت سکینہ کا مصر میں دفن ہونا بالکل غلط ہے۔ پھر بتایئے کہ وہ تواتر کیا ہوا جسپر اجہوری نے سلف و خلف سے دعوائے تواتر کیا ہے بلا شک و ریب۔

اور سُنئیے علامہ ابن صبان سے جب یہاں کی بحث بن پڑا تو کہا "اس اختلاف کو یوں رفع کرسکتے ہیں کہ دونوں سکینہ یعنی بنت علی و بنت حسین اسی مقبرہ میں دفن ہوئیں جو مصر میں عام زیارت گاہ ہے" صفحہ ۹

حالانکہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ سکینہ کا دختر جناب امیر ہونا محض غلط ہے اور دفن ہونا حضرت سکینہ کا بھی مصر میں غلط تو دونوں سکینہ غلط ہوئیں جنکے یکجائی دفن سے رفع اختلاف ہوتا شیخ محمد صبان اسعاف الراغبین میں لکھتے ہیں "سکینہ بنت حسین قرافہ میں مدفون ہیں قریب سیدہ نفیسہ کے (مصر میں) طبقات مناوی میں ہے کہ مراغہ میں مدفون ہیں۔ سیرہ شامی اور سیرہ حلبی میں بھی یوں ہی مذکور ہے۔ کہا شعرانی نے جب سیدہ نفیسہ داخل مصر ہوئیں تو انکی عمہ سکینہ جو قریب دار الخلافہ مدفون ہیں قبل سے مصر میں مقیم تھیں اور شہرت عظیمہ حاصل تھی پس خلع کیا انھوں نے شہرت کو اور نذورات کو اور مخفی ہوگئیں رضی اللہ عنہا۔ آپکا (یعنی حضرت سکینہ کا) مقبرہ ۱۱۷۳ھ میں تعمیر ہوا اور قبل اسکے منہدم و غیر مشہور تھا اور جانو کہ جو کچھ کہا شعرانی نے وہ اسکے خلاف ہے کیونکہ اوسمیں یہ لکھا ہے کہ سکینہ مذکورہ جو اس محل میں مدفون ہیں وہ امام حسین علیہ السلام کی بہن تھیں اسپر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ مشہور یہی ہے کہ حضرت سکینہ بیٹی ہیں امام حسین علیہ السلام کی نہ بہن۔ کیونکہ ابن صباغ نے فصول مہمہ میں اولاد علی کو گنایا ہے اوسمیں سکینہ کا نام نہیں ہے۔ مگر بعض مشائخ کا اعتماد اوسی قول پر ہے جسے شعرانی نے متن میں لکھا جسکی تائید میں وہ قول امام نووی بھی ہے جو تہذیب الاسماء و اللغات میں فرماتے ہیں۔ سکینہ بنت الحسین اسمھا امیمہ وقیل امینہ وقیل آمنہ قدمت دمشق مع ابیھا ثم خرجت الی المدینہ ویقال عادت الی دمشق وان قبرھا بھا والصحیح وقول الاکثرین انھا توفیت بالمدینہ" صفحہ ۱۵۵ مشارق الانوار

صفحہ ۱۱۹

یعنی سکینہ بنت الحسین کا نام امیمہ ہی یا امینہ یا آمنہ کہا گیا ہی کہ وہ اپنے اہل کے ساتھ دمشق میں آئی تھیں پھر مدینہ گئیں اور کہا جاتا ہی کہ پھر دمشق آئیں اور اونکی قبر وہیں ہی اور صحیح یہی ہی جو اکثروں کا قول ہی کہ اونکی وفات مدینہ میں ہوئی۔

اس اعتراض کا یوں جواب دیا گیا ہی کہ علامہ سیوطی نے رسالہ زینبیہ میں حضرت علی کی اولاد کی تعداد ۲۹ بتائی ہی جس سے قول فصول مہمہ غلط ہوا کہ ۲۷ اولاد تھی۔ پس ممکن ہی کہ سکینہ حضرت علی کی اونھیں اولاد میں ہوں جنکا ذکر نہیں کیا اون لوگوں نے۔ تو جسکو یاد رہا اوسکا قول حجت ہوگا اوسپر جسے یاد نہیں رہا۔ اور ان اختلافوں کو یوں جمع کر سکتے ہیں کہ سکینہ بنت علی اور بنت حسین دونوں یہاں مدفون ہوں۔ مگر سب کو باطل کر دیتا ہی قول نووی کہ وفات اونکی بنا بر قول صحیح و اکثرین مدینہ میں ہی اور احتمال نقل مستبعد ہی منہ بر حاشیہ مشارق الانوار۔

اور حبیب السیر میں ہے کہ وفات اونکی مکہ میں ہوئی یا مدینہ میں۔

اور سبط ابن جوزی لکھتے ہیں واما غیر ابن سعد فانہ یقول انھا توفیت بمکۃ فی ھذہ السنہ وفی ھذہ السنہ ایضا توفیت اختھا لابیھا فاطمۃ بنت الحسین۔

ان اختلافات سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے محدثین و مورخین کی کیا شان ہی اور کیونکر کوئی اونکے بیان پر اعتماد کر سکتا ہی (۱) کہتا ہی حضرت علی کی بیٹی تھیں جو محض غلط ہی (۲) کہتا ہی حضرت امام حسین کی بیٹی تھیں (۳) کہتا ہی امام زین العابدین کی بیٹی تھیں جو غلط ہے (۴) بتواتر ثابت ہی کہ وہ مصر میں دفن ہیں جن کا مزار بھی وہاں بنا ہی۔ حالانکہ محض بے اصل ہی (۵) سکینہ بنت علی اور سکینہ بنت حسین ایک جگہ دفن ہیں حالانکہ غلط ہی (۶) مراغہ میں دفن ہیں غلط (۷) قرافہ میں دفن ہیں غلط (۸) کہ جب حضرت نفیسہ وارد مصر ہوئیں تو حضرت سکینہ زندہ اور موجود تھیں۔ حالانکہ غلط ہے۔

شیخ شبلنجی نور الابصار میں لکھتے ہیں بعد نقل عبارت مذکورہ وفی النفس منہ شئ لان قولہ مقیمہ بمصر صریح فی انھما کانتا فی عصر واحد

وليس كذلك لان وفاة السيدة سكينة كانت سنة ست وعشرين ومائة وقيل سنة سبع عشرة ومائة على ما في تاريخ ابن خلكان وولادة السيدة نفيسة كانت سنة خمسين واربعين ومائة بالاتفاق نعم لو حملنا الشهرة في عبارة المناوي على شهرة البرزخ كان وجيها منه ۱۲

یہ قول اجہوری دل میں کھٹک رہا ہے کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا زمانہ ایک تھا حالانکہ وفات حضرت سکینہ ۱۲۶ھ یا ۱۱۷ھ ہے اور ولادت نفیسہ ۱۴۵ھ میں پھر دونوں کی ملاقات کیونکر ممکن ہے۔ ہاں اگر مناوی کے قول میں شہرت سے مراد شہرت برزخی ہو تو ممکن ہے۔

(۹) یہ کہ وفات حضرت سکینہ دمشق میں ہے (۱۰) یہ کہ ان اقوال کے صحیح بنانے کے لئے مسئلہ برزخ ایجاد کیا گیا (۱۱) یہ کہ وفات اونکی مکہ میں ہوئی اور وہیں دفن ہیں۔

ان افتراؤں سے آپ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ گو دنیا میں ہزاروں قسم کے جھوٹ مروج ہیں مگر اس فرقہ کے جھوٹے سب پر فوق لیگئے ہیں کہ اپنے جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے وہ مزار تک بنا ڈالتے ہیں جس سے اُنکا جھوٹ مجسم جھوٹ کہلاتا ہے۔

پھر فرمایئے انکے کسی بیان پر خصوصًا اوسکے بیان پر جسے خود اونکے علماء اکذب الناس کہیں کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔

اگرچہ ان اختلافات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اصلی وجہ ان اختلافات کی بے تعلقی ان لوگوں کی ہے خاندان رسالت سے جس سے اصلی حالات اور صحیح واقعات انکو نہ معلوم ہوئے اور اپنے دل سے جو چاہا لکھدیا اور کہہ دیا مگر اس کے ساتھ یہ معلوم کرکے اور بھی زیادہ افسوس ہوگا کہ یہ لوگ اپنے جھوٹ کے سچ بنانے کیلئے کسقدر افترا کرتے جاتے ہیں دیکھئے حضرت علیؑ کی بیٹی کا اونھوں نے جو ایک سلسلہ قائم کیا تو اسی فرضی نام پر نہیں کفایت کی بلکہ اوس کے ساتھ ایک جھوٹا افسانہ بھی بنایا جو ستر رشتر کذب و افترا کا دفتر ہے۔

علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی جو بڑے پیمانہ کے فقیہ متکلم اصولی شافعی المذہب المتوفی

سنہ ۱۲۸۱ ہجری اپنی کتاب نور العین فی مشہد الحسین میں لکھتے ہیں جو مصر میں چھپی ہے
راوی کہتا ہے کہ جب معاویہ بعد وفات علیؑ ابن ابیطالب کے ملک پر مسلط ہوا تو عرصہ تک
اہل بیت رسول اللہ اور بنی ہاشم کی تعظیم اور توقیر کرتا رہا خصوصاً حسینؑ اور اونکے
بھائیوں اور قرابت داروں اور اہلبیت کی بہت زیادہ عزت کی کہ ان سب پر دل
سے زیادہ شفقت کرتا تھا معاویہ نے چند بعد اپنا ایک نائب مقرر کیا کہ وہ مدینہ مشرف
میں بر حکومت معاویہ حکمرانی کرتا تھا بعدہٗ اُس نے جلد جلد خزانوں کے جمع
کرنے پر توجہ کی اور زر ہائے خطیر فراہم کرکے لشکر تیار کیا اور مع لشکر کوچ کیا اور حسین
کو مع اونکی اولاد اور بھائیوں اور رشتہ داروں کے لیکے دمشق واقع شام میں آیا اور وہاں
اختیار کیا اور خلیفہ بنگیا کہ حکم اُس کا تمام بلاد اسلام پر جاری ہوگیا اور حسین کو مع اونکے
بھائیوں اور برادر زادوں اور صغیر و کبیر اور جملہ قرابتداروں کے اپنے پاس دمشق میں
رکھا اور اونکی نہایت تعظیم و تکریم کرتا تھا اور اونکے باب میں بہت کچھ وصیت کرتا تھا
اور اونکا بہت کہنا مانتا تھا بلکہ اُن سے زیادہ کسیکا کہنا نہ مانتا تھا لشکر کی تنخواہ سے
پہلے اُنکو دیتا تھا اور جہاں جاتا اور سوار ہوتا حضرت کو ہمراہ رکھتا تھا اور کرسی پر اپنے
پاس بٹھاتا تھا الغرض مدت تک یہی حال رہا بعدہٗ معویہ بیمار ہوا مرض اُس کا شدید
جب اُسکو موت کا یقین ہوا تو اُسنے اپنے بیٹے یزید کے پاس آدمی بھیجکر اُسے بلایا وہ سامنے
آیا اور دریافت کیا کہ آپکا کیا حال ہے معاویہ نے کہا بیٹا بیٹھ جا اور یزید سے کہا
اے فرزند تو اس بات کو خوب جان لے کہ ہر ایک مدت خدا کے نزدیک مرقوم ہے اللہ تعالیٰ
کسی نفس کے باب میں جبکہ اُس کا وقت آوے دیر نہیں کرتا ہر ذی حیات موت کے مزے
چکھیگا اے فرزند مجھکو موت کا یقین ہوگیا ہے اور اب میری وفات کا وقت بہت قریب
آپہونچی سب حکومت خدا کی ہے اور ہر باب میں حکم الٰہی جاری ہے یزید نے کہا اب
کون خلیفہ ہوگا معاویہ نے کہا کہ تو ہوگا لیکن جو میں کہتا ہوں اُسکو سُن لے اور
اس کہنے کا اللہ گواہ و وکیل ہے میں تجھکو وصیت کرتا ہوں کہ تو اپنی رعایا میں
سب آدمیوں کے درمیان عدل کرنا کیونکہ جتنے بادشاہ ہیں سب روز قیامت

وصیت معاویہ

شاہ ہیں اپنی کتاب نور العین فی مشہد الحسین میں لکھتے ہیں جو مصر میں چھپی ہے۔
"راوی کہتا ہے کہ جب معاویہ بعد وفات علیؑ ابن ابیطالب کے ملک پر مسلط ہوا تو عرصہ تک
اہل بیت رسول اللہ اور بنی ہاشم کی تعظیم اور توقیر کرتا رہا خصوصاً حسینؑ اور اوسکے
بھائیوں اور قرابت داروں اور اہلبیت کی بہت زیادہ عزت کی کہ ان سب پر دل
سے زیادہ شفقت کرتا تھا معاویہ نے چند بعدے اپنا ایک نائب مقرر کیا کہ وہ مدینہ مشرف
میں زیر حکومت معاویہ حکمرانی کرتا تھا بعدہٗ اُس نے جلد جلد خزانوں کے جمع
کرنے پر توجہ کی اور زر ہاے خطیر فراہم کر کے لشکر تیار کیا اور مع لشکر کوچ کیا اور حسین
کو مع اونکی اولاد اور بھائیوں اور رشتہ داروں کے لیکے دمشق واقع شام میں آیا اور وہاں
اختیار کیا اور خلیفہ بنگیا کہ حکم اُس کا تمام بلاد اسلام پر جاری ہوگیا اور حسین کو مع اون
بھائیوں اور برادر زادوں اور صغیر و کبیر اور جملہ قرابتداروں کے اپنے پاس دمشق میں
رکھا اور اونکی نہایت تعظیم و تکریم کرتا تھا اور اونکے باب میں بہت کچھ وصیت کرتا
اور اونکا بہت کہنا مانتا تھا بلکہ اُن سے زیادہ کسیکا کہنا نہ مانتا تھا لشکر کی تنخواہ سے
پہلے اُنکو دیتا تھا اور جہاں جاتا اور سوار ہوتا حضرت کو ہمراہ رکھتا تھا اور کرسی پر اپنے
پاس بٹھاتا تھا الغرض مدت تک یہی حال رہا بعدہٗ معویہ بیمار ہوا مرض اُس کا شدید
جب اوسکو موت کا یقین ہوا تو اُسنے اپنے بیٹے یزید کے پاس آدمی بھیجکر اُسے بلایا وہ سامنے
آیا اور دریافت کیا کہ آپکا کیا حال ہے معاویہ نے کہا بیٹا بیٹھ جا اور یزید سے کہا
اے فرزند تو اس بات کو خوب جان لے کہ ہر ایک مدت خدا کے نزدیک مقرر ہے اللہ تعالیٰ
کسی نفس کے باب میں جبکہ اُس کا وقت آوے دیر نہیں کرتا ہر ذی حیات موت کے مزے
چکھے گا اے فرزند مجھکو موت کا یقین ہوگیا ہے اور اب میری وفات کا وقت بہت
قریب تو آ پہونچی سب حکومت خدا کی ہے اور ہر باب میں حکم الٰہی جاری ہے یزید نے کہا آپکے بعد
کون خلیفہ ہوگا معاویہ نے کہا کہ تو ہوگا لیکن جو میں کہتا ہوں اُسکو سُن لے اور
اس کہنے کا اللہ گواہ و وکیل ہے میں تجھکو وصیت کرتا ہوں کہ تو اپنی رعایا پر
سب آدمیوں کے درمیان عدل کرنا کیونکہ جتنے بادشاہ ہیں سب روز قیامت

واسطے حق تعالی کے سامنے کہ جو درمیان بہشت اور دوزخ کے ہی کھڑے ہو ویںگے پس جس
بادشاہ نے کہ عدل کے ساتھ حکمرانی کی ہوگی اُسکو خدا عدل کے سبب بہشت میں
داخل کریگا اور جسنے ظلم اور جور رعیّت پر کیا ہوگا اسکو جہنم میں ڈالیگا اے فرزند تو آدمیوںا
کی تین قسمیں کرنا بڑوں کو اپنے باپ کی جگہ سمجھنا چھوٹوں کو اپنے بیٹے کے مثل سمجھنا
متوسط عمر کے آدمی کو اپنا بھائی جاننا اے فرزند رعایا میں عدل کرنا اور سب
اموریں خوف خدا پیش نظر رکھنا اور قیامت کے ہولناک واقعوں سے ڈرنا اے فرزند
تجھکو حسینؑ اور اوسکے رشتہ داروں کے باب میں وصیت کرتا ہوں اور اسیطرح
تمام بنی ہاشم کی نسبت اے یزید کوئی دن ایسا نہ ہو کہ تو رعیت کے باب میں کوئی کام کرے
اور حسین سے مشورہ نہ لے اور اُسکے حکم سے زیادہ کسی کا حکم تیرے نزدیک نہ ہونا چاہیے
اور نہ اسکے ہاتھ کے اوپر کسی کا ہاتھ ہو۔ اور تو کھانا نہ کھانا جب تک کہ حسینؑ کھانا
نہ کھالے اور تپنا جب تک کہ حسینؑ نہ پی لیوے اور اپنے لشکر کو اور اپنے گھر والوں
کو اُس وقت خرچ دینا جبکہ پہلے حسینؑ اور اُسکے اہلبیت کو خرچ دے لیوے اور
کسیکو لباس دینا تاوقتیکہ اسکے اہلبیت کو نہ دے لیوے اے فرزند میں تجھے
حسین اور اُس کے اہلبیت و اقربا کی نسبت اور سائر بنی ہاشم کی نسبت تمام
تر وصیّت کرتا ہوں اے فرزند خلافت ہمارا حق نہیں ہے وہ حسین اور اوسکے باپ اور
دادے کا حق ہے یعنی اوسکے نانا کیطرف سے ہے اور بعد اہلبیت کا حق ہے اور اُنکے باب میں
چشم پوشی اور فراموشی نہ کرنا مگر تھوڑی دیر تا اینکہ حسین پوری جوانی پر پہنچ جاویں
اور مکہ کو عمدہ حالت میں چلے جاویں اور وہ خلیفہ ہوں یا اور کوئی اونکے اہلبیت میں سے
خلیفہ ہو اور پھر رجوع کرے خلافت اُنکے خاندان میں اسواسطے کہ خلافت ہمارا
حق نہیں ہے بلکہ ہم اونکے اور اُنکے باپ دادا کے غلام ہیں اے فرزند جس قدر تو خرچ کرے
اُس کا نصف حسینؑ پر خرچ کرنا اے فرزند تو اُسکے غصّہ سے ڈرنا کیونکہ وہ اگر تجھ پر
غضبناک ہوگا تو خدا اور رسولؐ تجھسے غضبناک ہونگے اُن کے جد رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز اولین آخرین جن والنس کے شفیع ہونگے اُنمیں کیواسطے

شفاعت عظمیٰ ہے اور والد اُن کے علی ابن ابی طالب بروز قیامت ساقی حوض کوثر
اور حامل لواء احمد ہونگے اور مادر بزرگوار اُنکی فاطمۃ الزہرا زنان بہشت کی سیدہ ہیں
اور جدۂ ثانی اُنکی خدیجۃ الکبریٰ ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کو ظاہر کیا اور ہم کو صراط الہٰی
ہدایت کی پس تو اُنکے غضب سے ڈرنا خدا اور رسول خدا اُن کے غضب سے غضبناک ہوتے ہیں
میں پھر حسینؑ اور اہل بیت کے باب میں پوری وصیت کرتا ہوں تو اُن حضرت کو ہمیشہ
راضی رکھنا اور حسینؑ کی اور قرابتداران حسین اور بنی ہاشم کی تعظیم اور تکریم میں کمی نہ
کرنا اے فرزند اگر تو اُنکی تعظیم اور تکریم میں کمی کریگا تو اُنکو غضبناک کریگا تو میں تیرے
فعل سے دین اور دنیا میں بیزار ہونگا اور تو گنہگار روز قیامت محشور ہوگا اور بروز قیامت
جہنم میں ڈالا جاویگا۔ یزید نے یہ سب اُمور سنکر جواب دیا کہ سمعاً و طاعۃ یعنی
میں نے سب ارشاد کو سنا اور سب پر عمل کروں گا راوی کہتا ہے کہ معاویہ جب یہ وصیت
حسینؑ کے بارے میں یزید سے کریگا تو اس کو احتضار شروع ہوا اُس نے کلمہ شہادتین پڑھا
یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بائیں
ہاتھ کو پھیلایا اور داہنے ہاتھ کو سمیٹا روح اُسکی پرواز کر گئی یزید نے تجہیز و تکفین کا
سامان کیا اور غسل و کفن دیکر دفن کر دیا پھر ہر طرف سے تعزیت کے واسطے لوگ
آتے تھے اور خطوط بھی مشعر تعزیت آتے تھے اور یزید سب کو لے لیتا تھا بعد چند
یزید نے لباس ماتمی اُتارا اور سرور و راحت کے کپڑے پہنے کرسی مملکت پر جلوس کیا اور
عیش و نشاط میں ساغرہائے شراب چلے اور اُسنے اپنے خویش و اقارب کو داد و
دہش کی رعیت پر فرمانروائی کرنا شروع کی اپنے لشکر کو بھی بہت کچھ دیا اعیان
دولت کو بھی دینا شروع کیا تمام بادشاہوں نے اُسکو ہدایا اور تحائف بھیجنا
شروع کیا تمام بلاد شام و روم وغیرہ نے اُسکی تعظیم و تکریم اور اطاعت شروع
کی اور یزید نے لوگوں کے واسطے منصب اور جاگیریں مقرر کیں اور
دعوتیں کیں اور اپنے تمام لشکر پر جود و سخا کیا مگر حسین اور اولاد اُنکے اہلبیت کو کچھ نہ دیا اور جو
کچھ اُسکے باپ کے زمانہ میں حضرت کیواسطے وظیفہ داد و دہش تھی وہ سب قطع

بدسلوکی یزید با حضرت امام حسین علیہ السلام

کردی مطلق کچھہ نہ دیتا تھا اور کچھہ اپنے پاس سے اُنکے واسطے نہ نکالتا تھا اپنے باپ
کے مرتے ہی اُس نے سب چیزیں بند کردیں اُنکو کچھہ بھی نہ دیتا تھا گویا اُسکے پاس
اُن کے لیے کچھہ نہ تھا اُس کا دل حضرت کیطرف سے سخت ہوگیا یہاں تک کہ حضرت
کیطرف دیکھتا بھی نہ تھا اور اپنے باپ کی وصیت کو بالکل ضایع کردیا اور اُس کا یہ حال
ہوگیا کہ حضرت یا حضرت کے اہل بیت یا قرابتدار کا زبان پر ذکر بھی نہ لاتا تھا بلکہ جو
شخص اُسکی مجلس میں آپکا ذکر کرتا تھا تو اُس سے رنجیدہ ہوجاتا تھا اور اُسے نکال دیتا
تھا راوی کہتا ہی کہ جب حسین ع نے یہ حال یزید کا دیکھا تو اپنی بہن سکینہ کے پاس
آئے اور آنسو آپکی آنکھوں سے جاری تھے اور فرمایا اے بہن اب یہاں سے مکہ یا مدینہ
کو چلو اور جو کچھہ یزید کا حال تھا وہ سب آپنے بیان فرمایا کہ اُس کا دل میری طرف سے
نہایت سخت ہوگیا ہے اور اپنے باپ کی وصیت پر کچھہ عمل نہیں کرتا سکینہ نے عرض
کیا کہ اے برادر ہاں سچ ہی یہاں قیام مناسب نہیں ہی لیکن رائے یہ ہی کہ آپ یزید سے اجازت
حاصل کریں بعد اسکے ہم روانہ ہوں آپنے فرمایا کہ یہ رائے بہت اچھی ہی راوی کہتا ہی
کہ حسین ع اپنی بہن کے پاس سے اوسیوقت اُٹھے اور دوات اور کاغذ اور قلم منگا کر
لائے یزید کو خط لکھا مضمون خط کا یہ تھا اے یزید واضح ہو کہ میں نے مکہ مدینہ جانیکا
قصد کرلیا ہی کیونکہ ان مقامات پر ہمارے باپ اور دادا رسول اللہ کا گھر ہی اگر تو اجازت
جانے کی دے تو میں روانہ ہوں اور اگر تو یہاں کے قیام کے واسطے کہے تو اسی جگہ
ٹھہرا رہوں اس خط کو بند کر کے ایک شخص کے ہاتھ یزید کے پاس بھیجدیا جب
یہ خط یزید کے پاس پہنچا تو اُس نے پڑھا اور سمجھا اور اُسی کی پشت پر لکھدیا آپنے
جو لکھا ہی کہ میں مکہ یا مدینہ کو جاؤں گا اور مجھہ سے جانیکی اجازت چاہتے ہو پس میں آپ کو
نہ اذن جانیکا دیتا ہوں اور نہ قیام کا اگر تم چاہو یہاں رہو اور اگر تم چاہو چلے جاؤ
تمہیں اختیار ہی اور میرا یہ حال ہی کہ اگر میرے پاس تمام زمین کے برابر زر ہوجاوے تو میں تمکو
اور تمہارے ساتھیوں میں سے کسی کو ایک درم بھی نہ دونگا اور میرے پاس تمہارے واسطے سوائے
ہم و غم کے اور کچھہ نہیں ہی کیونکہ میں اپنے قلب میں تمہارے اور تمہارے اہلبیت کیواسطے

ایک مثقال کے برابر محبت اور شفقت نہیں پاتا تم مع اہل وعیال کے چلے جاؤ خواہ
مدینہ کو جاؤ یا مکہ کو میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میرے گھر میں ہو کہ میں تمہاری صورت دیکھوں
الغرض جو مقام کہ تم کو اچھا معلوم ہووے وہاں چلے جاؤ۔ یہ خط لکھکر اُسنے بند کیا اور
بھیجدیا جب حضرت کے پاس پہونچا اور اُس کے مضمون کو سمجھا پھر حضرت اپنی بہن سکینہ
کے پاس آئے اور جو کچھ یزید نے لکھا تھا سُنایا سکینہ نے عرض کی کہ آپ برادران کے
پاس چلو اور اللہ تعالیٰ بہ نسبت یزید وغیرہ کے ہم پر زیادہ رحیم اور مہربان
ہے۔ پس حضرت اُسیوقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسباب سفر کی تیاری کی
اور اپنے اہل وعیال کو اور رشتہ داروں کو لیکر سوار ہوئے اور دمشق سے مکہ یا
مدینہ کی جانب روانہ ہوئے اور بعد طے کرنے جنگل اور پہاڑ اور دشت اور بیابان کے
مدینہ یثرب یعنی مدینۃ النبی میں پہونچے اور اپنے والد بزرگوار علی ابن ابیطالب کے
مکان میں قیام کیا یہاں حضرت سے اُنکے بھائی محمد بن حنفیہ اُنکے ملنے کو آئے
کیونکہ یہ آپ کے ساتھ شام نہ گئے تھے بلکہ مدینہ میں رہے تھے اور اونکو تحیت اور
سلام کیا اور حضرت امام حسینؑ سے نہایت توقیر اور عزت کے ساتھ پیش آئے
بعدہ سب حضرات جناب رسولخدا صلعم کی قبر پر گئے اور آپکی زیارت کی اور روضۂ مبارک
کے انوار فیوض سے متمتع حاصل کیا پھر مدینہ کے لوگ حضرت کے پاس ملنے کو آئے
اور بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ ملے مدینہ میں حضرت کو ایک روز گزر گیا جب رات ہوئی
سب سوگئے حسینؑ اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس بیٹھے یزید کے سب حالات بیان
کئے معاویہ کے وصایا بھی بیان کئے اور کہا کہ کسی ایک وصیت پر بھی یزید نے
عمل نہ کیا خط کا لکھنا اور اُس کا جواب وغیرہ سب امور فرمائے محمد حنفیہ نے کہا کہ اے
برادر تمہارے اوپر کچھ اوسکی حکومت نہیں اور اُس سے کچھ کام نہیں تم یہاں ٹھہر جاؤ اس
جگہ آپ اور آپکے احباب واصحاب قیام کریں کیونکہ وہ قیام بہ نسبت اور شہروں
کے اللہ کی رحمت سے قریب تر ہے وہاں تمہارا گھر ہے اور بھائی اور اصحاب واحباب
سب موجود ہیں وہیں تربیت پائی ہے اور ہمارا وطن ہے اور آبا و اجداد کا مکان اور

سکتی ہی خلافت یزید کا حق نہیں ہی نہ اُسکے باپ کا خلافت ہماری اور ہمارے باپ دادا
کا حق ہے۔ اگر ہم چاہیں اس کو لے لیں اور اگر ہمارا دل چاہے چھوڑ دیں اور جو شخص
کہ ہم سے بہتر تھا اُسنے اسکو چھوڑ دیا اور جو ہم سے بہتر مستحق تھا اُس نے چھوڑ دیا۔
حضرت امام حسینؑ نے جواب دیا کہ بہت اچھا یہ رائے درست اور اولےٰ ہی۔ میں مکہ کے سوا
اور کہیں قیام نہ کروں گا پھر آپ نے مدینہ میں تھوڑے دن قیام کر کے کوچ کا ارادہ
کیا اپنے بھائیوں اور اہل مدینہ کو وداع کیا سب کنبہ اور اسباب کو ہمراہ لیکے مع اپنے عیال
کے کوچ کیا اور مکہ میں پہنچے۔ جب اہل مکہ کو حضرت کے تشریف لانیکی اطلاع ہوئی سب
لوگ استقبال کو شہر سے باہر آئے سب کا پیشوا اور سب کے آگے عبداللہ بن زبیر تھا تمام
لوگوں نے مع عبداللہ کے آپ سے ملاقات کی اور بہت خوش ہوئے اور صحیح و سلامت
پہنچنے کی مبارکباد دی اُسوقت عبداللہ بن زبیر مکہ میں خلیفہ تھا جو حسینؑ کا رضاعی
بھائی تھا حضرت سے عبداللہ نے ملاقات کی اور سلام کیا اور آپ کو اپنے گھر لے گیا
اور وہیں اُتارا اور بہت کچھ تعظیم و اکرام کیا اور اُس شب کو اُسنے نہایت عمدہ کھانا
پکا کے حضرت اور آپکے ہمراہیوں کی دعوت ولیمہ کی اور بعد اُس کے حسینؑ اور عبداللہ
بن زبیر نے باہم گفتگو کی یزید کا حال مع وصایائے معاویہ بیان کیا اور اُسکے خط اور جواب خط کا حال کہا
یہ سنکر عبداللہ بن زبیر نے عرض کی یا اباعبداللہ اب آپ اس جگہ کے خلیفہ ہیں میں آپکی
اطاعت میں ہوں اسواسطے کہ یہ خلافت آپکے باپ اور دادا کی تھی اور آپ مجھسے اور یزید سے
زیادہ مستحق ہیں اگر آپ یزید سے لڑنا چاہتے ہیں تو آپ خروج کیجئے میں آپ کے ہمراہ ہوں
حضرت نے ارشاد کیا کہ بسوگند قبر جد بزرگوار میں خلیفہ نہ ہونگا نہ مجھے خلافت درکار ہی میرا
یہ ارادہ نہیں ہی صرف اسیقدر ہی کہ اپنے گھر اور کنبے میں تمام عمر رہوں جسطرح کہ میرے
جد امجد رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم اس جگہ رہتے تھے اور یہاں میرا یہ اہل و عیال کی
اور اپنے اقربا کی نگہداشت کروں یہی میری آرزو ہی کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھاوں
اور تین دن تک بھوکھا رہوں اور اسیطرح سے عمر کو گزاروں۔ عبداللہ بن زبیر نے یہ سنکر عرض
کی یا اباعبداللہ اے نواسۂ رسولخدا کے یہ بات بہت بعید ہی کہ آپ کے اہلبیت بھوکھے رہیں آپکی

باپ اور دادا کی بزرگی کے سبب سے آپکو اور آپکے تمام اہلبیت اور اقارب اور بنی ہاشم کو ایذا
راحت کے کچھ نہیں ہو سکتا میں کھانا نہ کھاؤں گا جب تک کہ آپ اور آپکے عیال نہ کھالیں
اور میں پانی نہ پیوں گا جب تک کہ آپ کے اہلبیت پانی نہ پی لیں اور میں خود اپنے واسطے
خرچ نہ کرونگا جب تک کہ آپ اور آپکے اہل و عیال کیواسطے خرچ نہ دے لوں اے
ابا عبداللہ آپ کے حکم سے زیادہ مجھپر کسیکا حکم نہیں ہے اور آپ سے زیادہ کسی کو مجھ پر
اختیار و قدرت نہیں ہو سکتی جو آپ کا ارادہ ہو کیجئے اور جس کو آپ ترک کرنا چاہیں
ترک کیجئے یہ سنکر حضرت نے اُس کے حق میں دعا کی بعد چند ایام حضرت اُسکے یہاں سے مع اہل و
عیال کے اُٹھکر اپنے مکان میں تشریف لائے اور یہاں آپ مدت تک رہا کئے اور آپ کے
قیام مکہ کے زمانہ میں عبداللہ بن زبیر بہت کچھ تعظیم و تکریم اور خاطر مدارات کرتا تھا اور
جو کچھ کہ اُسنے اپنے ذمہ انکا خرچ مقرر کرلیا تھا اُس کو برابر پہنچاتا تھا اور جو یہ فرماتے
تھے بجالاتا تھا اور سب سے زیادہ اُنکو بزرگ و مکرم و اعلےٰ سمجھتا تھا اور سب اہل مکہ حسین
کی عزت و حرمت و رعایت کرتے تھے اور ہدایا و انعام و تحائف پیشکش کرتا تھا اور
درجہ کی تکریم اور تعظیم کرتا تھا۔" نور العین صہ ۹ مطبوعہ مصر

اس افسانہ کو پورا پڑھ جایئے اور ایمان سے کہیئے کہ اسمیں ایک حرف بھی سچ ہے اور کسی
کتاب سے مقتل کے یا تاریخ کے کوئی اسکو ثابت کر سکتا ہے ؟ ہرگز ہرگز نہیں۔
یہ بھی تو آپ سمجھ گئے ہونگے کہ یہ جھوٹا افسانہ کس غرض سے بنایا گیا تھا ؟ تاکہ حضرت
معاویہ کی پردہ پوشی ہو اُنکے ظلم و ستم مخفی ہوں لوگ جانیں بڑے راست باز تھے
کہ مرتے وقت کہہ گئے میرا حق نہ تھا۔ بڑے دوستدار اہلبیت اظہار کرتے تھے کہ مرتے وقت
اپنے بیٹے کو وصیت کر گئے جس نے اپنی نالایقی سے اُسکی تعمیل نہ کی۔ کہاں امام حسینؑ کا
دمشق میں رہنا کہاں معویہ کی تعظیم و تکریم کرنا سب محض غلط اور لغو ہے جسکی کوئی اصل نہیں
پھر یہ بھی دکھایا ہے کہ امام حسینؑ کی ناراضی اور خفگی صرف اسوجہ سے ہوئی کہ یزید نے
آپکا وظیفہ بند کر دیا مال دینا ہاتھ نہ آتا تھا اسلئے بگڑ بیٹھے اور لڑائی کی ٹھان دی۔
چونکہ سراسر کذب و افترا سے کام لیا تھا اسلئے حضرت سکینہ کو آپکی بہن بنا دیا جنسے امام

حسینؑ نے مشورہ لیا۔

اور آخر میں پھر معاویہ کے خاتمہ بخیر ہونیکے علامات لکھے کہ اُسنے کلمہ شہادتین زبان جاری کیا حالانکہ محاضرات امام راغب اصفہانی میں صاف موجود ہی کہ بوقت موت معٰویہ صلیب اُسکی گردن میں تھی جس سے اُس حدیث کی تصدیق ہوئی کہ معٰویہ کی موت غیر ملت اسلام پر ہوگی۔

آخر میں عبداللہ بن زبیر کے لطف ومحبت کو بیان کیا جس سے اُسکی عداوت کی پردہ پوشی ہو حالانکہ یہ سارا بیان محض غلط اور خلاف واقع ہی جس سے تمام اہل علم واقف ہیں اور آیندہ چلکر معلوم ہوگا خاندان زبیر کو کس طرح کی عداوت تھی اہل بیت سے اور کئی پشت تک اس کا سلسلہ چلا گیا۔

پس جب ان کے ایسے ایسے مقدس علما اپنے اغراض کیلئے اسطرح کا جھوٹا فسانہ بنائیں تو اور لوگوں کا کیا ذکر ہے۔

مرد عاقل کیلئے تو صرف یہی تحریر کافی تھی کہ ناول نگار کو سراسر غلط سمجھیں کیونکہ جب اسطرح کا کذب وافترا اُن کے مقدس علماء کی وراثت میں چلا آیا ہی تو اوروں کا کیا ذکر جن کو خود انکے علما اکذب الناس کہتے ہیں۔ مگر نہیں ہم ہر واقعہ پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں اور سب کی قلعی کھولتے ہیں۔

مگر اس نامی تحقیقات کی بنا کتب اہل سنت پر ہوگی نہ کتب شیعہ پر جہاں ان حالات کا مطلق وجود نہیں

پہلا واقعہ عقد حضرت رباب ہی جسکے بارے میں شرر صاحب تینوں عقد کے بیک مجلس ہونے کے مدعی ہیں جو بعض روایات میں موافق ہی تحریر شرر صاحب کے۔ اور اُسکے تسلیم میں کسیطرح کا عذر نہیں۔

مگر قرینہ سے یہ روایت بھی غلط معلوم ہوتی ہی کیونکہ اگر یہ عقد اوس زمانہ میں ہوا ہوتا تو حضرت سکینہ کی ولادت اُسی قریب زمانہ میں ہوتی کیونکہ طرفین میں کوئی صغیر السن نہ تھا۔ حالانکہ اولاد امام حسینؑ میں بجز امام زین العابدینؑ کوئی ایسا نہیں ہے جس نے جناب امیر کو دیکھا ہو چہ جائیکہ خلیفہ دوم یا خلیفہ سوم کے زمانہ میں کسی کی ولادت

بود و باش تھی۔ لڑکے لڑکیاں ایک جگہ رہتے تھے ایک نے دوسرے کو اچھی طرح دیکھا بھالا تھا چھپنے میں کوئی پردہ نہ تھا اور بڑے ہونے پر بھی وہ امیرؔ کا حرم نہ تھا جہاں سات سات ڈیوڑھیاں ہوں پھر اس دکھانیکی ضرورت ہی کیا تھی صدہا نہیں ہزارہا مرتبہ دیکھ چکے تھے۔

افسوس ہے آپ نے لکھنؤ یا حیدرآباد کے سلاطین کا حال سنا تھا کہ لڑکیاں پسند کرانے کیلئے بھیجی جاتی تھیں اوس قصہ کو آپ نے حضرت امام حسینؑ کے حال میں لکھدیا۔ ایسی قصہ گوئی کی ممانعت کیجاتی ہے کہ قصہ گو غلط سلط ادھر کا حال ادھر لگا دیتا ہے۔

آپکی اس تحریر کی بدولت میں نے بہت سی کتابوں پر نظر دوڑائی مگر کسی کتاب حدیث یا رجال یا فن تاریخ میں اس قسم کا واقعہ نہیں ملا بجز دو واقعے کے کچھ اُس کو اس قصہ سے مشابہت ہے۔ اور شاید انھیں واقعات کا جوڑ یہاں لگا دیا جو غلط ٹھیرا۔

پہلا واقعہ حضرت ابوبکر کا اسکے مماثل ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین میں فرماتے ہیں چوں حضرت خدیجہ متوفی شد صدیق عائشہ را در عقد آنحضرت درآورد و دران باب ادبے کہ بہتر ازان صورت نہ بندد رعایت فرمود عن حبیب مولی عروۃ قال لما ماتت خدیجۃ حزن علیھا النبیؐ فاتاہ ابوبکرؓ بعائشۃ فقال یا رسول اللہ ھذہ تذھب بعض حزنک وان فی ھذہ خلفا من خدیجۃ ثم ردھا فکان رسول اللہ یختلف الی ابی بکر الحدیث اخرجہ الحاکم من طریق محمد بن عمرو عن عائشۃ قالت قدمنا المدینۃ فنزلت مع عیال ابی بکر ونزل الی رسول اللہ وھو یومئذ یبنی المسجد وابیاتنا حول المسجد فانزل فیھا اھلہ ومکثنا ایاما فی منزل ابی بکر قال ابوبکر یا رسول اللہ ما یمنعک ان تبنی باھلک فقال رسول اللہ الصداق فاعطاہ ابوبکر اثنتی عشر اوقیۃ ونشا فبعث رسول اللہ الینا وبنی بی رسول اللہ فی بیتی ھذا الذی انا فیہ اخرجہ الحاکم ص ۱۱۱

الحاصل کلام یہ ہے کہ بعد وفات حضرت خدیجہ ابوبکر صاحب اپنی بیٹی عائشہ کو خدمت رسول

میں لائے۔ اور کہا اس سے آپکی دلبستگی ہوگی حزن وغم آپ کا کم ہوگا۔ اس کے بعد پھر
اپنے گھر لائے جس کے بعد رسول اللہ کی آمد و رفت انکے یہاں شروع ہوئی۔ حضرت عائشہ
کا بیان ہے کہ جب ہم مدینہ آئے تو اپنے باپ ہی کے گھر رہے۔ اور رسول اللہ اس زمانہ میں
بنوا رہے تھے ہم لوگوں کے گھر گرد مسجد تھے جسمیں ابوبکر فرود ہوئے۔ چند روز
ہم اوسی مکان میں رہے کہ ابوبکر نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ آپ اپنی زوجہ کا
زفاف کیوں نہیں کرتے حضرت نے فرمایا مہر کا روپیہ نہیں ہے۔ ابوبکر نے لاکر حاضر کیا
جس کے بعد رسول اللہ نے اسی مکان میں مجھسے ہم بستری کی جس میں میرا
اس روایت کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ماثر خلیفہ اول میں لکھا ہے جس سے اونکا استحقاق
ثابت کرنا مقصود ہے۔ مگر ہم کیا کوئی مسلمان ذی فہم بھی ایسی روایت خلاف شرافت
قبول کرسکتا ہے جس سے عربی شرافت میں دھبہ آئے کیونکہ قرۃ العینین و ازالۃ الخفا
کی تصنیف کا مدار موضوع روایتوں پر ہے جس سے ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ ایک تو
سراسر موضوع ہے دوسرے اس روایت کے ہر جملہ کے خلاف صحیح روایتیں موجود ہیں صحیح
میں مرقوم ہے کہ حضرت نے عقد عائشہ کا پیغام ابوبکر کو بھیجا تو ابوبکر نے جواب دیا ہم تو آپکے
بھائی ہیں۔ بھائی کی بیٹی سے کیسے عقد کرسکتے ہیں جو تمام تر اس روایت کے خلاف
اور تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے جواب دیا عائشہ کی نسبت تو مطعم کے بیٹے
سے ہے (جو بڑا رئیس و مالدار تھا) بعدہ خود وہاں دوڑے چلے گئے کہ مطعم کی بی بی نے
دیکھکر کہا میں تیری لڑکی سے اپنے لڑکے کی شادی نہیں کرتی۔ تو اسے بھی
بہکا دیگا۔ تب آکر حضرت ابوبکر نے یہ نسبت منظور کی۔
پھر کسطرح کوئی شریف ایسی واہی روایت کو قبول کرسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر خود اپنی
صاحبزادی کو رسول اللہ کی خدمت میں لائے کہ یہ آپکی دلبستگی کے لئے حاضر ہے۔
خدا برا کرے ان وضاع راویوں کا جو ایک ہی رتی فائدہ کیلئے ایسی ایسی جھوٹی باتیں
بنائیں جن سے ہر شریف کو نفرت ہو اور مخالفین اسلام کو خندہ زنی کا موقعہ
میں بیشک شیعہ ہوں مگر ایسی روایتیں خلاف شرافت اپنے کسی دشمن کی نسبت

نہیں قبول کر سکتا چہ جائیکہ خلیفۂ اول کی نسبت جنھیں ہمارے دوسرے اسلامی بھائی اپنا دینی مقتدا مانتے ہیں

ان سب کو جانے دیجیے باتفاق محدثین و مورخین ثابت ہے کہ رسول اللہؐ نے قبل عقد حضرت عایشہ سودہ بنت زمعہ سے عقد کیا تھا بدر یبانی نجاشی بادشاہ حبش مہر کیا ضرورت تھی جو حضرت ابوبکر ایسا کام خلاف شرافت کرتے۔

اسیطرح آخری حصہ روایت کا بھی محل کلام ہے کیونکہ محقق دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں "حضرت رسول اللہ خود ابوبکر کی دولتسرا میں تشریف رکھتے تھے کہ ام رومان زوجہ ابوبکر نے حضرت عایشہ کا منہ ہاتھ دھوکر گود میں رسول اللہ کے لاکر بٹھلا دیا جسکے بعد وہیں خلوت ہولی" صـــ۱۲

اگرچہ اس روایت کی شان بھی وہی ہے جو روایت سابق کی شان ہے مگر خلاف اوس کے ضرور ہے جس سے اُس روایت کی غلطی کھل جاتی ہے۔

بہرحال اگر یہ حصہ مان لیا جاوے تو بھی پہلا حصہ کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ آج تک کسی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی لڑکی کے باپ نے یہ انداز اختیار کیا ہو پھر ہم کیونکر مان سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ایسا کیا ہو۔ حالانکہ عرب کی غیرت مشہور ہے یہاں تک وہ اسمیں سخت تھے کہ بیٹیوں کو مار ڈالتے اور زندہ دفن کر دیتے کہ وہ نہ زندہ رہینگی نہ کوئی ہمارا داماد بنے گا۔

تیسرا حصہ بھی محل کلام ہے کہ حضرت ابوبکر کا مکان قریب مسجد ہو کیونکہ اُن کا گھر محلہ سنح میں تھا جو دو میل کے فاصلہ پر مسجد سے واقع تھا۔ پھر مہر کا روپیہ حضرت ابوبکر سے لینا یہ بھی بے اصل سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ تمام تاریخ وحدیث کی کتابیں ان واقعات سے بھری پڑی ہیں کہ یہ لوگ ایسے نادار تھے کہ انصار انکی خبر لیتے اور بھوکھوں نہ رہتے یہاں تک کہ حضرت ہی کچھہ سامان کرتے۔ سواری کا اونٹ تک تو حضرت نے خود ابوبکر صاحب سے بوقت ہجرت خریدا اور مہر کا روپیہ ابوبکر صاحب سے لیں کیونکر ہو سکتا ہے ان جھوٹے راویوں نے یہاں تک بنا چھوڑا کہ خود حضرت عایشہ فرماتی تھیں جب میرا

الیه ابنته ام عاصم وحفصه وقال له اختر فاختار حفصه فزوجها به
فقیل له ترکت ام عاصم وهی اجملهما فقال رایت جاریة رابعة
(رابعة) وبلغنی ان آل مروان ذکروها فقلت لعلهم ان یصیبوا من
دنیاهم فتزوجها عبد العزیز بن مروان ص ۱۹۳ جلد ا کہا مصعب بن زبیر
نے کہ ابراہیم بن نعیم کے تصرف میں تھی بیٹی عبد اللہ (عبید اللہ) بن عمر کی جب وہ مر گئی
تو عاصم بن عمر نے ابراہیم کا ہاتھ پکڑ کر گھر میں داخل کیا اور اپنی دونوں بیٹیوں ام عاصم و
حفصہ کو اس کے سامنے پیش کیا کہ جسے چاہو ان دونوں میں اختیار کرو۔ ابراہیم نے
حفصہ کو پسند کیا اور اس سے عقد ہوا کسی نے کہا کہ تو نے ام عاصم کو چھوڑ دیا جو نہایت
حسین و جمیل تھی۔ ابراہیم نے کہا میں نے اسکو خوش لڑکی پایا اور یہ بھی سنا تھا کہ آل
مروان اس کا تذکرہ کرتے ہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اس لڑکی کی بدولت ان لوگوں کو کچھ مال
ہاتھ آجائیگا انکے دنیا سے۔ اس کے بعد اس ام عاصم کا نکاح عبد العزیز بن مروان
سے ہوا جس سے عمر بن عبد العزیز خلیفہ پیدا ہوا۔
اس واقعہ کے قبول اور تسلیم کرنے میں البتہ کوئی عذر نہیں ہوسکتا کہ عاصم نے اپنی
دونوں بیٹیاں بغرض انتخاب پیش کیں جسکی بہت سی وجہیں ہوسکتی ہیں مگر اس خاندان
کے افعال پر خاندان رسالت کا نہیں قیاس ہوسکتا۔
اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے ذریعہ سے کمائی ہوتی تھی اور دوست
احباب بھی اس کا خیال رکھتے تھے کہ حسین لڑکیوں کو بغرض حسن فروشی چھوڑ دیتے۔
یہ واقعہ بھی ان واقعات سے ہے جس نے بہت کچھ علماء اہلحدیث کو اشتباہ میں ڈالا۔
کیونکہ اسی لڑکی کو ان لوگوں نے رقیہ دختر عمر بنایا اور اسکی ولادت حضرت ام کلثوم بنت
علی کیطرف منسوب کی۔ حالانکہ دونوں واقعہ غلط محض ہے۔ چنانچہ درج الوثوق میں
بتفصیل تمام مرقوم ہے ص ۱۵۰
بہرحال اس واقعہ کی غلطی بہت اچھی طرح ثابت ہوئی۔ محض استبعادات عقلی و نقلی سے
بلکہ اصل روایت بھی اسکی سراسر خلاف ہے کیونکہ مشارق الانوار۔ نور الابصار۔ اسعاف الراغبین

فصول المہمہ میں تصریح تمام مذکور ہے کہ جناب امام حسین نے خود حسن مثنیٰ سے پوچھا اور اُنکے سکوت پر آپ نے حضرت فاطمہ کو تجویز کیا اور اُسکے بعد عقد کر دیا نہ کہ حضرت مکان کے اندر لیگئے اور دونوں لڑکیوں کو سامنے کیا جیسا کہ شرر صاحب نے اغانی سے لکھا جو محض خلاف واقع ہے اور بے اصل محض

یہ دو واقعہ مطابق اپنے ٹیسٹ کے شرر صاحب نے اس غرض سے لکھے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو وہ خود یا اُنکے طرفدار لوگ اِن مثالوں کی تقلید کریں اور یا خود بائیں رواج دیں۔ سادات ذی عزت کے دل نہ دُکھائیں اُنکو اپنے حال پر رہنے دیں کہ وہ اپنی شرافت کی بہت قدر کرتے ہیں اور جسقدر اسیر بازار ہیں بجائے خود درست ہے کہ یہی طریقہ اُن کے بزرگوار رہنما رسول سے لیکر ائمہ اہلبیت تک اس کے خلاف وہ کسی طرح جائز نہیں سمجھتے۔

اس واقعہ کا وہ فقرہ نہایت لغو ہے جناب سکینہ کے حُسن وجمال کا اسقدر شہرہ تھا کیونکہ حُسن وجمال کا اُسکے شہرہ ہوتا ہے جو بیحجاب اور بے پردہ ہو خواہ وہ بازاری ہو یا غیر بازاری بہو بیٹی کے حُسن وجمال کا شہرہ نہیں ہوتا۔ نہ کوئی شریف زادیوں کے حُسن وجمال سے واقف ہوتا ہے بجز اسکے کہ دو چار عورتیں ٹولہ محلہ کی جانتی ہیں جو اپنے عزیزوں سے تذکرہ کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتب مذکورہ صدر میں اس جملہ کا کہیں وجود نہیں۔ شرر صاحب کا مطلب چونکہ پردہ کے خلاف ہے اس لئے عمداً وہ الفاظ منتخب کرتے ہیں جس سے تمام نگاہوں میں یہ ثابت ہو کہ خاندان رسالت میں بھی پردہ نہ تھا۔ ورنہ وہ کوئی واقعہ کوئی حکایت کوئی روایت ایسی نہیں لا سکتے جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت سکینہ کے حسن وجمال کا شہرہ ہو۔ اگر شرر صاحب کو ایسی ہی ضرورت تھی تو وہ ام کلثوم بنت ابوبکر کا حال لکھتے جو بغرض حسن فروشی کبھی پردہ نہ کرتیں ہمیشہ مُنہ کھلا رہتا۔ مگر مجھے اس حکایت کے قبول کرنے میں بھی عذر ہے۔ یوں تو حسن وجمال شرفا خصوصاً خاندان رسالت مسلم ہے جسمیں کسی کو عذر ہی نہیں ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء مگر اب ہم دعوے کے ساتھ شرر صاحب کے اس جملہ کی تکذیب کرتے ہیں کیونکہ حضرت فاطمہ بنت الحسین کا حُسن اس درجہ پر تھا کہ حور العین اُن کا لقب ہوگیا تھا

جیسا کہ مشارق الانوار وغیرہ میں مرقوم ہی بخلاف حضرت سکینہؑ کے کہ کسی نے اُنکے اس لقب کو یا مثل اسکے اور القاب کو نہیں لکہا ہے جس سے شرر صاحب کے دعوے کی تائید ہو سکے۔

شرر صاحب کا مطلب چونکہ یہ ہی کہ حضرت سکینہ کو معاذ اللہ مثل ایک بازاری عورت کے قرار دیں لہذا اس ڈھب سے اُنکے حُسن و جمال کی تعریف بیان کرنی شروع کی ہی جس سے اُنکو جوانان تمام جوانان عرب کا معشوقہ بنائیں۔ حالانکہ یہ خیال اُن کا محض لغو ہی اور کوئی ثبوت اس کا نہیں رکھتے۔

یہاں مجھے وہ واقعہ یاد پڑتا ہی جسے مورخین و محدثین و مفسرین اہل سنت نے بذیل تفسیر آیہ وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ لکھا ہے کہ یہ آیہ شان میں طلحہ بن عبید اللہ کے نازل ہوا جنھوں نے یہ کہا تھا کہ بعد وفات رسول اللہ ہم عائشہ سے عقد کرینگے ابن عباس سے روایت ہے کہ بعض ازواج نبی سے ایک مرد نے کچھہ بات چیت کی اور وہ رشتہ میں اُنکا چچا زاد بھائی تھا۔ حضرت نے فرمایا آیندہ سے کبھی تو یہاں نہ کھڑا ہو اُس نے عرض کی یا رسول اللہ یہ میری ابنہ عم ہی اور کوئی بُری بات میں نے نہیں کہی تھی حضرت نے فرمایا تو جانتا ہی کہ خدا سے بڑھکر کوئی غیرت دار نہیں ہی نہ مجھسے زیادہ کوئی صاحب غیرت ہے۔ وہ شخص (طلحہ) چلا گیا اور کہا کہ ہم کو یہ کلام کرنے سے روکتے ہیں۔ حالانکہ ہم بعد آپ کے ان سے عقد کرینگے۔ اسوقت یہ آیہ نازل ہوا صفحہ ۲۱۵ درمنثور

پس جب صحابہ رسول اللہ صلعم کی یہ حالت تھی کہ حضرت کی زندگی میں وہ حضرت عائشہ کو تکے ہوئے تھے کہ بعد وفات رسول ہم ان سے عقد کرینگے تو اور لوگوں کا کیا ذکر ہے میرے پیش نظر ہدایۃ السعداء کا یہ مضمون بھی موجود ہی کہ یزید نے حضرت عائشہ کو اپنے پلنگ پر طلب کیا تھا۔ تو اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

تیسرا واقعہ مسٹر شرر نے یہ لکھا ہی مگر اس کے چند ہی روز بعد جناب امام حسنؑ کے دوسرے صاحبزادے عبد اللہ کے ساتھ جنکی کنیت ابوبکر تھی آپکا عقد ہو گیا لیکن افسوس

کہ ہنوز اس مبارک عقد کا کوئی نتیجہ نہیں ظاہر ہوا تھا اور کوئی اولاد نہیں ہونے پائی تھی
کہ واقعہ کربلا پیش آیا۔
اس مضمون کو اکثر علماء و محدثین اہل سنت نے لکھا ہے کہ حضرت سکینہ کا عقد عبداللہ بن حسن سے
ہوا مگر کہاں ہوا اور کیونکر ہوا۔ اور کس سن میں ہوا کچھ نہیں معلوم ہوتا نور الابصار
میں ہے وتزوجت عبد اللہ بن الحسن السبط بن علی کرم اللہ وجہہ فقتل عنھا
بالطف قبل ان یدخل بھا ص ۱۵۸ یہی مضمون اسعاف الراغبین میں بھی ہے۔
بعد نقل قول امام حسین ع واما سکینۃ فغالب علیھا الاستغراق مع اللہ فلا تصلح
لرجل وفی کلام غیر واحد ان سکینۃ تزوجت بابن عمھا عبد اللہ بن الحسن
فقتل عنھا بالطف ثم تزوجت بعدہ بازواج ص ۲۰۲
دونوں عبارتوں کا سیاق کہتا ہے کہ یہ عقد باختیار خود حضرت سکینہ ہوا کیونکہ تزوجت
کی نسبت حضرت سکینہ ہی کیطرف ہے جو ایک محال امر ہے کہ باوصف موجودگی جناب امام حسین
حضرت سکینہ خود اپنا عقد کریں اور بنا بر مذہب اہل سنۃ تو وہ عقد ہی نہیں ہوا جو
بلا ولی ہو۔ اغانی میں بھی یہی ہے کہ یہ عقد باختیار حضرت سکینہ ہوا۔ حدثنی
مصعب قال تزوجت سکینہ بنت الحسین ع عدۃ ازواج منھم عبد اللہ بن الحسن
بن علی وھو ابن عمھا وابو عذرتھا ص ۱۶۸ جلد ۱۴
تو کیا کوئی عاقل ایک منٹ کیلئے بھی اس غلط روایت کو مان سکتا ہے۔ لطف تو یہ ہے
کہ خود شرر صاحب بھی اس عقد کو اسی انداز سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ
عقد بہ اختیار امام حسین ع نہیں ہوا۔ کیونکہ لکھتے ہیں "مگر اس کے چند ہی روز بعد جناب
امام حسن ع کے دوسرے صاحبزادے سے آپ کا عقد ہو گیا"۔ پس منصف کیلئے تو یہی جملہ
ان کا کافی ہے اس سراسر قصہ کی موضوعیت کیلئے کیونکہ یہ امر محال ہے۔
دوسرے یہ کہ تمام مورخوں نے بالاتفاق لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حسن ع معرکۂ کربلا
میں نہایت ہی کم سن تھے چنانچہ نور الابصار میں ہے بذیل ذکر اولاد امام حسن ع وعمر واخوہ القاسم
وعبد اللہ امھم ام ولد واستشھد وقتلا ثلاثتھم بین یدی عمھم الحسین

بن علیؑ لطف کربلا ص۱۱۲

یعنی عمر۔ قاسم۔ عبداللہ ایک ماں سے تھے کہ ماں انکی ام ولد تھیں یہ تینوں بھائی بروز
عاشورہ اپنے چچا کے سامنے کربلا میں شہید ہوئے۔ اور بالاتفاق ثابت ہی کہ حضرت
قاسم جو بڑے تھے بروز عاشورہ کم سن تھے کہ حد بلوغ کو نہیں پہونچے تھے بلکہ بتصریح
علامہ ابو اسحق اسفرائنی نور العین میں حضرت قاسم کا سن نو برس کا تھا تو عبداللہ بن حسن
کا سن اور بھی کم ہوا۔ روایات شیعہ میں حضرت قاسم کو لم یبلغ لکھا ہی اور حضرت
عبداللہ بن حسن کے بارے میں خود کامل میں ہی واقبل الی الحسین غلام من اھلہ
یعنی ایک لڑکا گھر میں سے نکلا جو ایسا کم سن تھا کہ تلوار کھانے پر اُس نے کہا یا امتاہ
یہ حال انھیں عبداللہ بن حسنؑ کا ہی جو امام حسینؑ کیلئے آخری داغ تھا۔
غرض تمام روایتوں کے ملانے سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن حسن کا سن
وقت شہادت دس بارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ پھر کوئی عاقل کیونکر قبول کرسکتا ہے
کہ ایسے کم سن لڑکے سے عقد کیا گیا ہو۔
رہا یہ امر کہ حضرت سکینہ کا سن معرکۂ کربلا میں کیا تھا قابل شادی تھیں یا نہیں پس
درحقیقت کسی روایت سے اسکا پتہ نہیں چلتا نہ خود شررؔ نے سنہ ولادت لکھا ہی نہ سنہ
وفات نہ یہی کہ وقت وفات اُس سیدۂ مظلومہ کا سن کیا تھا۔
مگر تھوڑے سے غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو کہ حضرت سکینہ اُسوقت نہایت
ہی کم سن تھیں۔ کیونکہ اسقدر تو خود شرر صاحب نے بھی قبول کیا ہی کہ حضرت فاطمہ بنت الحسین
بڑی تھیں حضرت سکینہ سے۔ اور اُنکا عقد حضرت مثنیٰ سے ہوچکا تھا۔ اب ان کے سن کا
پتہ لگاؤ تو معلوم ہوجائے کہ حضرت سکینہ کا کیا سن تھا۔
مقتل ابو مخنف میں ہی اور اُس سے ینابیع المودۃ میں بھی نقل کیا ہی کہ جب حضرت
زینبؑ کوفہ میں پہونچیں ہیں اور فرق امام حسینؑ دیکھکر اپنا سر چوب محمل پر ٹپکا جس سے
حضرت زینب کا سر زخمی ہوا تو یہ اشعار کہے ہیں ؎

یا ھلالا لما استتم کمالا غالہ خسفہ فابدا غربہ

ماتوجہت یاشقیق فوادی — کان ھذا مقدرا مکتوبا
یا اخی فاطمۃ الصغیرۃ کلمہا — فقد کاد قلبہا ان تذوبا

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت زینبؑ فاطمہ کو بلفظ صغیرہ یاد کر رہی ہیں۔
اور تاریخ طبری میں ہے منہ انہن ادخلن علی یزید فقالت فاطمۃ بنت الحسین
وکانت اکبر من سکینۃ ابنات رسول اللہ سبایا یا یزید۔
جب اسیران کربلا دربار یزید میں پہونچے تو فاطمہ بنت الحسینؑ نے جو بڑی تھیں
سکینہ سے کہا کیا رسول اللہ کی بیٹیاں قیدی رہیں اے یزید؟
جس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ اور سکینہ اُسوقت ایسی کمسن تھیں کہ صرف یہ
کہا جا سکتا تھا فاطمہ بڑی ہیں سکینہ سے۔
اور تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی میں ہے لما دخل النساء علی یزید نظر
رجل من اہل الشام الی فاطمہ بنت الحسین وکانت صبیۃ وضیئۃ
جس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ ایسی کمسن تھیں کہ لفظ صبیہ سے یاد کی گئیں۔
اور تاریخ کامل میں ہے فقالت فاطمہ بنت الحسین وکانت اکبر من سکینۃ
ابنات رسول اللہ سبایا یا یزید اور ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ میں ہے
فقالت فاطمہ بنت الحسین ولما جلسنا بین یدی یزید رق لنا فقام الینا
رجل من الشام احمر فقال یا امیر المومنین ھب لی ھذہ الجاریۃ
یعنینی وکنت جاریۃ وضیئۃ کہ فاطمہ بنت الحسین بیان کرتی ہیں جب ہم لوگ
داخل دربار یزید ہوئے تو یزید کو کچھ رحم آیا۔ ایک مرد شامی سرخ رنگ کھڑا ہوا اور کہا
اے امیر المومنین یہ لڑکی مجھے عنایت ہو۔ حضرت فاطمہ کہتی ہیں اُس شامی نے
مجھے طلب کیا تھا کہ میں اُس وقت لڑکی تھی۔
اور امالی شیخ صدوق علیہ الرحمہ میں ہے عن عبد اللہ بن الحسن عن امہ
فاطمہ بنت الحسین قالت دخلت العامہ علینا الفسطاط وانا جاریۃ صغیرۃ
وفی رجلی خلخالان من ذھب عبد اللہ بن حسن اپنی ماں فاطمہ بنت الحسین سے

روایت کرتے ہیں کہ جب لشکر یزید کا خیمہ میں داخل ہوا تو میں ایک چھوٹی لڑکی تھی اور میرے پیر میں سونے کی خلخال تھی۔

ان سب روایتوں اور اقوال کے دیکھنے سے جو فریقین کی مستند اور معتمد کتابوں سے نقل کیگئی ہیں نہ کتب مراثی وغیرہ سے۔ نہایت بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ خود حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ معرکہ کربلا میں کمسن لڑکی تھیں کہ لفظ جاریہ اور صغیرہ اور صبیہ کا ان پر اطلاق کیا گیا تو حضرت سکینہ اور بھی کمسن ٹھہریں جو اُن سے چھوٹی تھیں یہی وجہ ہے کہ تاریخ طبری اور کامل میں صرف اس قدر بتہ دیا گیا کہ فاطمہ بڑی تہیں سکینہ سے جو بجائے خود اسکی دلیل ہے کہ دونوں مظلومہ ایسی کمسن تھیں کہ جاریہ یا صبیہ کہا جاتا نہ امرہ جو بڑی عورتوں کے حق میں کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سکینہ ایسی کمسن تھیں کہ اس مجمع عام اور دربار میں اتنا کلام بھی نہیں کر سکتی تھیں جتنا کہ حضرت فاطمہ نے کلام کیا اسلئے یہ بتادیا کہ فاطمہ بڑی تھیں سکینہ سے جو اتنا کلام کر سکیں۔

مجمع البحار گجراتی میں ہے الجاریۃ من النساء من لم تبلغ الحلم صـ ۱۹۱

بہرحال صغر سنی حضرت فاطمہ کی معرکہ کربلا میں یقینی طور پر ثابت ہوئی اور حضرت سکینہ کا بچپنا بھی بدرجہ اولے ثابت ہوا۔

رہا یہ گمان کہ جسطرح حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ کا عقد اسی صغر سنی میں ہو چکا تھا اسی طرح حضرت سکینہ کا بھی عقد ہو گیا ہو تو ممکن ہے۔ کیونکہ جہاں ان دونوں سیدہ مظلومہ کی کمسنی ثابت ہے اسیطرح اُنکے شوہروں حسن مثنی اور عبداللہ بن حسن کا صغیر السن ہونا بھی بخوبی ثابت ہے۔ مگر اسطرح کی کمسنی یا عقد پر مسٹر شرر کی یہ تعریض محض نازیبا ہے جو وہ اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں کہ

کیونکہ اسمیں نہ مرثیہ گویوں کا قصور ہے نہ ذاکرین کا بلکہ خود آپکے اکابر علماء اور محدثین کا قصور ہے جو ان دونوں سیدہ کو عام طور پر جاریہ۔ صغیرہ۔ صبیہ لکھ رہے ہیں۔ یا یوں سمجھیے کہ آپ کے خیال میں خود خداوند عالم کا معاذ اللہ قصور ہے جو ان دونوں مظلومہ کو ایسے وقت میں پیدا کیا کہ معرکہ کربلا میں کمسن تھیں۔

اور تحقیقات کا حال تو معلوم ہو چکا کہ تمام مورخین و محدثین نے بھی کمسن ہی بیان کیا
اور بالغ ہونیکا دعویٰ تو محض افترا ہے کیونکہ اگر عقد بھی قبول کیا جائے تو بلوغ
ثابت ہو سکتا۔ کیونکہ حدیثوں میں بتصریح مذکور ہے لڑکیوں کا عقد ایسے سن میں کر
وہ شوہروں کے گھر جا کر بالغ ہوں۔
رہی ناسخ التواریخ کی غلطی پس بڑی غلطی اُسکی یہی ہے کہ ان بے ایمان مورخوں
اور محدثوں کے قول پر اُس نے اعتماد کیا اور بلا تحقیق اُنھیں اقوال ضعیفہ
کو لکھ دیا چنانچہ نور الابصار کی روایت مذکور ہوئی جو لکھتا ہے فقتل عنها بالطف
ان یدخل بها
جس سے معلوم ہوا کہ شہادت عبد اللہ بن حسنؑ قبل سکے ہے کہ نوبت ملاقات آئی
کہ یہ بھی ایک دلیل واضح اسکی ہے کہ دونوں کا سن اُسوقت ایسا نہ تھا محض
تھے اور اس کم سنی کی تائید اُس مضمون سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سکینہ کا کلام
کوفہ نقل کیا جاتا ہے ایتمتمونی صغیرۃ وارملتمونی کبیرۃ کہ آپ نے فرمایا تم لوگوں
نے صغر سنی میں ہم کو یتیم کیا اور بڑے ہونے پر بیوہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ
اس جملہ سے بھی صغر سنی حضرت سکینہ کی کربلا میں ظاہر ہے۔
مگر جب مستند طریق سے قول جناب امام حسینؑ موجود ہے کہ السکینۃ لا تصلح
پھر ایسے بے سروپا اقوال پر کیونکر کوئی اعتماد کر سکتا ہے جو عقلاً و نقلاً قابل قبول
کیونکہ خود اُسی اغانی میں جو مایہ بضاعت شررصاحب ہے اس عقد کے بارے
قول مرقوم ہے۔ اخبرنی الفارسی قال حدثنی الزبیر بن بکار قال حدثنی
قال تزوجت سکینۃ بنت الحسینؑ عدۃ ازواج منھم عبد اللہ بن الحسن
بن علی وھو ابن عمھا ابو عذرتھا۔
وحدثنی۔ یحی بن الحسن العلوی ان عبد اللہ بن حسن زوجها
جعفر وامه بنت السبیل بن عبد اللہ البجلی اخی جریر۔
واما محمد بن سلام فانه ذکر فیما اخبرنی ابو الحسین الاسدی عن

۱۷۹ الرياشي عنه ان اباعذرها عمر بن الحسن بن علي ثم خلف العثمانی علیها
یہ تین قول توصرف فرزند جناب امام حسنؑ کے بارے میں ہیں جن سے عقد ہونا حضرت سکینہ کا بیان
کیا جاتا ہے۔
چوتھا قول ابن الکلبی سے لکھتے ہیں ان اوّل ازواجها الاصبغ ومات عنہم ۱۷
یہ چاروں سب اقوال مرقومہ بالا کے خلاف ہیں۔ یہ چار قول اغانی میں بیت ... الی ...
مرقوم ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور کسی طرح باخود انھیں ربط نہیں ہو سکتا۔ پھر کیونکر
کوئی ان اقوال کو صحیح مان سکتا ہے اور قول جناب امام حسینؑ سے عدول کر سکتا ہے۔
جسمیں حضرت نے فرمایا ہے السکینۃ لا تصلح لرجل
اب یہاں مناسب ہے کہ اُن روایتوں پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے جن میں بیان ہے
کہ اس عقد اول کے بعد حضرت سکینہ کے اور بھی چند عقد ہوئے۔
۲ ابن قتیبہ صاحب نے یہ ترتیب لکھی ہے۔ عبداللہ بن حسن جنکی کنیت ابوبکر تھی۔ مصعب بن زبیر
عبداللہ بن عثمان خرامی۔ زید بن عمرو بن عثمان بن عفان۔ اصبغ بن عبدالعزیز بن
مروان جس نے قبل از ملاقات طلاق دیا۔ ابراہیم۔ المتوفی ۱۱۷؁ معارف ص۔
یہ ایک روایت ہے اغانی کی جس کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے اخبرنی الفارسی قال
حدثنی الزبیر بن بکار قال حدثنی مصعب قال تزوجت سکینہ بنت الحسین
عدۃ ازواج منهم عبد الله بن الحسن الی آخرہ ص ۱۶۸
دوسری روایت یہ لکھی ہے واما محمد بن سلام فانہ ذکر فیما اخبرنی ابو الحسین
الاسدی عن الریاشی عنه ان اباعذرها عمر بن الحسن بن علی ثم خلف
ص ۱۶۹ العثمانی علیها ثم مصعب بن الزبیر ثم الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان
اس سلسلہ میں صرف ترتیب ہی نہیں بدلی ہوئی ہے بلکہ پہلے عبداللہ بن حسن کے جگہ عمر بن
حسن ہیں اور مصعب کی جگہ زید بن عمر بن عثمان۔ تب مصعب بن زبیر ہیں اُنکے بعد اصبغ
جس سے طلاق ہوا۔ اسمیں عبداللہ بن عثمان حزامی بالکل ساقط ہیں۔
تیسری روایت یہ لکھی ہے کہ اصبغ کے بعد عبداللہ بن عثمان حزامی سے عقد ہوا ...

ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اسکے لئے بھی وہی قصہ تصنیف ہوا ہے جو دختر مصعب کیلئے
بنایا گیا تھا کہ حضرت سکینہ نے کہا یہ موتی اسلیئے پہنایا ہے کہ میری لڑکی کے حسن کے
سامنے وہ فضیحت ہو۔
چوتھی روایت یہ لکھی ہے کہ سکینہ عمر بن حکیم بن خرام کے عقد میں تھیں اُس کے بعد زید بن
عمرو بن عثمان بن عفان سے عقد ہوا۔ تب مصعب بن زبیر اُس کے بعد ابراہیم
بن عبدالرحمن[1] بن عوف نے خطبہ کیا جس پر بنانہ والا قصہ ہوا۔
اسمیں عبداللہ بن حسن بھی غائب ہیں۔ اور عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن
خرام کی جگہ اُن کے دادا عمر بن حکیم تشریف لائے اور اُسکے بعد مصعب کا درجہ آیا حالانکہ
بتصریح ابن قتیبہ حکیم بن خرام کے تین ہی بیٹے ہیں۔ عبداللہ ہشام خالد عمر کا
کہیں وجود نہیں۔ **پانچویں** روایت اُسی اغانی کی یہ ہے کہ عبداللہ بن حسن کے بعد مصعب
اُس کے بعد اصبغ جس نے طلاق دیا۔ اُس کے بعد زید بن عمر عثمانی۔ یہ روایت
اُن سب کے خلاف ہے۔ **چھٹی** روایت یہ ہے کہ پہلا شوہر اصبغ بن عبدالعزیز
ہے جو بلا ملاقات مرگیا۔ تب زید بن عمرو عثمانی۔ تب مصعب تب ابراہیم بن عبدالرحمن
بن عوف صنہ۱۷۱۔ یہ کل روایتیں صرف اغانی کی ہیں اور ہر روایت میں ایک
ایک وہ قصہ بھی ہے جس کو سلسلہ وار شرر صاحب نے بطرز ناول بیان کیا جس سے
ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ روایتیں کیا وقعت رکھتی ہیں اور کہانتک درست رہ سکتی ہیں
اب انکے بڑے بھائی ابن قتیبہ کی نازک خیالی سنئے کہ وہ اپنی کتاب المعارف میں
تین قول لکھتے ہیں۔ مصعب بن زبیر۔ عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن خرام
اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان۔ زید بن عمرو بن عثمان۔ دوسرا قول عمر بن حکیم بن خرام
یہ رشتہ میں دادا ہوئے عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم کے۔ عمرو بن عثمان یہ
زید بن عثمان کے باپ ہیں جس کے مطلب یہ ہوئے کہ زید کے باپ سے عقد ہوا تھا۔
مصعب بن زبیر۔ تیسرا قول۔ اصبغ بن عبدالعزیز۔ زید بن عمرو بن عثمان۔ مصعب

[1] ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف المتوفی ۱۴۶ھ معارف صنہ۱ عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سنہ [illegible]

بن زبیر۔ عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام۔ ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف
دیکھیے "المعارف" والا جوان سب سے مقدم تھا اسکی طباعی یہیں تک پہونچی تھی تین ہی قول
اُسنے لکھے تھے۔ اغانی والے آئے انھوں نے اسپر تین قول کا اور اضافہ کیا جس سے باعتبار تقدم
و تاخر زماں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔
اس اختلاف بیانی کی گتھی ایسی جانکاہ ہے کہ خود شرر صاحب کو اقرار کرنا پڑا "مگر ہاں اسمیں
بڑا اختلاف ہے کہ کون عقد پہلے ہوا تھا اور کون بعد جس کا تصفیہ امکان سے باہر نظر آتا ہے"
مگر افسوس اس کا ہے کہ شرر صاحب نے ان دروغگویوں سے الٹا نتیجہ نکالا کہ بجائے اس کے
کہ ان روایات کی غلطی کا اقرار کرتے۔ خود اپنی طبیعت سے ایک سلسلہ قائم کرلیا اور اسپر ایک تالیف
اس انداز سے لکھ گئے کہ ہر شخص سمجھے اصلی واقعات یوں ہی ہیں جو عام قاعدہ داستان گویوں کا ہے
اگر روزانہ اخبار دہلی میں معارف کا وہ تینوں قول نہ چھپ گیا ہوتا تو شرر صاحب اپنے
اس مسلسل جلسہ آرائی کا یہ فقرہ ہرگز نہ لکھتے جس سے وہ سر ٹوٹ گیا جو شروع تحریر سے
بندھا تھا۔ شرر صاحب نے یہ آخری تحریر ان تحریروں کے بعد لکھی ہے جنمیں انکے واقعات کے
اغلاط اور اغانی و معارف کی تحریفات دکھائے گئے مگر افسوس کوئی اثر انکا اسپر نہ پڑا ضرور تھا کہ
ایک ہی ڈھانچہ پر اور وہی گاتے رہتے جو سالہا سال دوسری تحریر کی تھی۔ حالانکہ ایسے
وحید دہر و فرید تحقیق کو لازم تھا کہ اُن سب تحریروں کا جواب دیتے۔ اور اپنے اغلاط
کی صحت ثابت کرتے نہ یہ کہ انھیں اغلاط کو رٹتے جائیں۔ اور کسی کی نہ سنیں۔
اب ان بے اصل عقدوں کے نتائج کو بھی ہمیں سن لیجئے کہ جہاں ان نکاحوں کا اقرار لیا
وہاں اولاد کے بارے میں کیا کمی تھی کیونکہ حضرت عائشہ کا بھی ششماہہ حمل یہ لوگ
گرا چکے ہیں مصعب کی بیٹی کا حال تو خود شرر نے تفصیل وار لکھا ہے جسمیں گہنے موتیوں
کے پہنانے کی وجہ یہ لکھی ہے "کہ حضرت سکینہ نے فرمایا میں نے یہ زیور اسلیے نہیں پہنایا ہے کہ میری
بچی کی رونق دوبالا ہو بلکہ اس لیے کہ اسکے حسن و جمال کے سامنے زیور کو ذلیل و ہیچ ثابت کردیں"
اغانی میں جہاں اس روایت کو مصعب کے بارے میں لکھا ہے وہاں دوسرے شوہر کے بارے
میں بھی اسی روایت کا جوڑ لگایا ہے چنانچہ پہلی روایت اصلی یہ ہے محمد بن سلام

عن سعید بن صخر عن امہ سعیدۃ بنت عبد اللہ بن سالم قالت لقیت سکینہ بین مکۃ و منی فقالت قفی یا ابنۃ عبد اللہ فوقفت نکشفت عن بنتھا من مصعب واذا ھی قد اثقلتھا بالحلی واللو لو فقالت ما البستھا ایاہ الا لتفضحہ۔[167]

یہ وہی روایت ہے جسے شرر صاحب نے منتخب کیا۔ اب دوسری روایت سنئے وذکرعن امہ سعدۃ بنت عبد اللہ ان سکینۃ ارتھا ابنتھا من الحزامی وقد اثقلتہا بالحلی وھی فی قبۃ فقالت واللہ ما البستھا ایاہ الا لتفضحہ ترید انھا تفضح الحلی بحسنھا لانھا احسن منہ ص[169]

یہ تو بیٹی تھی۔ اسکے ساتھ ایک بیٹا بھی بنایا گیا جس کو شرر صاحب نے بھی لکھا ہے "جناب سکینہ کے بطن سے ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوا جن کا نام عثمان رکھا گیا اور اسی صاحبزادے کے اعتبار سے زید کی کنیت ابو عثمان مشہور ہوئی۔ عثمان بن زید مدینے میں قرین کے لقب سے مشہور ہوئے۔"

مگر اغانی میں اس کو اسطرح پر لکھا ہے ان اول ازواجھا الاصبغ ومات ولم یرھا ثم زید بن عمرو العثمانی قال وولدت لہ ابنہ عثمان الذی یقال لہ قرین صفا اور تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ یہ قرین مذکور عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام سے متولد ہوا جیسا کہ المعارف میں ہے وولد لعثمان عبد اللہ بن عثمان زوج سکینہ بنت الحسین وولدت لہ ولد الیسمی قرینا ولہ عقب ص[47]

یہ اقوال بجائے خود اپنے اختلاف بیانی اور تضاد و تناقض سے بتا رہے ہیں کہ بے اصل ہیں کوئی اصلیت ان واقعات کی نہیں ہے کیونکہ جھوٹے ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں اور کبھی ان میں اتحاد و اتفاق نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ قانون شہادت نے اختلاف بیانی کو ہمیشہ پایہ اعتبار سے ساقط کیا ہے اور محدثین و علمائے فریقین نے اسباب جرح میں داخل کیا ہے چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں :۔ تعدد رواۃ چوں بایں رنگ باشد کہ ہر یکے در قصہ واحد خبرے

روایت کنند کہ مخالف دیگر باشد قادح صحت خبر نشود نہ مفید شہرت اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ہرگز عاقل درین قسم تخالف واضطراب باحد الطرفین عمل نمیتواں کرد مگر افسوس کہ ہمارے مسٹر شرر باوصفیکہ لایت ہوگئے ہیں جس سے چاہیے آنکی عقل روشن ہو مگر تعصب کے گھٹا ٹوپ اندھیرے نے ایسا اُن پر قبضہ کیا ہے کہ دیدہ و دانستہ حق کے چھپانیکو وہ اندھے بنے ہیں اور اس اختلاف بیانی سے اُلٹا نتیجہ نکالتے ہیں اور کسی طرح اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے علحدہ ہوتے نظر نہیں آتے۔

حالانکہ امام فخر الدین رازی صاف طور پر فرماتے ہیں کہ بیس یا ہزار راوی کے اتفاق کر لینے سے کسی امر پر نہ تواتر واقعی حاصل ہو سکتا ہے نہ تواتر معنوی کیونکہ عرف میں ہرگز مستبعد نہیں ہے کہ بیس آدمی کسی دروغ واقعہ پر اتفاق کر لیں اور بعبارات مختلفہ بیان کریں چنانچہ قصہ آب جواب سبکو معلوم ہے کہ عبد اللہ بن زبیر نے پچاس آدمیوں کی گواہی حضرت عایشہ کے سامنے دلوائی کہ آب حواب نہیں ہے جسکے بارہ میں عام طور پر مورخین لکھتے ہیں این گواہی اول شہادت دروغ بود کہ در اسلام بوقوع پیوست۔

بہرحال ان تحقیقات سے مسٹر شرر کو معلوم ہو گا کہ ذاکرین مصائب سید الشہدا کا بیان کس درجہ راست اور صحیح ہوتا ہے۔ حالانکہ عام طور پر ذکر واقعات کربلا میں اسکی پابندی نہیں کیجاتی ہے

تاہم ان اغلاط اور افترات سے جو اُنکے بیان میں ہوتے ہیں اور اُنکی ضعیف روایتیں بھی آپ کے محققین و محدثین و مورخین کی تحقیقات سے بدرجہا معتبر اور قابل اعتبار ہیں کیونکہ آپلوگونکی غرض اصلی توہین و تحقیر اہلبیت اطہار ہے اسلیے صدہا کذب و افترا کا ارتکاب کرتے ہیں بخلاف اُن لوگوں کے جنکی غرض صرف واقعات کے بیان کرنے سے متعلق ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان ذاکریں کے کل بیانات صحیح اور درست ہوتے ہیں مگر اسکا ضرور دعویٰ ہے کہ اُنکے اغلاط آپلوگوں کے کذب و افترا سے بدرجہا افضل ہیں بہرحال اب ہم پھر شرر صاحب کے واقعات کیطرف رجوع کرتے ہیں اور ہر ہر جز یا پر ان کو متنبہ کرتے ہیں شاید اُنکی غلط فہمی رفع ہو۔

اختلاف دلیل کذب

چوتھا واقعہ لکھتے ہیں کہ حضرت سکینہ نے فرمایا میں نے یزید سے اچھا کوئی کافر نہیں دیکھا
لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا کہ یہ کلام حضرت سکینہ کا بعد معاودت مدینہ ہے اور اسطرح
کی فصاحت و بلاغت تو اس خاندان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے بنی ہاشم کی محاورات کو
دیکھئے جو مستطرف وغیرہ میں بتصریح مرقوم ہیں۔

پانچواں واقعہ اذان کا لکھا ہے کہ عثمان کی بیٹی سے کہا "اشہد ان محمداً رسول اللہ
میں میرے دادا کا نام ہے یا تمہارے دادا کا نام" اس قسم کے بہت سے واقعات تاریخ الاذان
میں مذکور ہیں جن سے بہت اچھی طرح ثابت ہے کہ اس جملہ کا حسد ان سبھوں کو تھا جو
سب کے سب اسلام کے مدعی تھے چنانچہ ابوسفیان اور معویہ کا کہنا کہ "کس قدر بلند
ہمت تھا تو اے برادر ہاشمی کہ اپنا نام خدا سے ملا دیا" اور عبداللہ ابن زبیر کا خطبہ سے
حضرت کا نام نکال ڈالنا اسوجہ سے کہ بنی ہاشم کو اس سے خوشی ہوتی ہے بتفصیل تمام مذکور
ہے۔ **چھٹا واقعہ** عایشہ بنت طلحہ کا لکھتے ہیں کہ "وہ سوت تھیں حضرت سکینہ کی ان کے
شتربان نے حدی خوانی کی تو اس سے حضرت سکینہ کو ملال ہوا۔ اور حضرت سکینہ کے
شتربان نے بھی حدی خوانی کی" دیکھو صفحہ ۱۲ رسالہ ہذا

اگرچہ بے اصل ہے کیونکہ آئندہ چلکر معلوم ہوگا یہ سب قصے عقدوں کے محض جعلی اور وضعی
ہیں اور بہت کچھ اسوقت تک بیان بھی کیا گیا۔ تاہم اس عایشہ کا حال لکھنا مناسب ہے
ان عائیشہ کو آپ لوگ شاید جانتے ہوں کہ یہ ام کلثوم کی بیٹی ہیں جو خلیفہ اول کی
آخری بیٹی ہیں اور انھیں ام کلثوم کی خواہش کی تھی عمر نے جسکو عائیشہ نے منظور
کرلیا مگر خود ام کلثوم نے انکار کیا جس پر حضرت عائیشہ کو حیلہ کرنا پڑا چنانچہ کتاب المعارف
میں ہے واما ام کلثوم بنت ابی بکر فخطبها عمر بن الخطاب الی عائشة فانعمت
له وكرهت ام كلثوم فاحتالت له حتى امسك عنها وتزوجها طلحه
بن عبد الله صفحہ ۵۸

یہ اصلی قصہ اس ام کلثوم کا تمامتر حضرت ام کلثوم بنت جناب امیر کیطرف منسوب کر دیا گیا
حضرت علی سے عمر نے خواستگاری کی اور حضرت نے انکار کیا اس پر ملال کی نوبت آئی اور آخر عقد ہو

حالانکہ یہ کل واقعات محض غلط ہیں جیسا کہ کنز مکتوم اور فتح الوثوق میں مصرح ہے تمام غور کرو ہی

عائشہ بنت طلحہ

انھیں ام کلثوم کی یہ عائشہ صاحبزادی ہیں جو حضرت سکینہ کی سوت بنائی جاتی ہیں جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہاں تک اسکی اصلیت ہو گی۔

ام کلثوم مذکورہ پہلے حضرت عمر کی منظور نظر تھیں مگر حضرت عائشہ نے بمکر وحیلہ اُن سے بچا کر طلحہ کے حوالہ کیا جن کے ساتھ ایک مدت دراز تک عیش و آرام میں بسر کیا جب طلحہ جنگ جمل میں مارے گئے تو عبدالرحمن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی کی آرامگاہ قرار پائیں اِن ام کلثوم کو اپنے حسن و جمال پر اسقدر ناز تھا کہ حکم پردہ کو انھوں نے منسوخ کر دیا تھا۔ اور ہمیشہ بےحجاب رہتیں اور فرماتی تھیں کہ "میں اس حسن خداداد کو ظاہر رکھونگی اور تماش بینوں کو محظوظ کرونگی" ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ کی اُن پر نظر پڑ گئی تو کہا سبحان اللہ کانہا من الحور العین

اگر مسٹر شرر ان حالات کو پبلک پر ظاہر کرتے تو بہت کچھ انکے پردہ سسٹم پر روشنی پڑتی کیونکہ حضرت ابوبکر کی بیٹی ہیں اور حضرت طلحہ کی زوجہ جو عشرہ مبشرہ سے گنے جاتے ہیں مگر افسوس وہ تو ایسی راہ چلتے ہیں جس سے بجائے فائدہ قومی نقصان ہو۔

انھیں ام کلثوم کے بطن سے حضرت عائشہ بنت طلحہ متولد ہوئیں جو حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھیں۔ انکا پہلا عقد عبداللہ سے ہوا جو عبدالرحمن بن ابوبکر کے بیٹے تھے جنسے چار فرزند بھی متولد ہوئے۔ عمران۔ عبدالرحمن۔ ابوبکر۔ طلحہ اور ایک بیٹی جس کا نام نفیسہ تھا اسکے بعد مصعب کے عقد میں آئیں۔ اور اُسکے بعد عمر بن عبید اللہ بن معمر تیمی نے اپنے عقد میں لیا۔ المعارف صفحہ ۷۹

یہ عائشہ حسن و جمال میں ایسی مشہور لیڈی تھیں کہ سیکڑوں نہیں ہزاروں اسیر جمال اور آرزوئے وصل میں زہر کھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اُس زمانہ کے مشہور شاعر عمر بن ابی ربیعہ نے بہت سی غزلیں انکے حق میں تصنیف کیں یہ اشعار امرا کی سوسائٹی میں نہایت

عشق عمر بن ربیعہ

ہی مقبول ہوئے اور بتدریج امراء عراق و شام کی رندانہ صحبتوں میں گائے گئے۔ اور عبداللہ
بن عباس نے بھی نہایت ہی دلکش دھن میں گا کے اس عہد کا فیشن ایبل راگ بنایا تھا
کچھ اشعار ان غزلوں کے اغانی میں بھی مرقوم ہیں۔

لعائشة ابنة التيمي عندي ‖ حمى في القلب ما يرعى حماها
يذكرني ابنة التيمي ظبي ‖ يرود بروضة سهل رباها
تبيت الى بعد النوم تسري ‖ وقد امسيت لا اخشى سراها

عمر بن ربیعہ جسکی یہ غزل ہے ایسا منچلا شاعر تھا کہ کل بیت الشرف عورتیں اسکی نگاہ
سے ڈرتی رہتیں اور ہر شریف کو اس کا خیال رہتا کہ عمر کی نظر ہماری بہو بیٹیوں پر نہ پڑ جائے
اسکی اس غزل نے جو زمانہ حج میں کہی گئی تھی اس درجہ جلد مقبولیت کا درجہ حاصل کیا کہ
تمام عرب میں خبر پھیل گئی کہ عمر عائشہ بنت طلحہ پر عاشق ہو گیا۔ اسکی خبر ایک غیرت مند جوان نے
سنی جو حضرت ابو بکر کے قبیلہ بنی تیم سے تھا۔ اس نے جا کر اپنے قبیلہ کے سامنے استغاثہ پیش
کیا "کہ اے بنی تیم بڑے شرم کی بات ہے کہ بنی مخزوم کے لوگ ہماری لڑکیوں کے حق میں
ایسے ایسے اشعار کہتے ہیں اور بیہودہ امور کی نسبت کرتے ہیں اور تم لوگ غافل ہو؟ اس خبر
کے سنتے ہی اولاد ابو بکر و اولاد طلحہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عمر بن ربیعہ کے پاس آئے
اور رو رو کے شکایت کی جس پر اُس نے وعدہ کیا کہ اب کبھی اُس کا نام نہ لوں گا۔
مگر اس حسن جہاں سوز نے عمر کے دل پر ایسا قبضہ نہ کیا تھا جو اسطرح دب جائے اور آتش
عشق اسطرح شعلہ ور نہ تھی کہ فرو ہو جائے۔ عائشہ کا نام لینا تو عمر نے اپنی غزلوں
میں چھوڑ دیا لیکن کنیت سے یاد کرتا اور اس ذریعے اپنے زخمی دل کا بخار نکالتا۔ چنانچہ یہ اشعار اُسی کنیت
سے شروع کئے گئے۔ يا ام طلحة ان البين قد افدا ‖ قل الثواء لئن كان الرحيل غدا
امسى العراقي لا يدري اذا برزت ‖ من ذا تطوف بالاركان او سجدا
جب تک زمانہ حج رہا یہ شاعر اپنی غزلوں میں عائشہ بنت طلحہ ہی کے عشق و عاشقی کا ذکر
کرتا اور دلی جذبات عشق کو ظاہر کرتا جسکی نقل سے بخوف تطویل احتراز کیا جاتا ہے
دیکھو صفحہ ۱۸ اغانی جلد اوّل

ان حالات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اُس زمانہ میں عرب کی کیا حالت تھی اور رندی و عاشقی نے کیسا اثر قبضہ کیا تھا کہ خود بیت اللہ میں بھی بہو بیٹیاں اِن بدمعاش شاعروں کی نگاہ سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں اور حج تک جانا دشوار تھا۔ پھر ایسے رند مشربوں سے کیونکر تعجب ہو سکتا ہے کہ وہ غلط امور کو نہ مشہور کریں۔ ان شاعروں میں عمر بن ابی ربیعہ ایسا بدنگاہ مشہور تھا کہ تمام شرفاے عرب اُس سے خائف رہتے۔ بہتوں نے مکہ مدینہ کا رہنا اسکے خوف سے چھوڑ دیا تھا۔ دوسرے شہروں میں جا کر سکونت اختیار کر لی تھی کیونکہ اسکے اشعار اس درجہ مقبول طبع ہوتے کہ عام طور پر کہا جاتا تھا جس قدر اسکے اشعار نے خدا کی معصیت کرائی دوسرے اشعار سے یہ اثر نہیں ہوا۔

انھیں غزلوں کے نتائج سے اسکو بھی سمجھنا چاہیئے کہ امام شعبی راوی ہیں ایک روز میں مسجد بصرہ میں گیا تو دیکھا مصعب بن زبیر تخت پر جلوہ گر ہیں۔ جب میں اٹھنے لگا تو انھوں نے اپنے پاس بلایا اور کہا جب میں یہاں سے برخواست کر کے جانے لگوں تو تم بھی میرے ساتھ چلنا۔ تھوڑی دیر کے بعد مصعب وہاں سے اُٹھے اور میں بھی اُنکے ساتھ چلا یہانتک کہ موسیٰ بن طلحہ کے مکان میں داخل ہوئے۔ مڑ کر مجھے دیکھا اور کہا چلا آ۔ یہانتک کہ اُنکے حجرہ میں پہونچا وہاں ایک پرتکلف حجرہ عروسی آراستہ دیکھا۔ یہ پہلا حجلہ تھا جو کسی امیر کا میں نے دیکھا ہو۔ وہاں میں ٹھہر گیا۔ مصعب اندر حجلہ گئے۔ اور وہاں سے ایک حرکت محسوس ہوئی اتنے میں ایک لونڈی باہر نکلی اور فرش لا کر میرے لئے بچھایا۔ میں اُس پر بیٹھ گیا۔ اور پردہ کا ایک حصہ کھولا گیا تو دیکھا مصعب بیٹھے ہیں اور دوسرا حصہ کھولا تو عائشہ بنت طلحہ کو دیکھا۔ شعبی کہتے ہیں اس سے عمدہ جوڑا آج تک ہم نے نہ دیکھا تھا!

مصعب اور عائشہ بنت طلحہ۔ مصعب نے پوچھا تم انکو پہچانتے ہو۔ میں نے کہا ہاں یہ سیدۂ نساء العالمین عائشہ بنت طلحہ ہیں۔ مصعب نے کہا نہیں بلکہ یہ وہ ہیں جس کے بارے میں شاعر کہتا ہے وما زلت من لیلی لدن طر شاربی ؛ الی الیوم اخفی حبہا وادا جن
واحمل فی لیلی القوم ضغینۃ ؛ تحمل فی لیلی علی الضغائن
اس کے بعد شعبی کا بیان ہے مجھے اجازت ملی میں رخصت ہوا۔ دوسرے روز پھر مسجد میں

ملاقات ہوئی تو کان میں جھک کر کہا سچ کہو یہ نعمت اور کسیکو بھی ملی ہے؟ میں نے کہا واللہ
اسکے بعد کہا - کچھ جانتے ہو کسلیے ہمنے تمکو اس صحبت میں شریک کیا - شعبی - نہیں
مصعب - اس غرض سے کہ لوگوں سے اس حالت کو بیان کرو - اسکے بعد حکم دیا عبد اللہ
بن ابی فردہ کو دس ہزار درہم اور ۳۰ عدد پارچہ کا خلعت مجھے دیا جائے -
شعبی کہتے ہیں مجھسے بڑھکر کوئی خوش قسمت نہ ہوگا کہ اُس روز دس ہزار درہم اور
دھوبیوں کے ایک گدھے برابر بوجھ کپڑوں کا لایا اور عائشہ بنت طلحہ کو بھر نظر دیکھا -
یہ عائشہ پہلے عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی بکر کے پاس تھی - پھر مصعب کے پاس پھر عمر بن
عبید اللہ بن معمر تیمی کے پاس جسنے حیرہ میں زفاف کیا اور اسطرح کا سامان عروسی کیا
کہ کسی نے مثل اُس کا نہ دیکھا ہو - فرش عروسی ایسا مہیا کیا جس کا طول ۶ ذرع اور عرض ۴
ذرع اور اُس شب سات مرتبہ ہم بستری کی فانصرف تلک اللیلۃ سبع مرات
جس پر اُسکی ایک لونڈی نے کہا تم نے ہر چیز میں کمال کیا یہانتک کہ اسمیں بھی!
عمر تیمی کے مرنے پر عائشہ نے کھڑے ہو کر نوحہ کیا - اور کسی پر اسطرح نوحہ نہ کیا تھا
کیونکہ عرب کا دستور تھا جب عورت کھڑی ہو کر کسی پر نوحہ کرتی تو معلوم ہو جاتا اب عقد نہ کریگی
کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے تم نے اسکے ساتھ یہ برتاؤ کیا - تو عائشہ نے جواب دیا یہ سید بنی تیم
تھا - اور رشتہ میں میرا قریب تھا - اور اب اسکے بعد ارادہ تزویج نہیں ہے جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ اغانی
افسوس کہ مسٹر مشر نے ارادہ کیا تھا انھیں کی لائف لکھیں جس سے اُنکے وہ اغراض پورے
ہوتے جنکے لیے پردۂ عصمت نکالا ہو مگر جوش ایمانی سے وہ ایسا مجبور ہوئے کہ حضرت
سکینہ کی لائف کو ضروری سمجھا جسکی بنیاد سراسر غلط واقعات پر ہے -
ان حالات سے اس زمانہ کی رفتار بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کہ کس درجہ کی رندمشربی اُنپر حاوی تھی
اور عیش پرستی نے کیسا اپنا قبضہ کیا تھا کہ صرف اس غرض سے عورتیں بے حجاب سامنے کر دیجاتی تھیں
کہ مشہور کیا جائے فلاں کے پاس ایسی باہوش پری پیکر عورت ہے جسکے لیے دس دس
ہزار درہم اور ۳۰ پارچہ کا خلعت دیا جاتا - پھر انکے جھوٹے واقعات مشہور کرنے پر
کیونکر تعجب ہو سکتا ہے - یہانسے آپ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مصعب کی اصلی خاندانی

حالت کیا تھی جو اس نکاح عائشہ بنت طلحہ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا حالانکہ خود عائشہ کی خاندانی حالت کچھ ایسی نہ تھی !

جو واقعہ مسٹر منشر نے حضرت سکینہ اور عائشہ بنت طلحہ کے حج کا لکھا ہے وہ بالکل لغو ہے - کیونکہ اولاً ابھی تک کسی طرح یہ نہیں ثابت ہوا کہ حضرت سکینہ بعد واقعہ کربلا و اسیری شام زندہ رہیں -

دوسرے جو حالات اغانی میں حضرت سکینہ کے متعلق ایک جگہ لکھے گئے ہیں اُنمیں بھی یہ واقعہ نہیں ہے -

تیسرے جو حالات حج عائشہ بنت طلحہ اغانی میں زیر ذکر عمر بن ربیعہ میں مرقوم ہیں انمیں بھی حالت نہیں حالانکہ نہایت شرح و بسط سے سب حالات انکے لکھے ہیں کہ کسطرح عمر بن ربیعہ کی نظر عائشہ بنت طلحہ کے جمال جہان آرا پر پڑی - اور کس قابل ادا پر انکے وہ عاشق ہوا - اور کس دلفریبی سے اغوں نے اُس سے کلام کیا اور کن کن موقعوں پر اُسنے کیا کیا غزلیں تصنیف کیں - پھر مغنیوں کی آمد اور سب کو حسب لیاقت بخشش و عطا انکی لکھی مگر یہ واقعہ اسمیں نہیں ہے - چوتھے مصعب کی حکومت کا زمانہ بصرہ میں کل تین برس رہا ہے اور نکاح حضرت سکینہ بعد حکومت بصرہ بیان کیا جاتا ہے بلکہ نکاح عائشہ بھی بعد حکومت ہے - جیسا کہ مرقوم ہوا تو اسکے بعد دونوں کا حج ہونا چاہیے تب اس واقعہ کا وجود ہو حالانکہ کسی طرح یہ ثابت نہیں ہے کہ مصعب اس حکومت کے بعد حج کرنے گئے ہوں یا اپنی ان بیبیوں کو بھیجا ہو بلکہ اغانی سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن ربیعہ کی واقعہ غزلگوئی جس میں عشق و حسن جہانسوز عائشہ کا برابر تذکرہ تھا مصعب کے اسپر اُبھارا کہ اس معشوقہ عالم کو اپنے عقد میں لیں تو حج انکا مقدم ہوا نکاح مصعب پر - پھر اُس وقت حضرت سکینہ بفرض تسلیم عقد انکی سوت کہاں تھیں جو اس واقعہ کی نوبت آتی - پانچویں جو شعر حدی خوان نے عائشہ کے حج میں پڑھا ہے عایتی یا ذات البغال الستین ؛ لا زلت ما عشت کذا تحجین اس شعر سے کوئی وجہ ملال حضرت سکینہ بھی نہیں ہے - کہ کسی کے جاہ و اقتدار سے دوسرا ملول ہو یہ وصف تو حاسدوں کا ہے نہ شریف زادیوں کا -

اور بالفرض صدمہ بھی پہونچا ہو تو حضرت سکینہ کے شتربان کو کیونکر خبر ہوگئی جو اُنکو اسطرح حدی خواں ہوا یہ سب مصنوعی قصے کہانیاں ہیں جن کا نہ سر ہے نہ پیر۔ ایک جھوٹ فسانہ گو نے اپنے دل سے قصہ گڑھ دیا اور آپ اُسکو سچ سمجھ بیٹھے۔ اسطرح ہزاروں اشعار و قصائد ہیں جو راویوں نے وضع کئے اور لوگوں کیطرف منسوب کئے۔ دیکھئے اُسی اغانی میں مجنون و لیلیٰ کا پورا حال لکھا ہے یہانتک کہ نسب نامہ وغیرہ سب لکھا ہے جو ۶۸ صفحہ میں ختم ہوا کہ نسب نامہ وغیرہ اُن کا سب لکھا ہے اور اُسکے ساتھ بہت سی روایتیں اس مضمون کی بھی لکھی ہیں سمعت الاصمعی یقول رجلان ما عرفا فی الدنیا قط الا باسم مجنون مجنون بنی عامر. و ابن القریہ فانھما وضعتھما الرواۃ عن ابن الکلبی قال حدثت ان حدیث المجنون وشعرہ وضعہ فتی من بنی امیہ کان یھوی ابنۃ عم لہ و کان یکرہ ان یظھر ما بینہ و بینھا فوضع حدیث المجنون و قال الاشعار التی یرویھا الناس للمجنون و نسبھا الیہ۔ عن العتبی عن عوانہ انہ قال المجنون اسم مستعار لا حقیقہ لہ ولیس لہ فی بنی عامر اصل ولا نسب فسئل من قال هذہ الاشعار فقال فتی من بنی امیہ ص ۱۶۹

کہا اصمعی نے کہ دو آدمی ہیں دنیا میں کہیں وجود نہیں ایک مجنون جو مجنون بنی عامر مشہور ہے دوسرا ابن قریہ۔ کہ ان دونوں ناموں کو راویوں نے وضع کیا اور ابن کلبی کہتے ہیں کہ مجنون کا قصہ اور اُسکے اشعار مصنوعی ہیں۔ بنی امیہ میں ایک جوان تھا جو اپنی چچازاد بہن پر عاشق تھا اور اپنے عشق کو چھپانا چاہتا تھا لہذا اُسنے مجنون کے نام سے یہ قصے بنائے اور اُسی عشق میں یہ سب اشعار کہے جنھیں آج لوگ مجنون کیطرف نسبت دیتے ہیں۔ اور عوانہ کہتے ہیں کہ مجنون کا نام مصنوعی ہے بنی عامر میں کہیں نہ اسکی اصلیت ہے نہ اس کا نسب ایک شخص نے بنی امیہ سے یہ سب اشعار کہے اور مجنون کیطرف منسوب کئے۔ کہئے! اجب لیلیٰ و مجنون کا قصہ جو اس درجہ مشہور و معروف ہے آج دنیا میں کمتر لوگ ہونگے جو اس سے ناواقف ہوں محض جعلی اور مصنوعی ہے جسے صرف ایک شخص بنی امیہ نے

مشہور کیا۔ تو اس قصہ عقد مصعب اور ان اشعار موضوعہ کے بے اصل و بے وجود ہونے
پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہاں تو ایک شخص تھا بنی امیہ کا۔ اور یہاں تو پورا
خاندان حضرت زبیر اور ابوبکر اسکی شہرت پر آمادہ ہے۔ پھر کیوں نہ وہ مشہور ہو۔ مگر یہ بھی
کرامت ہے خاندان رسالت کی کہ ان سب اہتماموں پر اس قصہ کا وجود اسیقدر رہا کہ کتاب
اغانی کے بعد شرر نے اپنے دلگداز میں اسی جگہ دی جس کے دیکھنے سے ہر شخص متنفر
ہے۔ چھٹا واقعہ مسٹر شرر یہ لکھتے ہیں "کہ خالد بن عبد الملک والی مدینہ جب
سب جناب امیر کرتا تو سکینہ اپنی لونڈیوں کو لیجا کر گالیاں دیتیں" یہ واقعہ بھی لغو ہے
کیونکہ خالد مذکور ربیع الاول سنہ ۱۱۴ھ میں حاکم مدینہ مقرر ہوا اور سنہ ۱۱۷ھ میں معزول
ہوا۔ اسی سنہ ۱۱۷ھ میں وفات حضرت سکینہ بھی بیان کیجاتی ہے۔
اور تمامی مورخین کا اتفاق ہے کہ سب جناب امیر کی بدعت عمر بن عبد العزیز نے سنہ ۹۹ھ میں
حکماً موقوف کرادی تھی تمامی ممالک اسلامی میں اس کا پروانہ جاری کر دیا تھا۔
پھر کیونکر کوئی قبول کر سکتا ہے کہ خالد نے اپنی دو سالہ حکومت میں جرأت کی ہو کہ ایک
موقوف شدہ بدعت کو اسنے جاری کیا ہو اور وہ بھی مدینہ منورہ میں۔
دیکھئے سنہ ۱۰۶ھ میں ہشام بن عبد الملک خلیفہ جب حج کرنے گیا ہے تو سعید بن عبد اللہ بن ولید
بن حضرت عثمان نے نہایت آرزو منت سے خواہش کی کہ سب جناب امیر پھر جاری کیا جائے اور
ان لفظوں کے عرض کیا "کہ خداوند عالم ہمیشہ خاندان امیر المومنین (ہشام) پر نعمت دی اور خلیفہ
مظلوم (عثمان) کی نصرت کی کہ ہمیشہ وہ لوگ ان جگہوں میں ابو تراب پر لعن کرتے
تھے کہ یہ مواطن صالحہ سے ہیں۔ مناسب ہے امیر المومنین (ہشام) بھی ابو تراب (جناب امیر) پر
لعنت کریں" ہشام نے جواب دیا ہم لعنت کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ حج کرنے آئے ہیں تاریخ کامل
جلد ۵ صفحہ ۹۴ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے پر پوتے سعید نے اسکی خواہش بھی کی
کی کہ جناب امیر پر لعنت کیجائے مگر خلیفہ نے اسکو نامنظور کیا۔ پھر خالد کی کیا مجال تھی جو علانیہ
خلاف حکم خلیفہ سب کرتا اور حضرت سکینہ کو اسکی ضرورت پڑتی کہ اپنی لونڈیوں سمیت
وہاں جاتیں اور خالد سے گالی گفتہ کرتیں۔

حالانکہ حضرت سکینہ اپنی آنکھوں سے معرکہ کربلا دیکھ چکی تھیں کہ کس بیرحمی سے ان کا سارا خاندان بروز عاشور قتل و غارت کیا گیا۔ تو کیا وہ مظلومانہ حالت آپ بھول گئی تھیں جو ایسی جرأت کرتیں کہ حاکم مدینہ سے گالی گلوچ کریں۔ کیا خود اپنی اسیری نہ یاد تھی کیا اب کوئی اثر خاندان بنی ہاشم کی بڑھ گئی تھی جس سے یہ امید ہوتی کہ وہ لوگ بچا لیں گے؟

شررصاحب کو اگر ایمان کا پاس نہ تھا تو شرافت کا اور اسکے آثار کو سمجھتے۔ مگر افسوس ایسی صفت سے تو انکا سارا خاندان بری چلا آتا ہے۔ پھر یہ کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے امور کی نسبت کس درجہ خلاف شان شرافت ہے۔

شرر صاحب نے اس واقعہ کو جس عنوان سے شروع کیا ہے اس سے انکا یہ بھی مطلب ہے کہ اس رواج سب و شتم جناب امیر کو بعد شکست قوت زبیری ظاہر کریں جو بدلالت التزامی بتاتی ہے کہ جب تک ابن زبیر کی قوت رہی بدعت جاری نہ ہو سکی۔ حالانکہ ناظرین فن تاریخ کے نزدیک یہ خیال محض غلط ہے۔ کیونکہ اس بدعت کے جاری کرنیوالے معویہ امیر شام ہیں جنھوں نے اپنی بست سالہ خلافت میں یہ انتظام کیا تھا کہ کوئی مسجد کوئی مکان کوئی زبان لعن جناب امیر سے خالی نہ رہے اور ابن زبیر کی حالت تو آیندہ معلوم ہو گی کہ خود ذکر رسول اللہ کو چالیس روز تک خطبوں سے ساقط کر دیا تھا چہ جائیکہ سب و شتم جناب امیر موقوف کراتے اور ان کو ایسی عداوت تھی کہ بروز جنگ جمل خود حضرت سے لڑنے گئے مگر بھاگ آئے اور اپنی چند روزہ خلافت میں حضرت محمد بن حنفیہ کے جلانیکی تدبیر کر رہے تھے جنکو مع آل ابو طالب کے قید کر رکھا تھا کہ آفتاب غروب ہو تو آگ لگا دیں کہ سب اسی قید خانہ میں جل بھن کر خاک ہوں۔ پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ بعد فرد ہونے قوت ابن الزبیر کے ایسا ہوا۔

مسٹر شرر اس واقعہ میں اور نیز اسکے مابعد والے واقعہ میں حضرت سکینہ کی تعریف میں مستقل مزاجی جرأت۔ اعلیٰ شجاعت۔ جوانمردی۔ دلیری کو لکھکر بغرض ابلہ فریبی۔ یہ ثابت کیا چاہتے ہیں کہ ہم انکی مدح کر رہے ہیں حالانکہ خود خاندان رسالت کی عورتیں اسکو معیوب سمجھتی ہیں اور اس سے اپنی برأت کرتی ہیں۔ چنانچہ جب ابن زیاد کے سامنے قیدیان کربلا لائے گئے ہیں اور حضرت زینب سے اس ملعون نے برہم ہو کر کہا کہ خدا نے میرا دل ٹھنڈا کیا کہ تیرا طاغی

شجاعت نسواں

(امام حسین) قتل ہوا اور جو اُنکے سب مارے گئے فبکت وقالت لعمری لقد قتلت کهلی وابرزت اهلی وقطعت فرعی واجتثثت اصلی فان یشفک هذا فقد اشتفیت فقال لها هذه شجاعة لعمری لقد کان ابوک شجاعا فقالت ما للمرءة والشجاعة ص۳۴ تاریخ کامل جلد۴

توحضرت زینب روئیں اور کہا میرے جوانوں کو تو نے قتل کیا اور انکے اہل وعیال کو دربدر پھرایا بچوں بوڑھوں کو قتل کیا۔ اگر اس سے تیرا دل خنک ہوا تو بے شک ٹھنڈا ہوا۔ امیر ابن زیاد نے حضرت زینب سے کہا یہی شجاعت ہے اور قسم ہے تیرا باپ بھی مرد شجاع تھا۔ تو حضرت زینب نے جواب دیا عورتوں کو شجاعت سے کیا کام۔ اب معلوم ہوا کہ خاتون عصمت وطہارت کو بلفظ شجاعت ودلیری یاد کرنیکی ابتدا ابن زیاد سے ہی۔ اور جتنے لوگ اسکی نسل یا طرفدار رہے ہیں انکا یہی خیال ہے مگر اہلبیت طاہرین یا انکے پیرو اس صفت کو عورتوں کے حق میں مذموم سمجھتے ہیں اور اس سے انکار کرتے ہیں۔ مگر مسٹر شرر کی غرض تو توہین خاندان رسالت ہے پھر اپنے اسلاف کے ایجادی جملہ شجاعت کو کیونکر نہ یاد کریں۔

ساتواں واقعہ مسٹر شرر علاج سکینہ کا لکھتے ہیں۔ جو تمام تر دلیل انکے شرارت کی ہے کیونکہ علاج کی غرض یہ بتانا ہے "چونکہ آپ کو اپنے حسن وجمال پر ناز تھا اور بجا تھا لہذا چہرے کی رعنائی وزیبائی میں فرق آجانیکے خیال سے ہر وقت آپکے دل پر ایک صدمہ رہنے لگا"۔ بربنائے اُنکے خبث طینت کے ہے کیونکہ مرض کوئی ہو علاج اسکا ضروری ہے چہ جائیکہ وہ مرض موذی بھی ہو اور تکلیف دہ کہ آنکھ تک اُس کا صدمہ پہونچ رہا ہے جیسا کہ خود مسٹر شرر نے لکھا تو ہر آدمی کو اُسکے دفعیہ کی فکر ہوگی۔

بہرحال چونکہ حضرت سکینہ کا زندہ رہنا بعد قید شام کسیطرح ثابت نہیں اسلئے ان واقعات کا کوئی وجود نہیں اگر ہے تو دوسری سکینہ کے واقعات ہیں کیونکہ آیندہ چلکر ہم ثابت کرینگے کہ مصعب کی بیٹی اور پوتی کا سکینہ نام تھا اور اسی اشتراک نام سے ان لوگوں کو دھوکا ہوا جو کل واقعات ان لوگوں کے حضرت سکینہ کیطرف منسوب ہوئے اور اس خاندان زبیر کی شجاعت د

دیکھو ص۱۷ رسالہ ہذا

جوانمردی ایسی نہیں ہے جو کوئی بھول جائے۔

افسوس ہے کہ مسٹر شرر اپنی جہالت ہمدردی کے مقام میں بھی غلط گوئی سے کام لیتے ہیں جو یہ لکھ گئے کہ جناب امیر کی شہادت حضرت سکینہ کے سامنے ہوئی۔ حالانکہ محض غلط ہے کیونکہ بجز جناب امام زین العابدینؑ کوئی اولاد امام حسینؑ کی جناب امیر کے سامنے پیدا نہ ہوئی کہ وقت شہادت جناب امیر حضرت امام زین العابدینؑ دو برس کے تھے اور حضرت سکینہ کی ولادت تو بہت ہی متاخر زمانہ میں ہوئی جیسا مذکور ہوا۔

چونکہ مسٹر شرر کی غرض یہ ہے کہ حضرت سکینہ کی عمر معرکہ کربلا میں زیادہ ثابت کریں اس لئے غلط گوئی سے کام لیا کہ قبل از وفات جناب امیر وہ پیدا ہوئیں حالانکہ محض غلط ہے۔

اس ہمدردانہ تقریر میں جو عقد مصعب کو بیان کیا ہے وہ بھی غلط ہے جیسا کہ آیندہ مذکور ہوگا اور اسکے ساتھ یہ بھی غلط ہے کہ دادا چچا بھائی اور شوہر ونکی اس مظلومی سے مارے جانے کے بعد حضرت ماں زندگی بھی تھیں انکا جو حال ہوا وہ بھی بیان ہو چکا کہ جب تک زندہ رہیں بجز ماتم امام کے اور کچھ نہ تھیں۔ کیونکہ شرر صاحب نے کہیں اس کو بیان نہیں کیا کہ حضرت رباب کب تک زندہ تھیں اور انھوں نے اس واقعہ عقد مصعب کو دیکھا تھا یا نہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضرت رباب بعد شہادت حضرت امام حسینؑ ایک سال زندہ رہیں جو تمام رنج و غم میں بسر ہوا۔ پھر شرر صاحب کا یہ قول کیونکر درست رہ سکتا ہے۔ انھیں غلطیوں میں سے یہ بھی اخل ہے جو لکھتے ہیں کہ حضرت سکینہ نے اہل کوفہ سے کہا "کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں ہے تمہیں وہ لوگ ہو جنھوں نے میرے شوہر مصعب کی جان لی اور جب یہ حال ہے تو تم مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو" جس سے انکی غرض صرف اسقدر ہے کہ بتائیں حضرت سکینہ کو مصعب سے ایسی محبت تھی کہ واقعات کربلا کو بھی بھلا دیا اہل کوفہ سے صرف قتل مصعب کی شکایت کی۔ حالانکہ یہ فقرہ عقد الفرید وغیرہ میں اسطرح پر ہے ایتمتمونی صغیرة وارملتمونی کبیرة یعنی کم سنی میں مجھے یتیم کیا اور بڑے ہونے پر بیوہ کیا بلکہ خود اغانی میں یہ بات اسطرح پر ہے قال جاء قوم یسلمو علی سکینہ فقالت لهم الله یعلم انی ابغضکم قتلتم جدی علیاً وقتلتم ابی الحسین واخی علیاً وزوجی مصعباً فبای وجه تلقونی ایتمتمونی صغیرة

فارسلونی کبیرۃ صـ۱۷۲

کہ حضرت سکینہ نے کہا اہل کوفہ کو خدا جانتا ہے میں سب کو دشمن رکھتی ہوں کہ میرے جد علی مرتضیٰ اور پدر بزرگوار امام حسینؑ اور بھائی علی کو اور میرے شوہر مصعب کو قتل کیا صغرسنی میں یتیم کیا۔ اور بڑے ہونے پر بیوہ کیا۔

ہم کو بہت افسوس آتا ہے کہ مسٹر شرر صرف غلط واقعات ہی کے ناقل نہیں ہیں بلکہ اپنی طبعزاد غلطیوں سے اور بھی اون اغلاط کو تیز کرتے جاتے ہیں جس پر بے اختیار آیہ لعنت اللہ علی الکاذبین کی تلاوت کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ جملہ محض طبعزاد ہے۔ صرف اس جملہ ایتمونی صغیرۃ کے مٹانے کے لئے یہ مضمون یوں بنایا جس سے حضرت سکینہ کی صغرسنی معرکہ کربلا میں ثابت ہوتی ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اغانی میں ارسلتمونی کبیرۃ کا فقرہ کاتب کی غلطی سے فارسلتمونی کبیرۃ چھپا بسبب جہالت کے اُس کا مطلب نہ سمجھ سکے لہذا اپنے دل سے یہ فقرہ گڑھ دیا۔ آخر داستان گوئی کا اثر کہاں جائے؟ مسٹر شرر یہاں ایک مختصر تقریر اصول اسلامی کی لکھکر تین واقعہ اور لکھتے ہیں۔

"ایک مجھو کو شامی کہکر کو قوال کو بلوانا۔ دوسرے بانکا جوڑا باندھنا جس پر عمر بن عبدالعزیز کو اپنی پولیٹکل قوت سے کام لینا پڑا تیسرے حسن و جمال کے فیصلہ کیلئے عمر بن ربیعہ کا حکم ہونا جسے عائشہ بنت طلحہ اور حضرت سکینہ نے جج مقرر کیا تھا"

مجھو والے قصہ پر تو ہمکو بے اختیار وہی فقرہ یاد پڑتا ہے جو مصنف نور الابصار نے حضرت نفیسہ کے ابن طولون کی منتظر کھڑے رہنے پر لکھا دیکھو صفحہ رسالہ ہذا۔ اور بانکا جوڑا اسوجہ سے لغو ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک حضرت سکینہ کا زندہ رہنا کسیطرح ثابت نہیں۔ رہا عمر بن ربیعہ کا جج مقرر ہونا اس فیصلہ کیلئے کہ حضرت سکینہ حسین ہیں یا عائشہ بنت طلحہ اسوجہ سے لغو ہے کہ اولاً مخالفت حکم خدا و رسول لازم آتی ہے کہ نامحرم کو اپنا جمال دکھائیں کوئی مسلمان دختران رسول کی نسبت قبول نہیں کر سکتا اور مسٹر شرر اگر مسلمان ہیں تو عائشہ بنت طلحہ کی نسبت بھی نہیں قبول کرینگے کہ اپنا چہرہ انھوں نے دکھایا ہو۔ ثانیاً عمر بن ربیعہ تو ایک مدت سے عائشہ بنت طلحہ پر عاشق تھا جسنے صدہا غزلیں حسن جمال

اور فراق میں عائشہ کے قصیدے کہیں اور بہت قصاید اُسکے حسن وجمال میں کہے جیسا کہ سابق
مذکور ہوا پھر کس عقل سے حضرت سکینہ ایسے شخص کو حکم کر سکتی تھیں جو حریف کا عاشق ہو
لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید تو مشہور فقرہ ہے۔

ثانیاً عمر بن ربیعہ قبیلہ بنی مخزوم سے تھا جو عام طور پر قبائل قریش میں نہایت ذلت سے دیکھا
جاتا تھا جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا کہ جب عمر بن ربیعہ نے عائشہ کے بارہ میں غزلیں لکھی تھیں تو لوگ
جوانی جا کر اپنے تمام قبائل میں شکایت کی بڑے افسوس کی بات ہے کہ مخزومی جوان ہمارے
لڑکیوں کو فضیحت کر رہا ہے۔ جس پر اولاد ابو بکر و طلحہ نے آکر اُس سے شکایت کی اور اُس نے
وعدہ کیا کہ اب ایسا نہ کرونگا پھر کس عقل سے کوئی قبول کر سکتا ہے کہ حضرت سکینہ یا کوئی شریف
عورت اسکی روادار ہوگی کہ وہ اپنی صورت اسکو دکھائے چہ جائیکہ حسن کا فیصلہ اس سے کرایا جائے
مسٹر شرر چونکہ اسلام سے بھی ویسے ہی محروم ہیں جیسا کہ شرافت سے اسلئے وہ اس قسم کی تحریر
کرتے ہیں حالانکہ یہ عمر بن ربیعہ اپنے شعر اور بدنگاہی میں اس درجہ بدنام تھا کہ بزرگان دین نے
عام طور پر اسکی ممانعت کر دی تھی کہ عورت اس کا شعر نہ سنے ورنہ آوارہ ہونے کا خوف ہے
ابن جریج فرماتے ہیں کہ عورتوں کے حق میں عمر بن ربیعہ کے اشعار سے بڑھکر کوئی شے ضرر رساں
نہیں ہے اور ہشام بن عروہ کہتے تھے اپنی جوان لڑکیوں کو عمر بن ربیعہ کے اشعار نہ سناؤ کیونکہ
وہ ورطہ زنا میں غوطہ زن ہونگی اغانی صـ ۳۵

عبد اللہ بن مصعب نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ایک کتاب لئے ہوئے گھر میں جا رہی ہے انکو
بلا کر پوچھا یہ کیسی کتاب ہے۔ کہا اسمیں عمر بن ربیعہ کے اشعار ہیں۔
عبد اللہ وائے ہو تجھپر تو عمر بن ربیعہ کے اشعار لیکر عورتوں کے پاس جاتی ہے کیا نہیں جانتی کہ
اشعار دلوں پر کیا کام کرتے ہیں اگر سحر کوئی چیز ہے تو انھیں اشعار میں ہے چلی جا [illegible]

لہ محمد بن اشعث حضرت ابو بکر کے بھانجے تھے انکی بیٹی فاطمہ ایک مرتبہ حج کرنے گئیں۔ عمر بن ربیعہ نے کسی طرح [illegible]
کا وعدہ لیا۔ پس پردہ فاطمہ بنت محمد بن اشعث تھیں اور عمر نے غزلیں گانی شروع کیں فاطمہ [illegible]
وجد سرور [illegible] بے حجاب ہو گئیں عمر بن ربیعہ کی جو نظر پڑی ہزار جان سے عاشق ہو گیا [illegible]
سو اشرفیاں [illegible] کے پاس بھیجا کہ نکاح کر دے۔ باپ نے نامنظور کیا اور آمد و رفت عمر کی بند کر دی [illegible]
[illegible] فاطمہ پر اس فراق کا صدمہ ایسا جانگزا ہوا کہ [illegible]
[illegible] عمر بن ربیعہ کے اشعار [illegible]

اور ابن ابی عتیق کہتے ہیں کہ خدا کی معصیت جتنی قدر عمر بن ربیعہ کے شعر سے ہوئی کسی چیز سے نہیں ہوئی
ایسے بدمعاش بدنگاہ شاعر کی نسبت شرر لکھتے ہیں کہ حضرت سکینہ نے اُسکو حسن وجمال
کیلئے جج مقرر کیا حالانکہ اسکی بدنگاہی سے عورتیں اس درجہ خائف رہتی تھیں کہ حج کرنے اگر جاتیں
تو اپنے بھائی یا شوہر کو ساتھ لیجاتیں تاکہ یہ کوئی شرارت نہ کرنے پائے کیونکہ اس کا مکان مکہ ہی میں تھا
دیکھو صفحہ ۱۲۷ اغانی اور صفحہ ۹۵ قصہ زن ابی الاسود دوئلی

یہاں تک نوبت پہونچی تھی کہ عورتیں اپنے حفظ ناموس کی غرض سے ہزار ہزار اشرفیاں اسکو انعام
دیتیں اور خوشامدیں کرتیں کہ ہمیں فضیحت نہ کرے چنانچہ مروان بن حکم داماد حضرت عثمان کی
بیٹی ام محمد نے بزمانہ حج ہزار اشرفیاں اسکو بھیجیں اور قسم دی کہ برائے خدا اپنے شعروں کے
ذریعہ سے مجھے فضیحت نہ کرنا جیسے عمر بن ربیعہ کچھ تحفے تحائف بھی اسکو بھیجے اُس نے انکار
کیا تو عمر نے کہا اگر نہ قبول کریگی تو میں فضیحت کرونگا مجبوری آخر اُس نے قبول کیا صفحہ ۹۹ اغانی
ایک دفعہ عبدالملک کی بیٹی فاطمہ حج کرنے آئیں تو اونکی نظر عمر بن ربیعہ کے خیمہ پر پڑی جس سے
وہ نہایت خائف ہوئیں ایک ٹھیا کی معرفت قسم دی کہ برائے خدا تو مجھے فضیحت نہ کرنا ورنہ
حق تیرا خون ہوگا۔ عمر نے جواب دیا کہ اگر اپنی محرم تیار کردو گی تب البتہ میں چلا جاؤں گا۔
چنانچہ اُس غریب نے اپنی کرتی بھیجدی جسکے ساتھ اور بھی کپڑے بطور خلعت تھے اُسکی بو سے
عمر اور بھی دیوانہ ہوگیا اور فاطمہ کی سواری جب دمشق جانے لگی تو یہ بھی ساتھ ساتھ چلا
یہاں تک کہ جب دمشق پہونچنے کو دو چار میل باقی رہے تو یہ واپس آیا حالانکہ عبدالملک نے اسی
خوف سے پہلے ہی عامل مکہ کے نام خط لکھا تھا کہ ایسا نہ ہو عمر فضیحت کرے اس پر بھی بہت سی
غزلیں کہیں مگر بخوف عبدالملک وحجاج نام فاطمہ نہ لیا دیکھو اغانی ص ۹۰

یہ حالت تو اُن امراء و خلفا کی تھی جو تمامی ملک کے حاکم اور مالک تھے کہ خلیفہ وقت تھے اور
غریب شریفوں کی یہ حالت تھی کہ خود مکہ کی سکونت بود و باش چھوڑ دی تھی۔
چنانچہ ایک شخص تھا قبیلہ جمح سے جسکی ایک نہایت حسین وجمیل لڑکی پیدا ہوئی کہ ملک حجاز
میں کوئی عورت ویسی حسین نہ تھی اُسکے باپ نے کہا میں وہ زمانہ دیکھ رہا ہوں جب یہ بڑی
ہوگی اور عمر بن ربیعہ اسپر عاشق ہوگا اور اپنی عشقیہ غزلوں کے ذریعہ سے اسے فضیحت و رسوا کریگا۔

بیسا کا اور قریشی عورتوں کو فضیحت کرچکا ہو واللہ اب میں مکہ میں رہونگا۔ یہ کہکر اُسنے اپنی جاگیر وغیرہ جو طائف میں تھی بیچڈالی اور ہجرت کرکے بصرہ چلا گیا وہیں رہتا تھا۔ یہانتک کہ وہیں مرا۔ چونکہ اُسکی تجہیز و تکفین میں کوئی شخص اوسکی قوم و قبیلہ کا شریک نہ ہوا۔ لہذا لڑکی نے اپنی دایہ سے پوچھا ہم کہاں کے رہنے والے ہیں؟ اسنے سارا قصہ بیان کیا۔ تب لڑکی نے کہا میں اپنا اصل وطن چھوڑ کر ایسی جگہ رہنا پسند نہیں کرتی جہاں بالکل میں غریب مسافر ہوں کہ کوئی میرے باپکے مرنے میں شریک ہوا یہ کہکر اُسنے اپنا کھیت وغیرہ جو بصرہ میں باپ نے خریدا تھا فروخت کیا اور مکہ کیطرف روانہ ہوئی۔

عمر کا قاعدہ تھا کہ زمانہ حج میں ماہ ذیقعدہ ہی میں عمرہ کرکے آتا اور اپنا زرق برق لباس نکالتا اور عمدہ عمدہ گھوڑے ساتھ لیتا بڑے ٹھاٹھ سے کبھی ذات العرق کے گرد جا رہتا جہاں عراق کے حاجی آکر احرام باندھتے۔ کبھی مرو میں جہاں مدینہ کے حاجی احرام باندھتے کبھی ارید میں جہاں اہل شام محرم ہوتے۔

جب وہ لڑکی ذات عرق میں پہنچی اُسی روز عمر بن ربیعہ بھی وہاں پہونچے اور دیکھتے ہی عاشق ہوگئے جس سے آخر نکاح کیا ص۸۵ اغانی

اب آپ ہی انصاف سے کہئے کہ جو ایسا حسن پرست رند مشرب شاعر بدنام ہو کہ عورتیں اُسکی غزلوں کے سُننے سے آوارہ ہوجائیں اور عشق میں اوسکے جان دینے لگیں اور شریف لوگ اُس سے پناہ مانگیں اور اُسکے خوف سے باپ اپنی لڑکیوں کو چھپا کر دوسرے ملکوں میں لیکر چلے جائیں اور وطن چھوڑدیں۔ کیونکر ممکن ہے کہ بلا وجہ شرعی حضرت سکینہ اُسکے روبرو ہوں اور اُسکو حسن و جمال کے فیصلہ کے لئے حکم بنائیں۔ اور وہ بھی بمقابلہ اُسکی معشوقہ کے! عائیشہ بنت طلحہ اگرچہ اُسکی معشوقہ تھیں مگر کبھی نہ چاہتی تھیں[1] کہ اُس کا سامنا ہو۔

[1] ولم یزل عمر یتشبب بعائشہ ایام الحج ویطوف حولہا ویتعرض لہا وہی تکرہ ان یری وجہہا حتی وافقہا وہی ترمی الجمار سافرۃ فنظر الیہا فقالت اما واللہ لقد کنت لہذا منک کارہۃ یا فاسق ص۱۸۱ اغانی تمامی ایام حج میں عمر نے اپنی غزلیں عائشہ کے حسن و جمال کی تعریف میں کہیں اور ہمیشہ گرد اسکے طواف کرتا اور چھیڑتا تھا اور عائشہ نہ چاہتی تھیں کہ عمر کی نظر چہرہ پر پڑے جب رمی الجمرہ کا وقت آیا تو عائشہ بے نقاب تھیں کہ عمر بھی وہاں آپہنچا اور پھر نظر دیکھا جسپر عائشہ نے کہا مجھے اسی دن کا خوف تھا اے فاسق! ۱۲

رسوائی کا خوف ہوتا - پھر کس طرح شرر اس واقعہ کو قبول کر سکتے ہیں کہ عائشہ[1] عمر کا سامنا کیا ہو اور عمر سے اپنے حسن و جمال کے فیصلہ کے لئے حکم مقرر کیا ہو -

مگر یہ کہ شرر صاحب پھر اُسی اغانی کی یہ سند لائیں جو بذیل احوال عائشہ بنت طلحہ لکھتا ہے

قال مصعب کانت بنت طلحۃ لاتستر وجہہا من احد فعاتبہا مصعب فی ذلک فقالت ان اللہ وسمنی بمیسم جمال احببت ان یراہ الناس ویعرفوا فضلہ علیہم

کہ عائشہ بنت طلحہ پردہ نہیں کرتی تھیں بے نقاب و حجاب رہا کرتیں چنانچہ ایک دفعہ مصعب شوہر نے اس بے حجابی پر اعتراض کیا تو عائشہ نے جواب دیا خدا نے جو کہ مجھے ایسا جمال دیا ہے لہذا میں اُسے چھپانا نہیں چاہتی بلکہ چاہتی ہوں کہ لوگ دیکھیں اور میرے حسن و جمال کے قائل ہوں تو جب عام طور پر حضرت عائشہ پردہ ہی نہ کرتی تھیں پھر عمر بن ربیعہ کے سامنے بے حجاب جانے میں کیا عذر ہے -

یہ اعتراض البتہ لاجواب ہے مگر ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں ہے کیونکہ ہم کو عائشہ سے نہیں بحث ہے بلکہ حضرت سکینہ سے بحث ہے جن کا وجود ہی اس بارہ میں ثابت ہوا نہ عقد مصعب نہ بے حجابی جسکو شرر صاحب ثابت کیا چاہتے ہیں اور پھر عائشہ کے بے پردہ رہنے سے یہ نہیں قبول کیا جا سکتا کہ عمر بن ربیعہ سے اسطرح سے بے حجابانہ سامنا کیا ہو جسے اچھی طرح حسن و جمال جانچنے کا موقع ملا ہو جو پہلے ہی سے ان کے تیر نگاہ کا زخمی بلکہ مرغ بسمل تھا -

ہاں ہاں ستو عدو شو و سبب خیر گر خدا خواہد

ان حالات کے دیکھنے میں معلوم ہوا کہ وہ سکینہ ایک دوسری تھیں جن سے عمر بن ربیعہ کے تعلقات ایسے بڑھے چڑھے تھے کہ جو کہیں مناسب ہے چنانچہ اغانی میں ہے اخبرنی الحرمی قال حدثنا الزبیر قال حدثتنی ظبیۃ مولاۃ فاطمہ بنت عمر بن مصعب عن ذہبیۃ مولاۃ محمد بن مصعب بن الزبیر قالت کنت عند

[1] واضح رہے کہ یہ مضمون قبل اسکے ذکر ام کلثوم مادر عائشہ میں خیرات حسان سے لکھا گیا غالباً اصلیت اسکی یہی ہو کہ عائشہ بنت طلحہ کی یہ حالت ہو اور غلطی سے ام کلثوم ذکر کی طرف اسکی نسبت کی گئی یا ماں بیٹی دونوں بے حجاب رہتی ہوں ۱۲ منہ

امة الواحد اوامه المجید بنت عمر بن ربیعه فی الجنید الذی فی
بیت سکینه بنت خالد بن مصعب انا وابوها عمر وجاریتان یغنیان
یقال لاحدهما البغوم والاخری اسماء وکانت امة المجید بنت عمر
محمد بن مصعب بن الزبیر قالت فقال عمر بن ربیعه وهو معهم فی الجنید
هذه الابیات فلما انتهی الی قوله

ولقد قلت لیلة الجزل لما اخضلت ریطتی علی السماء

خرجت البغوم ثم رجعت الیه فقالت ما رایت اکذب منک یا
عمر تزعم انک بالجزل وانت فی جنید محمد بن مصعب وتزعم انه
اخضلت ریطتک ولیس فی السماء قزعة قال هکذا الستقیم هذا
الشان صـ ۶۹

جس سے معلوم ہوا کہ سکینہ خالد بن مصعب کی بیٹی ہے مصعب کی پوتی جسکے گھر میں عمر
بن ربیعہ بیٹھا ہوا مزے اُڑا رہا ہے حسین لونڈیوں کا جمگھٹا ہے گانا بجانا ہو رہا ہے
ہری بیکر چھوکریاں چھیڑ رہی ہیں عمر میٹھی باتیں بنا رہا ہے اور یہ عمر مصعب کا ہمدم بھی ہے کہ
مصعب کا بیٹا محمد عمر مذکور کا داماد ہے اور آگے چلکر یہ بھی معلوم ہوگا کہ خود مصعب کی بیٹی کا
نام بھی سکینہ ہے تو اب معلوم ہوا یہ قصہ اسی سکینہ کا ہے جو مصعب کی بیٹی ہے یا پوتی
اور سٹر سٹر یا اُنکے اُستاد اغانی والے یہ سمجھا کہ یہ قصہ حضرت سکینہ بنت حسین اور عائشہ
بنت طلحہ کا ہے حالانکہ حضرت سکینہ قید شام سے کہاں واپس آئیں جو یہ نکاح ہوا یا اسکے متعلق
یہ سب واقعات پیش آتے۔

عمر بن ربیعہ اور سکینہ مذکورہ کے تعلقات اس درجہ بڑھے چڑھے تھے کہ ایک دوسرے
کا شیدائی تھا اغانی میں ہے اخبرنی علی بن صالح قال حدثنا ابو هفان عن
اسحٰق عن مصعب الزبیری قال اجتمع نسوة فذکرن عمر بن ابی ربیعه
وشعره وظرفه ومجلسه وحدیثه فتشوقن الیه وتمنینه فقالت سکینة
انا لکن به فبعثت الیه رسولا ان یوافی الصورین لیلة سماها

عمر بن ربیعہ اور سکینہ بنت خالد بن مصعب کے تعلقات

فوافاهن علی رواحلہ فحدثھن حتی طلع الفجر وحان انصرافھن فقال لهن واللہ انی لمحتاج الی زیارة قبر النبیؐ والصلوٰة فی مسجدہ ولکن لا اخلط بزیارتکن شیئا ثم انصرف الی مکہ وقال فی ذلکؑ المربوسیٔ ان البین قد افدا۔ وذکر الابیات صہ٢٢٤

یہ واقعہ صاف طور پر بتا رہا ہے کہ سکینہ مذکورہ میں اور عمر بن ربیعہ میں اس قسم کے تعلقات تھے کہ سکینہ نے مدینہ سے آدمی بھیجکر عمر کو مکہ سے طلب کیا بمقام صورین اور شب میں حسین کو مع حشم و خدم وہ آیا اور شب بھر سکینہ کے گھر رہا تمام شب عیش و آرام میں بسر کیا صبح کو پھر مکہ چلا گیا اور قبر نبی کی بھی زیارت نہ کی اور صاف کہدیا کہ تم مہوشوں کی زیارت کے ساتھ ہم اور کسی کی زیارت کو مخلوط نہ کرینگے حالانکہ ہم اسکے مشتاق ہیں کہ روضۂ رسول کی زیارت کریں سکینہ اور عمر بن ربیعہ کے دلی تعلقات کا پتہ اس غزل سے بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے جسے خود سکینہ کے نام سے شروع کیا ہے ؎

قالت سکینة والدموع ذوارف ۔۔۔ تجری علی الخدین والجلباب
لیت المغیری الذی لم اخبرہ ۔۔۔ فیما اطال تصیدی وطلابی
کانت ترد لنا المنی ایامنا ۔۔۔ اذلا ملام علی ھوی ونصاب
خبرت ما قالت فبت کانما ۔۔۔ یرمی الحشی بنوافذ النشاب
عوسکین ماماء الفرات وطیبہ ۔۔۔ منا علی ظماو فقد شراب
بالذمنک وان نابت وقلما ۔۔۔ ترعی النساء امانة الغیاب
ان تبذلی لی نائلا اشفی بہ ۔۔۔ داء الفواد فقد اطلت عذابی
وعصیت فیک اقاربی وتقطعت ۔۔۔ بینی وبینهم عری الاسباب
فترکتنی لا بالوصال ممتعا ۔۔۔ منهم ولا اسعفتنی بثواب
فقعدت کالمهریق فضلة مائه ۔۔۔ فی حر هاجرة بلمع سراب

جس سے معلوم ہوا کہ عمر مذکور ان سکینہ پر عاشق تھا جسکے فراق میں [illegible] اور خود سکینہ بھی اوس پر عاشق تھیں جن کے اظہار عشق پر عمر بن ربیعہ [illegible]

وجہ اشتباہ

تو اب یقینی طور پر معلوم ہوا کہ یہ سب قصے حسن و عشق یا مزاح و تفریح طبع وغیرہ کے انھیں
سکینہ کے ہیں یا انکی پھوپھی سکینہ بنت مصعب کے جنکی گمنامی سے یہ سب واقعہ اس مظلومہ
کیطرف منسوب ہوگئے جو جہاں بحیثیت شرافت خاندانی مشہور تھیں کہ نواسی رسول اور بنت
حسین سے کل مسلمان واقف تھے وہاں بحیثیت مظلومی بھی انکے نام کی شہرت تھی اور اسی غرض
نے ان سب واقعات کو جو نام سکینہ سے متعلق تھے اُس مظلومہ کیطرف منسوب کر دیے
ورنہ اُس مظلومہ کو ملک شام سے آنا کہاں نصیب ہوا وہ زندہ کہاں ہیں جو یہ سب واقعات
پیش آتے جس کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ روایت مذکورہ صدر میں اور ان اشعار مرقومہ
سکینہ کا نام آیا ہے بلا قید بنتیت وغیرہ تو بنا بر عام قاعدہ اشتباہ ان گمنام سکینہ
کے حالات حضرت سکینہ کیطرف منسوب ہوئے جنکی شہرت و عظمت مسلمہ ہے۔ اور خود
اغانی میں بھی بہت سی روایتیں اس قسم کی موجود ہیں جنمیں صرف سکینہ کا نام ہے۔ بلا ذکر
بنت وغیرہ۔ چنانچہ جو قصہ شعر نے آگے چلکر اس کا لکھا ہے کہ حضرت سکینہ نے
ایک مصرع سنا اور دوسرے مصرع کے اشتیاق میں اپنے غلام کو دوڑایا اسمیں اسطرح
مرقوم ہے بینما سکینہ ذات لیلۃ تسیر پھر ایک واقعہ زوار کا لکھا ہے اسمیں
ہے ان سکینہ ناقلت مالھا پھر جو قصہ نکاح زید ابن عمر لکھا ہے اسمیں
ہے عن اشعب قال تزوج زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سکینہ وکان انجل
قریش داینۃ جس سے بوضاحت تمام معلوم ہوا کہ یہ قصے جو صرف نام سکینہ سے
متعلق ہیں غلطی سے یا عمداً حضرت سکینہ بنت الحسین کیطرف منسوب ہوگئے
اور اصل میں وہ دوسری گمنام سکینہ کے قصے ہیں جنکو یا راوی اول ہی نے
بوجہ شہرت نہ بیان کیا یا مابعد کے راویوں سے ایسی غلطی ہوئی۔ یہی وجہ ہے
کہ ابو اسحق حضری قیروانی مالکی نے اس غزل کو در بارہ حضرت سکینہ قرار دیکر
وفی سکینۃ یقول عمر بن عبد اللہ بن ربیعہ الخ وھی کذبا علیہ (زہرۃ الاداب ص ۶۲)
یعنی سکینہ کے بارے میں عمر بن ربیعہ از راہ افترا کہتا ہے۔ چونکہ اس بیچارہ کو معلوم نہ تھا کہ
یہ کونسی سکینہ عمر کی معشوقہ ہیں اسلئے یہ تاویل کی کہ عمر نے افترا کیا۔ حالانکہ اب

اسکی ضرورت نہیں ہی کیونکہ وہ سکینہ دوسری ہیں جو عمر کی معشوقہ ہیں جنکے یہاں وہ تمام شب عیش و آرام کرتا وہ مصعب کی بیٹی ہیں یا پوتی نہ حضرت سکینہ بنت الحسین جنکی نسبت ایسا خیال کرنیوالا شخص کافر ہو جاتا ہے اور آج سے بڑھکر اُس زمانہ میں اُنکی عزت تھی اگرچہ دشمنوں نے بہت کچھ ذلت چاہی۔

اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے جو عمر بن ربیعہ تمام حسین عورتوں پر عاشق ہوتا پھرے اور کل شریف زادیاں اُس سے خائف و ترساں ہوں اُسکو حضرت سکینہ حکم بنائیں گی کیونکر کوئی عاقل قبول کر سکتا ہی؟ اجی مسٹر بشر رو وہ عمر بھی اسی خاندان زبیری کا قرابتمند و رشتہ دار تھا اسکی بہن مصعب کے بیٹے محمد کو بیاہی تھی اور شب و روز انھیں سکینہ بنت خالد بن مصعب کے یہاں پڑا رہتا اور عشق کا دم بھرتا لہذا ممکن ہی کہ انھیں دونوں سکینہ میں سے کسی نے اور عائشہ بنت طلحہ نے کہ دونوں اسکی معشوقہ تھیں اپنے جانباز عاشق کو جج بنایا ہو جس نے اُسکے عشق کا امتحان بھی منظور تھا کہ دیکھئے کس کا سچا عاشق ہی اسیوجہ سے اُسنے فیصلہ بھی ایسا کیا کہ کسیکی خاطر شکنی نہ ہو دونوں گھر بنے رہیں کہ ایک کو صبیح کہا اور دوسرے کو ملیح۔ اس قسم کا اشتباہ اور مغالطہ میں پڑنا بڑے بڑے علمار محققین کا اگرچہ بعد اسکے لکھا جائیگا مگر بنظر مزید تسکین ناظرین صرف ایک واقعہ متعلق خاندان خلیفہ دوم یہاں لکھا جاتا ہی جس سے معلوم ہو کیسے کیسے علمار محققین کو اس قسم کے اشتباہات ہوئے ہیں کہ زوجہ کو بیٹی اور بیٹی کو زوجہ عمر بناتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی کے اصابہ میں ہی جمیلہ بنت ثابت بن ابی الافلح خواہر عاصم زوجہ عمر ہی جسکی کنیت ام عاصم ہے اصل میں اس کا نام عاصیہ تھا۔ رسول اللہ صلعم نے جمیلہ نام رکھا اس سے عمر کا عقد ۷ھ میں ہوا۔ جس سے عاصم پیدا ہوا بعدہ طلاق دیا عمر نے جس سے زید بن حارثہ نے عقد کیا اُس سے عبدالرحمن بن زید پیدا ہوا۔

دوسری روایت یہ ہی کہ زوجہ عمر عاصیہ نے جب اسلام قبول کیا تو عمر نے کہا یہ نام میرا اچھا نہیں دوسرا نام بدل دو عمر نے جمیلہ رکھا۔ اس پر وہ غصہ ہوئی اور رسول اللہ صلعم سے فرمائش کی حضرت نے بھی یہی نام تجویز کیا۔

تیسری روایت ابن ابی شیبہ سے یہ ہی کہ یہ لونڈی تھی خلیفہ کی جس کا نام عاصیہ تھا۔ رسول اللہ صلعم

نے جمیلہ نام رکھا۔

چوتھی روایت یہ ہو کہ ایک لونڈی تھی خلیفہ کی جس کا نام عجمی تھا عمر نے اُس کا نام جمیلہ رکھا، جسکی اُسنے شکایت رسول اللہؐ سے کی حضرت نے بھی یہی نام رکھا الخ۔ ٥ اصابہ جلد ۴

ان سب تحقیقات کے بعد سنئے کہ پھر ابن حجر اصابہ فرماتے ہیں جمیلہ بنت عمر بن خطاب نام اسکا عاصیہ تھا جمیلہ رکھا گیا۔ ابن ابی شیبہ حماد سے روایت کرتے ہیں کہ عمر کی بیٹی عاصیہ تھی انکا نام رسول اللہؐ نے جمیلہ رکھا۔ اسپر ابن اثیر نے اعتراض کیا ہو کہ یہ قصہ عمر کی زوجہ کا ہو نہ اُسکی بیٹی کا۔ کیونکہ اسی اسناد سے حماد نے روایت کی ہو کہ جمیلہ بنت ثابت بن ابی الافلح ہو جس کا نام عاصیہ تھا اور بعد اسلام جمیلہ رکھا گیا۔ ایسا ہی روایت کیا ہو۔ حالانکہ اسکو نقل کیا ہو کتاب ابن سلام سے صحیح یہ ہو کہ رسول اللہؐ نے عاصیہ کا نام جمیلہ رکھا نہ اسکو زوجۂ عمر کہا ہو نہ اُسکی بیٹی۔ مگر اسکے بعد مرسل وصل بن ابی شیبہ لکھتا ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ زوجہ عمر تھی۔ پس اوسکی نقل بالمعنی کرنے میں یہ تصرف ہوا ولا مانع ان یعبر اسم المرأۃ والبنت اور نہیں مانع ہے اس سے کہ عورت کا نام بدل جائے اور نبتیت بھی کہ کسکی بیٹی تھی ختم ٥ اصابہ جلد ۴

پس جن علمائے محققین و محدثین اہل سنت کی تحقیقات عالیہ کا یہ درجہ ہو کہ لونڈی کو بیٹی اور بیٹی کو جورو اور جورو کو بیٹی بنا دیں اور مسلسل روایت در روایت ہونے لگی۔ وہ بھی کہاں سلسلہ کہ خاص خلیفہ دوم کی اولاد و ازدواج میں جسکی تحقیقات میں ابن حجر کو یہ کوہ کنی کرنی پڑی کہ علانیہ کہدیں عورتوں کے نام اور نبتیت کے بدل جانے سے کوئی مانع نہیں۔ تو اونکی تحقیقات سے اس اشتباہ میں کیونکر کلام ہوسکتا ہو کہ سکینہ بنت مصعب کو سکینہ بنت الحسین کہدیں اور کل واقعات کو ادھر منسوب کریں یہیں سے آپ اس کا بھی قیاس کرسکتے ہیں کہ انکا جوڑا باندھنے کا قصہ بھی انھیں دونوں میں سے کسی سکینہ کا ہوگا کیونکہ اوسی اغانی میں یہ روایت اس طور پر بھی لکھی ہو عن مصعب قال کانت سکینہ احسن الناس شعرا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بلا قید نبتیت یہ نام لکھا گیا ہے تو اب کوئی قرینہ اس کا نہیں ہو کہ اس سے سکینہ بنت الحسین مراد ہوں جنکے حالات سابقا معلوم ہوئے کیونکہ عمر بن عبد العزیز کے زمانہ تک ان دونوں سکینہ کا باقی رہنا یقینی ہے بخلاف حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کے کہ کسیطرح اُن کا موجود رہنا اس زمانہ میں ثابت نہیں

ان سب خرافتوں کے بعد مسٹر شرر یہ بیان کرتے ہیں کہ "دوسرا عقد حضرت سکینہ کا بعد شہادت عبد اللہ بن امام حسنؑ کے مصعب بن زبیر سے ہوا۔"

اس امر پر بہت دنوں سے سنی اور شیعہ میں بحث چلی آتی ہے۔ سنی کہتے ہیں حضرت سکینہ کا عقد مصعب سے ہوا۔ اور شیعہ کہتے ہیں محض غلط ہے اس واقعہ کا کوئی وجود نہیں چنانچہ علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ سے بھی اس کا سوال کیا گیا۔ اور اونھوں نے بھی اس سے انکار فرمایا۔ اور شاہ عبد العزیز دہلوی نے بھی تحفہ میں اسکو لکھا ہے۔ جس سے یہ مسئلہ اختلافی بین الفریقین قرار پایا۔ اب ہمکو محققانہ طور پر یہ دیکھنا ہے کہ شیعوں کو اس سے کیوں انکار ہے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائیگا۔ کہ اہل سنت کو اسپر اصرار کیوں ہے؟

شیعوں کے انکار کی وجہ اولاً یہ ہے کہ کوئی روایت صحیح قابل اعتماد اس بیان میں نہیں ملتی اور تحقیقات واقعہ میں انکی سخت پابندی ہے کہ روایات صحیحہ سے اُس کا اثبات کیا جائے۔

ثانیاً نسبی حالت خاندان زبیر کی ایسی ہے کہ کوئی شریف اُسکو پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ خاندان رسالت میں اُن سے وصل و پیوند ہو۔

ثالثاً اِن سب کے ساتھ عداوت انکی خاندان رسالت کے ساتھ ایسی ظاہر و ہویدا ہے کہ ان حالات کے بعد کوئی عاقل قبول نہیں کر سکتا کہ خاندان رسالت سے انکو توصل ہو۔

روایتوں کا حال تو سابقاً معلوم ہوا کہ ایک روایت بھی ایسی نہیں جس پر اعتماد ہو سکے۔ رہی نسبی حالت اور خاندانی عداوت اُسکی حقیقت واقعات ذیل سے ظاہر ہوگی۔ کیونکہ انکی خاندان پر چند قسم کا اعتراض مورخین و علماء نسب نے وارد کیا ہے۔ اصل انکی قبطیین مصر سے ہے نہ قریش سے انکی جدات میں کاہلیہ بدنام عورت تھی زبیر کی شادی اسماء کیساتھ اسطرح ہوئی کہ کوئی کہتا ہے متعہ ہوا تھا کوئی کہتا ہے نکاح۔

علامہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ ابن الزبیر نے ایک روز خطبہ میں کہا کہ کیا ہوا ہے اُن لوگوں کو جو فتویٰ دیتے ہیں متعہ کا اور تنقیص کرتے ہیں حواری رسول (طلحہ زبیر) اور ام المومنین عائشہ کی کہ خدا نے اُنکے دلوں کو بھی اندھا کیا ہے جیسا کہ آنکھوں کو اندھا کیا یہ تعریض تھی ابن عباس کیطرف جو آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے ابن عباس نے جواب دیا

تو نے جو متعہ کا نام لیا تو اپنی ماں سے دریافت کر کہ وہ تجھے اسکی حقیقت سے خبر دیگی کیونکہ متعہ
کی انگشت جو پہلے بیل ساطع ۔ ہوئی تو وہی انگشت ہی جو تمہارے ماں باپ کے درمیان
میں تھی اب یہیں اختلاف ہی کہ حضرت ابن عباس نے کون سے متعہ کو مراد لیا متعۃ النسا کو یا متعۃ الحج
کو بعض کا بیان ہی کہ حجۃ الوداع میں جو رسول اللہ ؐ نے تحلیل کا حکم دیا تو اسما بنت ابوبکر
بن عثمن کر عطر لگا کر آراستہ پیراستہ ہو کر زبیر اپنے شوہر کے پہلو میں آکر بیٹھیں زبیر
اسوقت تک احرام میں تھے کہا ۔ دور ہو یہاں سے ۔ اسما نے کہا کیا تم اس ڈرتے ہوا
صفحہ ۱۶۷ جلد ۶ اور تاریخ کامل میں ہی کہ مختار کو جب خبر قید محمد بن الحنفیہ کی ہی تو مختار نے کہا
لست ابا اسحق ان لم انصرہم نصراً موزراً و املم اسرب الخیل فی اثر الخیل کالسیل
یتلوہ السیل حتی یحل بابن الکاھلیۃ الویل یعنی ابن الزبیر و ذلک ان ام خویلد
ابن العوام زھرۃ بنت عمرو من بنی کاھل بن اسد بن خزیمہ صفحہ ۹۷ جلد ۴ میں
ابو اسحق نہیں اگر حضرت محمد بن حنفیہ کی ایسی مدد نہ کروں کہ لشکر پر لشکر بھیجوں یہانتک کہ
ابن الکاھلیۃ پر ویل ہو ۔ مراد اس سے ابن الزبیر ہے کیونکہ خویلد کی ماں کاہلیہ تھی یہ نام
کاہلیہ ایسی بدنام تھی کہ ہمیشہ لوگ اسکی وجہ سے ابن الزبیر پر طعن کرتے اور انکو شرمندہ کرتے
جیسا کہ ابھی آپنے ملاحظہ کیا کہ مختار جو بنی ثقیف سے ہی نہ قریشی وہ بھی انکو یا ابن الکاہلیہ کہا
تھا اور خود اسی اغانی میں ہے جو بار نازش حسب شرفا ہی کہ عبداللہ بن فضالہ نے یہ اشعار کہے۔

اقول لغلمتی شدوا رکابی ۔۔۔ اجاوز بطن مکۃ فی سواد
فمالی حین اقطع ذات عرق ۔۔۔ الی ابن الکاھلیۃ من معاد
فقال ابن الزبیر لما بلغہ ۔۔۔ ھذا الشعر علم انھا شر امھاتی
فعیرنی بھا وھو خیر عماتہ صفحہ ۹ جلد اول

جس سے معلوم ہوا کہ یہ نسب اس کا ایسا بدنام تھا کہ شعرا ہجو میں اسکو استعمال کرتے
چنانچہ خود ابن الزبیر نے بھی اقرار کیا کہ ہمارے مادری رشتہ میں یہ عورت بدترین عورتوں
تھی اس حسب نسب پر ابن الزبیر کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اپنی خاندانی ذلت کو چھپا کر
کسی طرح عالی نسبی حاصل کریں ۔ چنانچہ جب ام عمر نامی ایک عورت سے نکاح کیا جو قبیلہ بنی فزارہ

تھی خارج از قبیلہ قریش۔ تو شب عروس اُس سے کہا۔ کہ جانتی ہو آج جبکہ میں تمہارے پاس کون بیٹھا ہے۔ اُم عمر۔ عبد اللہ بن زبیر بن خویلد بن عوام!!

عبد اللہ۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔

ام عمر۔ پھر کیا چاہتے ہو۔

عبد اللہ۔ آج تمہارا ہمنشین وہ شخص ہے جو قریش میں بمنزلہ سر کے ہے تمام جسم میں نہیں بلکہ بمنزلہ چشم ہے تمام سر میں۔

زوجہ۔ اگر بنی ہاشم سے یہاں کوئی ہوتا تو اسکے خلاف بیان کرتا۔

عبد اللہ۔ مجھپر کھانا پینا حرام ہے جب تک ہاشمیوں کو جمع کر کے سب سے قبول نہ کرالوں کیونکہ کسی کو اسمیں مجال انکار نہیں۔

زوجہ میرا کہنا مانو اس کا ارادہ نہ کرو۔ ورنہ تم جانو۔

عبد اللہ وہاں سے اُٹھکر ہاشمیوں کے حلقہ میں آئے جہاں عبد اللہ بن عباس عبد اللہ بن حرث بن عبد المطلب وغیرہ جمع تھے۔ ان لوگوں سے کہا۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ لوگ ہمارے ساتھ میری منزل تک تشریف لے چلیں۔

سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور ابن الزبیر کے ساتھ آئے جب انکی دولتخانہ پر پہونچے تو ابن الزبیر نے بڑھکر اپنی زوجہ سے کہا اپنا کپڑا درست کرے پردہ ڈال لے اسکے بعد سب کو اندر بلا لیا اور دعوت کھلانے کے بعد کہا کہ۔

میں نے آپ سب صاحبوں کو اس وجہ سے تکلیف دی ہے کہ یہ عورت میرے کلام کو رد کرتی ہے اور اُسکا گمان یہ ہے کہ اگر بنی ہاشم ہوتے تو اس قول کو قبول نہ کرتے۔

آپ لوگ سب جمع ہیں میرے دعوی کو سُنئے اور اسکی تصدیق فرمائے۔

اصل قصہ یہ ہے کہ پہلی شب جو اس سے ملاقات کی تو میں نے کہا تو جانتی ہے میں کون ہوں؟ میں وہ شخص ہوں جسکا درجہ قریش میں بمنزلہ سر کے ہے تمام جسم میں بلکہ بمنزلہ چشم ہے سر میں۔ اس عورت نے قبول کرنے سے اسکے انکار کیا۔

ابن عباس۔ کہو تو ہم کچھ کہیں۔ نہیں تو خاموش رہیں۔

ابن الزبیر۔ نہیں تم کہو۔ اور کیا کہو گے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ زبیر حواری رسول اللہ
ماں میری اسما بنت ابو بکر ذات النطاقین ہیں۔ حضرت خدیجہ میری پھوپھی ہیں
عمہ رسول اللہ میری دادی ہیں۔ عائشہ ام المومنین میری خالہ ہیں کیا تم اس کا انکار کر
ہو۔ ابن عباس!
ابن عباس۔ نہیں میں اس کا انکار نہیں کرتا لیکن تم نے شرف شریف اور فخر عظیم کا ذکر
کیا ہو حالانکہ یہ جو کچھ فخر و شرف تم کو ملا وہ سب میری بدولت۔
ابن الزبیر۔ یہ کیونکر؟
ابن عباس۔ تمہارے کل فخر کی انتہا رسول اللہ تک ہو جنکے خاندان سے ہم ہیں
اور قرابت قریبہ رکھتے ہیں پھر ہمارے مقابلہ میں کون فخر کر سکتا ہے۔
ابن الزبیر۔ اچھا ہم قبل اسلام کے مفاخرت سے مفاخرت کرتے ہیں۔
ابن عباس۔ ایہا الحاضرون انصاف سے کہو۔ عبد المطلب اشرف تھے یا خویلد؟ (حضار
سب نے کہا۔ عبد المطلب اشرف تھے۔ سچ کہو ہاشم اشرف تھے۔ یا امیہ؟ (بنی امیہ کا مورث)
سب نے کہا ہاشم اشرف تھے۔ اچھا کہو عبد مناف افضل تھے یا عبد العزیٰ (جد اعلیٰ)
سب نے کہا عبد مناف اشرف تھے۔ اُسوقت ابن عباس نے یہ اشعار پڑھے۔

تفاخرنی یا ابن الزبیر وقد مضیٰ علیک رسول اللہ لا قول ھازل
فلو غیرنا یا ابن الزبیر فخرتہ ولکن بنا سامیت شمس الاصائل

کیونکہ رسول اللہ کی حدیث موجود ہو کہ جہاں خاندانوں میں افتراق ہوا وہاں ہمارا وجود
قبائل میں رہا۔ اگر تم نے اس کا اقرار کیا تو مغلوب ہوا اور اگر انکار کیا تو کافر ہوا۔
کل حضار جلسہ ہنسنے لگے اور اُس عورت نے کہا ہم نے تو اسی لئے میاں کو منع
کیا تھا مگر نہ مانا۔ آخر اوس کا نتیجہ پایا۔ ثمرۃ الاوراق ۱۱۸
اب اور لطیفہ سنئے کہ بمقابلہ جناب امام حسینؑ بھی انکو اپنی بلند نسبتی ناز ہوتا تھا
ایک دفعہ جناب امام حسینؑ معویہ کے پاس تشریف لائے آپکا غلام ذکوان بھی ساتھ تھا اور
اُن کے پاس بہت قریش جمع تھے تو معویہ نے امام حسینؑ سے کہا۔ اس بیٹھنے والے

دیکھتے ہو (اشارہ ہی ابن الزبیر کیطرف) جو حسد کرتا ہی بنی عبد مناف سے
ابن الزبیر نے معویہ کا جواب دیا کہ مجھے فضل حسین کا اور اونکے قرابت رسول اللہ
کا اقرار ہو لیکن اگر تو چاہے تو اپنے باپ زبیر کے شرف کو بیان کروں جو بہ نسبت تیرے
باپ ابو سفیان کے اونکو حاصل تھا۔
ذکوان - غلام امام حسینؑ نے کہا - ہمارے آقا وہ ہیں جو کلام کرتے ہیں تو بعلم اور سکوت
کرتے ہیں تو بحلم جب خود تم نے اونکے شرف و بزرگی کا اقرار کیا تو اب کلام کی اونکو
حاجت نہیں - یہ کہکر یہ اشعار پڑھے۔

نعم الکلام لسابق فی غائۃ — والناس بین مقصر و مبلد
ان الذی یجری علیک شلوہ — یحی بغیر مسود و مسدد
بل کیف یدرک نور بدر ساطع — خیر الانام و فرع آل محمد

معویہ - سچ کہا ذکوان نے - خدا ایسے غلاموں کی افزایش کرے بزرگوں میں
ابن الزبیر - ابو عبداللہ (امام حسینؑ) تو ساکت ہیں اگر وہ کلام کرتے تو ہم جواب دیتے
یا بسبب اونکے بزرگی و جلالت کے چپ رہتے اور اس غلام کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔
ذکوان - یہ غلام تجھسے بہتر ہی کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے مولی القوم منھم لیس
ہم غلام رسول اللہ ہیں اور تو پسر عوام بن خویلد - تو ہم بہتر ہیں بسبب [illegible]
اپنے افعال کے۔
ابن الزبیر - میں اس کا جواب نہیں دیتا - تم کچھ کہو تو ہم جواب دیں۔
معویہ - خدا کی لعنت ہو تجھپر اے ابن الزبیر [illegible]
(معویہ) کے مقابلہ میں تو فخر کرتا ہی تو اپنے [illegible] اپنا درجہ [illegible]
پہلے اپنی حقیقت سمجھ لے تب بزرگان بنی عبد المناف کے ہاتھو کے سامنے منہ کھول۔
اگر تو دریائے فخر و جلالت بنی ہاشم میں غوطہ زن ہو تو تجھے معلوم ہو کسطرح اونکے امواج
تجھے پارہ پارہ کرتے ہیں اور مصنوعی شمشیر کسطرح [illegible] ابن الزبیر
اور دیر تک چپ رہے اس کے بعد منبر پر بیٹھ گیا اور صحبت کا طالب ہو کر کہنے لگے۔

سب جانتے ہو کہ میرے باپ (زبیر) حواری رسول ہیں اور ابوسفیان پدر معویہ محارب رسول۔ میری ماں اسما بنت ابوبکر صدیق ہیں۔ اور معویہ کی ماں ہندہ جگر خوارہ۔ میرے جد صدیق ہیں اور معویہ کا جد وہی جو جنگ بدر میں مارا گیا۔ میری عمہ خدیجہ ام المومنین ہیں اور معویہ کی عمہ حمالۃ الحطب۔ میری خالہ عائشہ ہیں ام المومنین اور خالہ معویہ اشقی الاشقین۔ میرا نام عبد اللہ ہے۔ اُس کا نام معویہ۔

معویہ۔ واہ ہو مجھ پر کیونکر ایسا دعوی کرتا ہے حالانکہ نہ تجھے قدیم میں ریاست نصیب ہوئی نہ حال میں سیاست۔ ہم تیرے قاید و ساید ہمیشہ رہے ہیں پہلے بھی اب بھی نہ اس انکار کر سکتا ہے نہ افراد حضار جلسہ جانتے ہیں کہ قریش نے حرب بن امیہ (جد معویہ) کو سردار بنا مقرر کیا۔ اور تیرے باپ دادا سب اُسی علم کے نیچے پناہ گزیں تھے یہ اونکی سرداری کیسی تھا نہ کسی کو اُنکے مقابلہ کا دعوی جب تم لوگوں کو حکم ملتا تو اسکی اطاعت کرتے اور ذریت سیادہ و قیادہ سرداری و بزرگی ہمیں لوگوں میں تھی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم معوث برسالت ہوئے جو ہمارے خاندان سے تھے نہ تیرے خاندان سے۔ ہم اور وہ ہم جد ہیں۔ نہ تو۔ کافر قریشیوں نے جب اُن سے جنگ کی تو اُن کا سردار ابوسفیان تھا۔ نہ غیر۔

ان لڑائیوں میں بھی دونوں فریق ہمارے تھے جس نے ہدایت پائی وہ ہمارے ہدایت یافتہ کا ماتحت تھا۔ اور جو گمراہ ہوا وہ ہمارے گمراہ کا ماتحت تھا اور تم لوگ (خطاب ابن الزبیر کیطرف) ہمیشہ تابعدار و رعیت ہی رہے یہانتک کہ خدا نے ابوسفیان کو مسلمان کیا۔ پس جاہلیت میں بھی سردار تھا اور اسلام کے بعد بھی وہ مشہور و معروف رہا کہ فتح مکہ میں سب سے زیادہ اُسی کو حصہ دیا رسول اللہ نے تیرے باپ دادا کو نہ۔ منادی رسول اللہ نے ندا کی کہ جو داخل مسجد الحرام ہو اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اُسے امان ہے۔

یہ ابوسفیان ہی کا گھر تھا جو حرم بنایا گیا نہ تیرا یا تیرے باپ کا گھر۔

ہند۔ بھی زمانہ جاہلیت میں عظیم الخطر تھی اور اسلام میں کریمۃ الخیر۔ نہ تیرا جد۔ ابوبکر جو عبد اللہ بن الزبیر کے نانا تھے۔ پس وہ بھی صدیق ہوئے بسبب تصدیق کرنے بنی عبد مناف کے نہ بسبب تصدیق عبد العزی کے (نام جد ابن الزبیر)

اور تو نے جو میرے جد مشدوخ کا ذکر کیا کہ بروز بدر مارے گئے
پس وہ اور اُس کا بھائی اور بیٹا مبارز طلب ہوا بروز بدر۔ اگر تم یا تمہارے باپ انکے مقابلہ
میں نکلتے تو ہرگز وہ لوگ تم سے نہ جنگ کرتے نہ تمکو اپنا کفو اور مقابل سمجھتے جیسا کہ
اور لوگ لڑنیکو نکلے مگر انھوں نے اونکا مقابلہ نہ منظور کیا یہانتک کہ اونکی کفو اونھیں کے
خاندان کے لوگ باہر آئے (حمزہ۔ عبیدہ۔ علی مرتضی) تب اونھوں نے لڑنا قبول کیا۔
یہانتک کہ خدا نے انھیں کے ہاتھ سے فیصلہ کیا اور وہ سب مارے گئے پس ہمیں نے قتل کیا
اور ہمیں قتل کئے گئے۔ تجھکو ان امور سے کیا واسطہ رہا تیرا فخر اپنی پھوپھی (حضرت خدیجہ)
کے سبب سے۔ تو اونکو یہ شرافت یہ عزت ہمارے ہی خاندان کی بدولت ملی کہ ام المومنین کہلائیں
یہی حال تیری خالہ عائشہ کا ہے۔
رہیں صفیہ (مادر زبیر) پس اونھیں کی بدولت تجھے یہ رتبہ ملا کہ ان لوگوں کے گرد بھٹکنے
پایا ورنہ تو ہمیشہ گمنام رہتا۔
رہا تیرا فخر ابن عم و خال پدر سید الشہدا (حضرت حمزہ) پر ایسا ہی ہے لیکن اون کے وارث
ہم ہیں نہ تو تجھ میں اونمیں میراث نہیں تو یہ فخر بھی ہم کو ہے۔
رہا یہ دعوے کہ تو عبد اللہ ہے اور میں معویہ پس قریش کو معلوم ہے کہ اینا اجود فی الازم و
اخزم فی القدم و امنع للحرم قسم خدا کی تو نہیں باز آئیگا جب تک مثل اپنے باپ کے تو
بھی طالب ہو اُس کا جسے زبیر نے طلب کیا کہ بیعت شکنی کی اور آمادہ جنگ بیکار ہوئے
ام المومنین عائشہ کو فریب دیا اور کچھ رسول اللہ کا خیال نہ کیا کہ اپنی عورتونکو
تو پس پردہ بٹھایا اور رسول اللہ کی زوجہ کو تلواروں کے منہ پر لائے جب دونوں لشکر لڑے
تو تیرا باپ دُم دبا کر بھاگا مگر کہاں نجات مل سکتی تھی کہ پیچھے ڈالا اونکو ابوالحسین!
نے اپنی تلوار سے جیسا کہ چکیاں پیستی ہیں آٹے کو۔
اور تو بھاگا اون سے جب اُنکے جنگل میں آیا تھا قسم خدا کی یا تو بھی خود عثمان کا مقابلہ
کریگا۔ یا وہاں جاکر تو بھی چلا آئیگا جہاں تیرا باپ چلا آتا تھا وادی السباع میں۔
حالانکہ تیرے باپ نے یوں نہیں سر ڈالا بلکہ جیسا تھا ویسا ہی ہے۔

تناول سرحان فریسیہ ضیغم   فقعقعہ باللف منہ وحطبا

عقد الفرید جلد ۲ صہ ۱۱۲

ایکدفعہ معویہ نے کہا اے ابن الزبیر تو ہم سے اسطرح نزاع کرتا ہے کہ گویا تو ہم سے زیادہ اسکا مستحق ہے۔ ابن الزبیر کیوں نہوں؟ میرے باپ نے اسلام لاکر بیعت رسول کی اور تیرے باپ نے سب نے متابعت کی کفر پر معویہ تو غلطی پر ہے ہمارا ابن عم کو خدا نے نبی بنایا اور لوگوں نے اونکی متابعت کی پس تم لوگ ہمیشہ تابعدار ہی رہے خواہ ہم لوگ ہدایت پر ہوں یا گمراہ ۱۱۳ عقد الفرید۔

ان واقعات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خاندان زبیر قدیم الایام سے کسقدر ذلیل و حقیر ہے کہ معویہ اسطرح اوسے بر سر دربار ذلیل کرتا ہے اور کچھ بن نہیں پڑتی پھر بھلا ایسے خاندان سے خاندان رسالت کا توصل کیونکر ممکن ہے۔

یہاں ہم ناظرین کو معویہ کے خاندانی نسب نامہ پر توجہ دلاتے ہیں جسکے بارے میں مشہور ہے کہ چار آدمیوں کے نطفے سے اس کا نطفہ منعقد ہوا۔ دیکھو ربیع الابرار بس جس شخص کی رذالت پر یہ بھی خندہ زن ہو وہ کیسا شریف ہوگا۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ معویہ اور ابن الزبیر دونوں کے شرف و فخر کا مدار خاندان رسالت ہی پر ہے چاہے چچا کی اولاد بنکر ہو یا پھوپھی کی اولاد بنکر اور پھر یہ دونوں خاندان ہمیشہ درپے تذلیل و توہین خاندان رسالت رہے کہ کسی نے کوئی دقیقہ نہیں اوٹھا رکھا۔ یہاں مجھے حضرت ابن عباس کا وہ قول یاد پڑتا ہے جو فرماتے تھے لان یربنی بنو عمی احب الی من ان یربنی رجل من بنی اسد یعنی بنی عمہ بنی امیہ لانہم جمیعہم من ولد عبد مناف ویعنی برجل من بنی اسد ابن الزبیر فانہ من بنی اسد بن عبد العزی بن قصی تاریخ کامل جلد صہ ۷۹

جس سے معلوم ہوا کہ خاندان بنی ہاشم کو ان زبیریوں سے ایسی نفرت تھی کہ وہ بمقابلہ انکے بنی امیہ کی حکومت کو ترجیح دیتے تھے۔ حالانکہ بنی امیہ کی خاندانی حالت سب کو معلوم ہے ابن الزبیر کی شرافت اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ عام قبائل عرب کے لوگ بھی تو ہم کلام

قال عبد اللہ بن الزبیر لعدی بن حاتم متی فقئت عینک قال یوم طعنتک فی استک وانت مول عقد الفرید صـ ۱۲۴

یعنی ابن الزبیر نے عدی بن حاتم سے پوچھا تمہاری آنکھ کس روز پھوٹی تو جواب دیا جس روز تیری سینے نیزہ مارا اور تو دم دبا کر بھاگا جاتا تھا۔

یہ نتیجہ ہے اُسی قومی ذلت کا کہ چونکہ ابن الزبیر قبیلہ قریش میں ذلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اسلئے غیر قبیلہ کے لوگ اس عنوان سے ہمکلام ہوتے جو طریقہ ذلیلوں سے ہمکلام ہونیکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے اخلاق و عادات و اطوار بھی ایسے ہی تھے جو غیر شرفا میں مروج ہیں ہشام بن عروہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ زبیر نے اپنی زوجہ اسما بنت ابوبکر کو مارنا شروع کیا ایسی مار ماری کہ وہ غریب چیخنے چلانے لگی۔ بیٹے کو پکارا عبد اللہ دوڑو۔ زبیر نے جو بیٹے کو آتے دیکھا تو کہا اگر تو آیا تو تیری ماں کو طلاق ہے مگر عبد اللہ نے کچھ خیال نہ کیا اور آکر چھڑا لیا صـ ۶۲ جلد ۲ تاریخ کامل میں۔ وجہ طلاق یہ لکھی ہے کہ عبد اللہ بن زبیر جب جوانی پر پہونچے تو اپنے باپ سے کہا یہ میری شان کیخلاف ہے کہ اوسکی ماں کی وطی کیجائے صـ ۱۲۱ جلد ۴

یہ حالات کسی شریف کی نسبت بھی آپنے سُنے ہیں۔ مار پیٹ گالی گفتہ تو ارذال میں البتہ مروج ہے کہ وہ اپنی جورو کو ہر ہر بات پر جوتے لگاتے ہیں نہ اشراف میں۔

اور یہ غیرت بھی عبد اللہ ہی کے حصہ کی ہے کہ جب خود جوان ہوئے تو اپنی والدہ شریفہ کو ایک ایسی لذت لذیذہ سے محروم کیا کہ اوس بیچاری کا دل جانتا ہوگا اور کیا کہوں؟

اب ترتیب وار کچھ حالات انکی عداوت کے خاندان رسالت کے ساتھ بھی بیان کرنا ہوں جو دوسری وجہ ہے۔

زبیر جو حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کے بیٹے تھے جب کچھ جوان ہوئے اور نجاست وجود اسی خاندان بنی ہاشم میں تھا۔

گر ابوبکر صاحب نے اپنی بیٹی اسما کو دیکر۔ اور بعد حصول خلافت کچھ اراضی وبطور جاگیر عنایت کیں جب حضرت عمر آگئے تھے اور وثیقہ چھپا دیا گیا تھا انکو اپنا بنا لیا۔ زبیر کے بیٹے عبد اللہ جو حضرت ابوبکر کے نواسے تھے جب بڑے ہوئے اور جوانی پر پہونچے تو مادری

اثر ایسا غالب ہوا کہ رفتہ رفتہ وہ سب حق شناسی خاندان بنی ہاشم کی زبیر کے دل سے
جاتی رہی اور محبت دنیا ایسی غالب آ گئی[1] جس کا فیصلہ روز جمل ہوا کہ زبیر قتل ہوئے اور عبداللہ
مالک اشتر کے پنجہ سے چھوٹے۔ جسکی تفصیل وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جنگ جمل میں مالک اشتر
سے ہم سے مقابلہ ہو گیا۔ اونھوں نے ہماری ٹانگ پکڑ کر ہمکو دور پھینکدیا اور کہا اگر قرابت رسول
کا خیال نہ ہوتا تو آج تیرے ایک عضو کا پتہ نہ لگتا۔ اسی جنگ جمل میں ابن الزبیر نے پچاس
آدمیوں سے حلفیہ گواہی دلوائی حضرت عائشہ کے سامنے کہ یہ آب حواب نہیں ہے۔ جس پر تمام مورخین
کا اتفاق ہے کہ یہ پہلی جھوٹی گواہی تھی جو اسلام میں۔
اسکے بعد جو حالت انکی رہی وہ لکھی جا چکی کہ حسنین سے ہمیشہ حسد کرتے رہے نہ صرف حسنین
سے بلکہ محمد ابن حنفیہ سے بھی اونکو اوسیطرح حسد رہتا۔
یہ زمانہ خلافت معویہ تک اسی بغض و حسد میں ختم ہوا اور یزید کے تخت نشین ہوتے ہی انکو
کی فکر پڑی مکہ کو جائے پناہ بنایا تھا کہ وہاں جناب امام حسین بھی تشریف لائے حضرت کا قیام
ان پر سب سے زیادہ شاق تھا کیونکہ جانتے تھے بمقابلہ امام حسین کے کوئی ہماری طرفداری
نہ کریگا اسی وجہ سے یہ مشورہ دیتے کہ آپ کوفہ جائیں۔ ادھر جناب امام حسین کی کربلا میں شہادت
ہوئی ادھر لوگوں کا رخ یزید کیطرف سے پھر گیا انکی خلافت جم چلی یزید نے لشکر بھیجا کہ مدینہ کو
کر کے ابن الزبیر کا قلع قمع کرے۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ خود یزید ملعون واصل بجہنم ہوا اسی لڑائی
میں عمر بن زبیر جوان کا بھائی تھا انکے ہاتھ پڑ گیا جو طرفدار یزید تھا اوسکی اس بیرحمی سے
سزا کی کہ پناہ بخدا۔ قید کر کے ہر روز کوڑے لگاتا اوسی زخمی بدن پر جس سے گوشت پھٹ پھٹ کر
اڑتا تھا اور پیپ بہتی تھی اور مشکیں باندھکر زمین پر گرا دیتا تھا وہ فریاد کرتا تھا مگر ان کو
مطلق رحم نہ آتا بلکہ بیگنے والے کیڑے اسکے زخمی بدن پر ڈالدیجاتے تھے جس سے اور بھی ایذا ہو
یہانتک کہ اسی ایذا سے وہ مرگیا۔ داروغہ قیدخانہ روتا ہوا ابن الزبیر کے پاس آیا جس پر ابن الزبیر نے
کہا عمر مرگیا۔ کہا۔ ہاں۔ اوسوقت ابن الزبیر کے ہاتھ میں دودھ کا پیالہ تھا جسکو اوٹھا کر

[1] اسد الغابہ میں ہے کہ حضرت علی فرماتے تھے زبیر خاندان عبدالمطلب میں محسوب ہوتے تھے یہانتک
کہ اونکے فرزند سو عبداللہ نے نشو و نما پایا اور اوس کو علحدہ کر دیا ۱۲ منہ

دی گیا اور کہا خدا اوسکو اپنی رحمت سے دور کرے اسکے بعد حکم دیا کہ بلا غسل و کفن مقابر مشرکین
میں دفن کرو۔ اغانی ج۴

ابن الزبیر کو مکہ میں اسکی فکر ہی کہ کسیطرح ہماری خلافت جم جائے لہذا ظاہری زہد و عبادت
کو اپنا شیوہ بنایا اور اپنا نام عائذ بالبیت اور مستجیر بالرب رکھا کہ لوگ ہمارے مکر و
فریب میں پھنسیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن عمر کی زوجہ کو آمادہ کیا کہ کسی طرح سمجھا بجھا کر ابن عمر کو
ہماری بیعت کرا دے۔ ایک روز زوجہ ابن عمر نے بہت کچھ تعریف ابن الزبیر کی جس پر ابن عمر نے
کہا تو نے معویہ کی شان و شکوہ کو دیکھا تھا جب مکہ و مدینہ آتا تھا کہ ساتھ ستر خچر پر
اوسکے اسباب لدے رہتے تھے۔ زوجہ۔ ہاں دیکھا ہے۔ ابن عمر۔ یہ ابن الزبیر بھی اوسی کیواسطے یہ سب
کر رہا ہے۔ تاریخ کامل ابن عمر پر تو ان کا قابو نہ چل سکا مگر بنی ہاشم پر خصوصاً حضرت محمد بن حنفیہ
اور حضرت ابن عباس پر انکا تشدد اسدرجہ بڑھا کہ جسقدر بنی ہاشم مکہ میں تھے جنکی تعداد ۱۵
تھی یا ۱۷۔ ان سب کو ابن الزبیر نے سجن عارم میں بھیر قریب زمزم شعب میں قید کیا اور قید خانہ پر
لکڑیاں جمع کیں کہ اگر ایک چنگاری بھی اسپر پڑ جاتی تو ان میں سے کوئی نہ بچتا کہ مختار کا لشکر
لکڑیاں لیکر آیا اور ان سب کو قید خانہ سے نکالا۔ جب اس لشکر کی آمد ابن الزبیر نے دیکھی اور سمجھا کہ
میرا خاتمہ ہوتا ہے پردہ خانہ کعبہ پکڑ لیا اور کہا انا عائذ باللہ کہ میں تو پناہ خدا میں ہوں۔

نوفلی بیان کرتا ہے کہ عروہ بن الزبیر اس قصہ کی معذرت ہمیشہ ان لفظوں سے کرتے تھے
کہ بنی ہاشم کا محاصرہ یا قید شعب میں اور لکڑیاں جمع کرنا بغرض جلانے کے نہ تھا صرف اس غرض سے
تھا کہ انکو ڈرائیں دھمکائیں جیسا کہ سابق میں بھی انکے ساتھ کیا گیا تھا کہ بیعت سے انکار
کیا تو لکڑی جمع کی گئی اونکے جلانے کیلئے (یاد کرو قصہ سقط محسن و احراق بیت فاطمہ) جو روز
بنی ہاشم کے جلانیکا مقرر کیا گیا تھا اوس روز ابن الزبیر نے خطبہ میں کہا کہ سب نے تو میری بیعت
کی صرف یہی غلام باقی ہے محمد بن حنفیہ مجھے صرف آفتاب کے غروب ہونیکا انتظار ہے
اگر اس وقت تک اس نے بیعت نہ کی تو جلا دیا جائیگا۔

ساور بن ثابت راوی ہے کہ ابن الزبیر نے خطبے سے رسول اللہ کا نام اور حضرت پر درود و
سلام بھیجنا چالیس روز تک موقوف کر دیا۔ جس پر لوگوں نے پوچھا کہ تو نے رسول اللہ پر

پر صلوٰۃ و سلام کیوں موقوف کیا تو کہا اس غرض سے کہ بنی ہاشم کا غرور ٹوٹے اور ایک دفعہ ابن زبیر
سے کہا کہ تم ہماری مخالفت پر ملامت کرتے ہو تو ابن عباس نے کہا ہاں ہم نے رسول اللہ
سے سُنا وہ شخص مسلمان نہیں جو خود تو سیر ہو اور اوسکے ہمسایہ کے لوگ بھوکے رہیں۔
اسپر ابن الزبیر نے کہا کہ ہم تو تم اہلبیت کی عداوت چالیس برس سے دل میں چھپائے ہوئے
ہیں جس سے ابن عباس نے قیام مکہ ترک کیا اور بخوف ابن الزبیر طائف چلے گئے اور وہاں
وفات پائی ۱۶۳ مروج الذہب بر حاشیہ کامل جلد ۶

اِن مظالم میں مصعب بھی اپنے بھائی کے شریک تھے چنانچہ ابن الزبیر نے مصعب ہی کو
حکم دیا تھا کہ محمد بن حنفیہ کو اور اونکے ساتھیوں کو مع اونکی عورتوں کے مکہ سے نکالدیں۔
چنانچہ انلوگوں میں ابو الطفیل صحابی اور اونکی زوجہ بھی شامل تھیں اور حضرت ابن عباس
بھی تھے جنکے جلانے کی تدبیر ہو رہی تھی۔

یہاں تک تو عبد اللہ بن زبیر کا حال تھا جنکو یہ شرف حاصل تھا کہ ایک تو صحابی تھے دوسرے
حضرت ابو بکر کے نواسے تھے تیسرے یہ کہ بنا بر بعض روایات انکو وصایت حضرت عثمان بھی
حاصل تھی بخلاف مصعب کے جو ان کل شرافتوں سے محروم ہیں ماں انکی ایک لونڈی تھی
اور صحابی بھی نہ تھے مگر عداوت اہل بیت میں یہ بھی اپنے بڑے بھائی سے کم نہ تھے کیونکہ
بصرہ سے کوفہ میں انکا آنا اسیوجہ سے ہوا کہ مختار سے اسکا انتقام لیں کہ قاتلان امام حسینؑ کو
کیوں قتل کیا چنانچہ ابن زیاد کے مارے جانے کے بعد شبث بن ربعی اور محمد بن اشعث
جو قاتلان حسینؑ سے تھے بصرہ آئے اور مصعب کو اسپر آمادہ کیا کہ کوفہ جاکر مختار کو قتل کریں
جسنے کوفہ کو اکثر قاتلان امام حسینؑ سے پاک کیا ہے جب مصعب لشکر لیکر مختار پر حملہ آور ہوا تو
احمر نے جو منجانب مختار ایک دستہ فوج کا افسر تھا عباد سردار مصعب سے کہا انا ندعو
کم الی کتاب اللہ و سنۃ رسولہ والی بیعۃ المختار والی ان نجعل ھذا الامر شوریٰ
فی ال الرسول فرجع عباد فاخبر مصعب فقال لہ ارجع فاحمل علیھم
ص۱۵۱ جلد ۴ کامل

جس سے معلوم ہوا کہ مصعب کو خاندان رسالت سے ایسی عداوت تھی کہ یہ جملہ سُنتے ہی کہ

خلافت کو شور لے پر اہل بیت رسول کے رکھیں حملہ کرنیکا حکم دیا۔ اس جنگ میں ہمراہیان مختار سے جو لڑائی میں قتل ہوئے وہ تو قتل ہی ہوئے مصعب نے چھ ہزار ایسے لوگوں کو قتل کیا جنھوں نے اطاعت مصعب قبول کر لی تھی اور ہتھیار ڈال چکے تھے ۱۰۹

اسی سے اسکا اندازہ ہو سکتا ہی کہ مصعب کے دل میں کسقدر عداوت اہلبیت اطہار بھری تھی کہ اون سبکو مصعب نے قتل کیا جنمیں کچھ بھی بوئے طرفداری اہل بیت تھی یہ شقاوت بلکہ شقاوت مصعب کی ایسی عظیم تھی کہ ابن عمر سے شخص کو جو ایسے ہی دشمن اہلبیت تھے ناگوار گزرا۔

قیل ان مصعبا لقی ابن عمر فسلم علیہ وقال لہ انا ابن اخیک مصعب فقال لہ ابن عمر انت القاتل سبعۃ الاف من اھل القبلہ فی غداۃ واحدۃ غیر ما بدا لک فقال مصعب انھم کانوا کفرۃ فجرۃ فقال واللہ لو قتلت عدلھم غنما من تراث ابیک کان ذلک سرفا وقال ابن الزبیر لعبد اللہ بن عباس الم یبلغک قتل الکذاب قال من الکذاب قال ابن ابی عبید قال قد بلغنی قتل المختار قال کانک نکرت تسمیۃ کذابا ومتوجع لہ قال ذاک رجل قتل قتلتنا وطلب ثارنا وشفی غلیل صدورنا ولیس جزاوہ منا الشتم والشماتۃ وقال عروۃ بن الزبیر لابن عباس قد قتل الکذاب المختار وھذا راسہ فقال ابن عباس قد بقیت لکم عقبۃ فان صعدتموھا فانتم انتم والا فلا یعنی عبد الملک بن مروان وکانت ھدایا المختار تاتی ابن عمر وابن الحنفیہ فیقبلھا وقیل مارد ابن عمر ھدیتہ ۱۰۰ کامل جلد ۴

ترجمہ۔ مصعب اور ابن عمر سے ملاقات ہوئی تو مصعب نے سلام کیا اور کہا میں آپکا برادر زادہ مصعب ہوں ابن عمر۔ اما تم وہی شخص ہو جسنے ایک روز میں سات ہزار مسلمانوں کو قتل کیا۔ مصعب وہ سب کافر فاجر تھے۔ ابن عمر۔ اگر اپنے باپ کی میراث سے اسقدر بھیڑ بکری بھی قتل کئے ہوتے تو بھی اسراف ہوتا ابن الزبیر نے ابن عباس سے کہا کیا تمنے خبر قتل کذاب نہیں سنی ہی؟ ابن عباس۔ ہم نے مختار ابن ابی عبید کے قتل کی خبر البتہ سنی ہی۔ ابن الزبیر [illegible] کیا تم کو اوسکے کذاب کہنے سے انکار ہی ابن عباس [illegible] تم اوسپر غمزدہ نظر آتے ہو۔ ابن عباس۔ جس شخص نے ہمارے دشمنوں کو قتل کیا اور ہمارا

انتقام لیا کیا یہی مناسب ہے کہ ہم اوسکو برا کہیں اور اوسکے قتل پر شماتت کریں۔ ایکباز فوراً
ابن زبیر نے کہا۔ دیکھو مختار کذاب قتل ہوا یہ اوس کا سر ہی۔ ابن عباس۔ ایک گھاٹی رہ گئی
لوگوں کیلئے ابھی باقی ہی (عبد الملک) اگر اوسکو بھی طے کیا تو پھر تم ہی تم ہو والا فلا۔ مختار
کے تحفے تحائف ابن عمر اور محمد بن حنفیہ کے پاس اکثر آیا کرتے جیسے وہ لوگ قبول کیا
اور بعض کہتے ہیں کہ ابن عمر نہیں قبول کرتے تھے۔ ان حالات سے ہر با فہم سمجھ سکتا ہی کہ جس شخص
کی خاندانی حالت ایسی ہو۔ اور عداوت اوسکی اسدرجہ پر پھر اوس خاندان سے کیونکر میل ملاپ
ہوسکتی ہے اور کیونکر یہ رشتہ قائم ہوسکتا ہی۔ ان حالات میں یہ واقعہ بھی قابل غور ہے
وبعثت عایشہ بنت طلحہ امراۃ مصعب الیہ فی اطلاقہم فوجدہم الرسول
قد قتلوا ص ۱۰۱ جلد کامل
تو کیا کوئی خیال کرسکتا ہی کہ اگر حضرت سکینہ انکے عقد میں ہوتیں تو اونکو مختار یا اون کے رفقا
پر اتنا بھی رحم نہ آتا جتنا کہ عایشہ بنت طلحہ کو آیا اور سفارش کیلئے آدمی بھیجا کر ان لوگوں کے
قتل سے درگزر کرو
دوسرے یہ کہ ابن الزبیر جو مختار کو یہ لقب کذاب مشہور کیا تو آج تک وہ اس فرقہ میں اسی لقب سے
مشہور ہی حالانکہ ابن عباس منکر ہیں بلکہ ابن عمر بھی۔ پس اس سے قیاس کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی
غلط شہرت دی ہوئی باتوں نے کسدرجہ شہرت پائی۔ حالانکہ بے اصل محض ہے کیونکہ
چلکر معلوم ہوگا یہ خاندان ہمیشہ صفت کذابیت میں مشہور رہا ہی۔
یہ عداوت خاندان ابن الزبیر کی خاندان رسالت کے ساتھ ایسی قوی و مستحکم تھی کہ
پشت ہا پشت تک وہ سلسلہ چلا گیا اور کسیطرح وہ جوش کم نہ ہوا چنانچہ زبیر بن بکار زبیر
بن مصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن زبیر بن عوام کے حال میں لکھا ہے۔
کہا احمد بن سلیمان بن ابی شیخ نے کہ زبیر بن بکار علویوں سے بھاگ کر عراق
کیونکہ یہ زبیر علویوں کو برا بھلا کہتا تھا اور گالی دیتا تھا جسپر اونھوں نے دھمکی دی
تھا کہ تجھے قتل کرینگے۔ اسنے آکر اپنے چچا مصعب بن عبد اللہ سے کہا کہ میرا حال
معتصم باللہ خلیفہ تک پہونچا دو۔ جب کہا کہ اوس کا چچا ادھر توجہ نہیں کرتا بلکہ

اور ملامت کرتا ہے۔ تو احمد بن سلیمان سے شکایت کی اور کہا کہ چچا کو راضی کر دو میرے بارے میں

محمد نے اوسکے چچا سے شکایت کی کہ کیوں زبیر بن بکار کے حال پر توجہ نہیں کرتے۔ جواب دیا کہ

زبیر میں جہالت ہے اور شرارت۔ تم اوسکو سمجھاؤ کہ وہ علویوں کو راضی و خوشنود کرے اور

اونکے رنج و کدورت کو زائل کرے۔ کیا تم نے مامون کو نہیں دیکھا کہ کسطرح اون

لوگوں سے بہ نرمی پیش آتا اور اونکی شکایتوں سے درگزر کرتا اور کسقدر مائل تھا اونکی طرف

واللہ یہ امیر المومنین (معتصم باللہ) اس بارے میں مامون کا مساوی ہے یا اس سے بھی زیادہ

کسی طرح میں علویوں کی برائی اسکے سامنے نہیں بیان کر سکتا۔ تم بھی زبیر کو سمجھاؤ کہ علویوں

کی ہجو و مذمت سے باز آئے ص ۱۷۹ جلد ۶ کامل

اس عبارت سے آپکو معلوم ہوگا کہ ان زبیریوں کو کس قدر عداوت تھی خاندان رسالت کے ساتھ کہ باوجودیکہ

پانچ پشت گزر گئی تھی مگر اونکی عداوت کم نہ ہوئی بلکہ اور تیز تھی کہ ہجو اور مذمت کرتا اور گالی

گفتہ دیتا پھر ایسے شخص کے کسی قول یا حکایت پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے حالانکہ یہی

زبیر بن بکار اس قسم کی روایتوں کا بانی ہے جو کہیں تو حضرت ام کلثوم کے عقد کو عمر بن الخطاب

کے ساتھ بیان کرتا ہے اور کہیں حضرت سکینہ کے عقد کو مصعب وغیرہ کے ساتھ حالانکہ بتصریح

علامہ سلیمانی وہ کذاب تھا۔

اب ان سب حالات کے بعد دیکھیے کہ عقد حضرت سکینہ مصعب سے ہو سکتا ہے یا نہیں کیونکہ اغانی

میں ہے یہ عقد اوس زمانہ میں ہوا جب مصعب بصرہ کا گورنر تھا قال تزوج مصعب سکینۃ

وھو یومئذ بالبصرۃ عامل لاخیہ عبد اللہ ص ۱۶۱ اور جب اس عقد کی خبر عبد اللہ بن

زبیر کو ملی ہے تو اسنے مصعب کو معزول کیا۔

حالانکہ تاریخ کامل میں ہے کہ عبد اللہ بن زبیر نے بعد قتل مختار مصعب کو معزول کیا اور اوسکی جگہ

اپنے بیٹے حمزہ کو بحال کیا۔ اب اسمیں اختلاف ہے کہ بعد معزولی مصعب کیا ہوئے بعض کا بیان ہے

کہ سال بھر تک کوفہ میں معزول ہو کر پڑے رہے۔ بعض کا بیان ہے کہ وہ کوفہ سے بصرہ

چلے گئے اور بعض کا بیان ہے کہ وہ اپنے بھائی کے پاس آئے انھوں نے پھر بحال کیا۔

غرض وہ دوبارہ ۶۸ھ میں بحال ہوئے اور ۷۱ھ میں مارے گئے۔ اس عرصہ میں تین واقعات

پیش آئے کسیطرح ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ اتنی مہلت ملی ہو وہ بصرہ سے مدینہ جائیں اور عقیلہ ...

پہلا واقعہ محاربہ خوارج ہے جو ابتداً امارت اول مصعب سے قائم تھا اسمیں مصعب کی ...
تخفی ہوئی اور پھر بحال ہوئے۔

دوسرا واقعہ قتل ابن ماخوذ ہے۔ جسمیں آٹھ مہینہ تک جنگ قائم رہی۔

تیسرا واقعہ حصار رے ہے چوتھا واقعہ قتل عبداللہ بن حر ہے جو ایک مدت تک
اس کا سلسلہ جاری رہا کہ مصعب نے قید کیا پھر وہ چھوٹا اور شام گیا اور وہاں لشکر لیکر
آخر دریا میں ڈوبکر مرا۔

پانچواں واقعہ یوم الجفرہ ہے جسمیں خالد بن عبداللہ مخفی طور آیا ہے مصعب کے قتل
تنشیہ میں اور پھر یہاں ایک صورت جنگ نئے طور سے قائم ہوئی جسمیں ایک زمانہ تک
ہوتی رہی۔

اسی زمانہ میں یوم ماکسین۔ یوم ثار اول۔ خرثار ثانی۔ یوم الفدین۔ یوم ایکبر۔ یوم ال...
یوم الشر عبیہ۔ یوم البلخ۔ یوم الخشاک۔ یوم الکحیل۔ یوم البشر۔ آخر الذکر واقعات سے اگر
مصعب کو چنداں تعلق نہ تھا مگر ایک ایسے شخص کا جسکی سلطنت معرض تزلزل میں آ...
حالات میں مطمئن رہنا کسیطرح قرین قیاس نہیں چہ جائیکہ وہ اپنے مقام کو چھوڑ کر ایک ...
سفر میں اپنا دن کاٹے اور لہو ولعب میں مشغول رہے۔

یہاں تک تو تاریخی دنیا کی آپنے سیر کی اب اغانی کی راگ راگنیاں سننے جسکے بعد آپکو ...
ہوگا کہ کسطرح بے تال وسر بلکہ بے پر کی اُڑاتا ہے جس سے ایک منٹ کیلئے بھی کوئی ...
اس کا نہیں قائل ہو سکتا کہ یہ واقعہ پیش آیا۔ کیونکہ ایک روایت تو اغانی میں یہ ہے کہ عبداللہ
بن حسن کے بعد مصعب سے عقد ہوا دوسری ترتیب یہ ہے کہ پہلے عمر بن حسن تب زید ...
بن عثمان تب مصعب اور طلاق زید بن عمر عثمانی بعہد وحکم سلیمان بن عبدالملک ہوا۔
تو اب فرمائیے مصعب اس زمانہ میں کہاں زندہ تھے جو اس شرف سے مشرف ہونے ...
بتا آئے ہیں کہ مصعب کا قتل ۷۱ھ میں ہوا اور سلیمان کی حکومت ۹۶ھ سے شروع ہوئی
تیسری روایت اسی اغانی کی یہ ہے کہ پہلے عمر بن حکیم تب زید بن عمرو تب مصعب

چوتھی روایت میں ابن قتیبہ کی یہ ترتیب ہے اصبغ زید بن عمر تب مصعب

ان تین روایتوں میں مصعب کا درجہ زید بن عمر کے بعد کا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت قوی ہے بہ نسبت اُس روایت کے جس میں بعد عبداللہ بن حسن عقد مصعب مرقوم ہے۔ اب کوئی صاحب وجود مصعب بعہد سلیمان بن عبد الملک ثابت کرلیں تب اس عقد کے مدعی ہوں۔ اور اگر ان روایتوں کو بمقابلہ اُس ایک روایت کے جھوٹھی ثابت کرینگے تو وہ ایک روایت بھی جو متحد المخرج ہے ان روایتوں کے ساتھ یقیناً باطل ہوجائیگی۔

ان روایات ثلٰثہ کی مویدا المعارف کی دو روایتیں اور ہیں۔ اصبغ زید بن عمر بن عثمان مصعب (۲) عمر بن حکیم۔ عمر بن عثمان مصعب ص۲

تو یہ قول کہ مصعب کا عقد بعد زید عثمانی ہوا مورخانہ حیثیت سے قوی ہوا اور اُس قوت کے ساتھ عقد مصعب کا محال ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ ان تمام کتابوں سے ثابت ہے۔ مصعب اسکے بہت مدت قبل قتل ہوچکے تھے پھر یہ عقد کس سے ہوا۔

افسوس ہے کہ مسٹر شششا اس دعوئی تحقیق و تبحر کے ساتھ اُسی تاریکی میں مبتلا ہیں جسمیں اُنکے ہزاروں علماء کی ہڈیاں گل گئیں اور اُسی کذب و افترا کو آج یہ فروغ دے رہے ہیں جو ایک منٹ کیلئے بھی معیار تحقیق پر نہیں قائم رہ سکتا[1] حالانکہ اب وہ زمانہ نہیں رہا جسمیں بیان کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں ایک درخت ہے جسپر ابوبکر صدیق لکھا ہوا ہے اور لوگ ایمان لاتے۔ بلکہ اب وہ زمانہ ہے کہ بڑے بڑے بھنڈے سب ٹوٹ رہے ہیں صدہا برس کے مردونکی ہڈیاں اُکھیڑی جارہی ہیں اور امر حق واضح کیا جارہا ہے اور سچ واضح ہوجاتا ہے

بخیال طول اب میں اپنی تقریر کو مختصر کرتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ اگر ان روایات میں عمداً کذب و افترا سے نہیں کام لیا گیا ہے جسکے صدہا قرائن موجود ہیں اور کل راوی اسکے مجروح ہیں تو ان راویوں کو اشتباہ ہوا ہے اور غلطی سے ایسا بیان کر گئے ہیں کہ سکینہ مصعب کی

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں ایک جگہ گلاب کا درخت ہے جس کا پھول سیاہ رنگ ہے اور اُسپر سفید حرفوں سے لکھا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر صدیق عمر الفاروق

[2] دیکھو قول مصلح المصلحین ص۱۶ رسالہ ہذا۔ ۱۲

زوجہ تھیں حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ سکینہ نام سے مصعب کی بیٹی کا
اشتراک نام سے ان لوگوں کو دھوکا ہوا جو یہ بیان کیا کہ سکینہ سے مصعب کا عقد ہوا حالانکہ وہ
اصل میں بیٹی تھی چنانچہ اغانی میں ہے۔ اخبرنی حبیب بن نصر قال حدثنا عمر بن شبہ
قال حدثنا اسحق بن ابراھیم الموصلی ان سکینہ بنت مصعب بن الزبیر فقال فیھا

ان عثمان والزبیر احلا … دارھا بالبقاع اذ ولداھا
انھا بنت کل ابیض قرم … نال فی المجد من اقصی ذراھا
سکن الناس بالظواھر منھا … وبنو النفسہ بطحاھا

ص ۱۵۹ جلد ۱۔ اغانی

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مصعب کی ایک بیٹی سکینہ تھی جو خاندان عثمان میں بیاہی گئی یعنی
عمرو بن عثمان سے اسی سکینہ کو کوئی زوجہ عمر بن عثمان کہتا ہے جیسا کہ کتاب المعارف میں
احوال حضرت سکینہ لکھا ہے کانت سکینۃ عند عمرو بن حکیم ثم تزوجھا بعدہ زید بن
عثمان بن عفان الخ ۲۷ اور کوئی اس سکینہ کو زوجہ زید بن عمر بن عثمان کہتا ہے
جس کو مابعد والے علماء اور رواۃ حضرت سکینہ بنت الحسین کیطرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ
اختلافات کی آماجگاہ وہ سکینہ ہیں جو دختر مصعب ہے نہ سکینہ بنت الحسینؑ کیونکہ اس وقت تک
کتابیں علم حدیث تاریخ - رجال - انساب - فاکہات - اداب کی موجود ہیں لیکن کہیں اس سکینہ کا
نہیں چلتا - بجز اس عبارت اغانی کے جس سے معلوم ہوا کہ عرجی سکینہ بنت مصعب کا داماد تھا
تو اب بالیقین معلوم ہوا کہ چونکہ اس سکینہ یا اسکی بھتیجی سکینہ بنت خالد کے کل حالات حضرت
سکینہ کیطرف منسوب ہوگئے - لہذا یہ دونوں سکینہ جو گمنام خاندان سے تھیں ایسی گمنام ہیں
کہ کوئی حال ان کا نہیں ملتا۔ حالانکہ پہلی سکینہ بنت مصعب تو صاحب اولاد بھی تھیں اور
دوسری سکینہ بنت خالد بن مصعب کے یہاں عمر بن ربیعہ شاعر پڑا رہتا جیسا کہ مذکور ہوا
اور اس احتمال کی تائید اوس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو نور الابصار وغیرہ
میں مرقوم ہے کہ حضرت نفیسہ جب داخل مصر ہوئیں تو سکینہ وہاں موجود تھیں۔
جس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ نفیسہ کی ولادت سنہ ۱۴۵ میں ہے اور حضرت سکینہ کی وفات

م قال تزوج العرجی ام عثمان بنت بکیر بن عمر بن عثمان بن عفان وامہا

سنہ ۱۱ یا سنہ ۱۲۶ میں پھر ملاقات کیونکر ممکن ہے کیونکہ یہ غلطی اسی بنیاد پر ہے کہ سکینہ سے مراد سکینہ بنت الحسین ع کو لیا حالانکہ اصل میں وہ سکینہ یا دختر مصعب ہیں یا مصعب کی پوتی۔

تو اب معلوم ہوا کہ انھیں دونوں سکینہ سے کوئی سکینہ مصر میں موجود تھیں جب نفیسہ کا وہاں ورود ہوا۔ مصنف نور الابصار سکینہ سے سکینہ بنت الحسین ع سمجھے اسوجہ سے معترض ہوئے حالانکہ یہ سکینہ نہیں مراد ہیں یہیں سے اُس عقد کا حال بھی معلوم ہوا جو مسٹر شرر نے لکھا ہے کہ بعد مصعب عقد حضرت سکینہ زید بن عمر سے ہوا۔ حالانکہ یہ وہ سکینہ نہیں ہیں بلکہ خود سکینہ بنت مصعب ہیں جنکا خاندان عثمان میں عقد ہوا۔ بعدیت زمانہ کو بعدیت ترتیب پر انھوں نے محمول کیا حالانکہ ظاہر مراد راوی یہ معلوم ہوتی ہی کہ بعد فوت مصعب عقد سکینہ مذکورہ خاندان عثمان میں ہوا نہ یہ کہ پہلے عقد مصعب میں تھیں بعد کو زوجہ عمر ہوئیں۔

اس قاعدہ سے وہ روایتیں بھی درست ہو جاتی ہیں جنمیں دفن حضرت سکینہ کی نسبت اختلاف کیا گیا ہی کہ کوئی انکو شام میں مدفون بتاتا ہے (یہ حضرت سکینہ بنت الحسین ہیں) کوئی مدینہ میں اور کوئی مصر میں جنمیں ایک مصعب کی بیٹی ہیں اور ایک مصعب کی پوتی جنکے مزید حالات ابھی تک معلوم نہ ہو سکے کیونکہ گمناموں کے حالات ہمیشہ گمنامی کی حالت میں رہتی ہیں۔

اس قسم کا اشتباہ انکو کچھ اسی واقعہ میں نہیں ہوا ہی جسکے لکھنے والے ہی آوارہ مزاج رند مشرب نامعتبر لوگ ہیں جنھیں (اغانی والیکو) علامہ ابن حجر عسقلانی اکذب الناس کہتے ہیں۔ بلکہ بڑے بڑے علماء اسمیں گرفتار ہوگئے ہیں جنکی تحقیقات پر دین و ایمان کا مدار دیکھو کتاب اصابہ جسے علامہ ابن حجر عسقلانی نے تمام کتب متقدمین سے منتخب کرکے بارہ جلدوں میں لکھا ہے اور جس سے بڑھکر کوئی کتاب مستند صحابہ کے حال میں آجتک نہیں لکھی گئی۔ اُسمیں ہی برکة بنت النبیؐ ذکرها بعض من جمع رجال العمدة کالحافظ عبد الغنی فاورد فی اول الکتاب شیئا من الترجمة النبویة

ثم قال فولدت له خديجة القاسم ثم برکة ثم زينب ثم رقيه ثم فاطمة ثم
ام کلثوم ثم قال وذکر مثله ابن سعد لکنه لم يذکر برکة ص ۲۸۴ جلد
فرماتے ہیں برکة بنت النبی صلعم فقد مت فی القسم الثانی ثم ظهر لی انه غلط
نشاء من تحريف وذلک ان برکة مولات النبی صلعم کانت تربی اولادها من خد
يجه ولدت القاسم خدمته برکة فکانه کان فی الذی نقل منه هذا المعنى
کذالک فحرفت عليه الکلمة حتی ظنها شقيقته والله اعلم ص ۲۸۵
یعنی برکہ دختر نبی ہے جسکو ذکر کیا ہے بعض جامعین رجال حافظ عبد الغنی نے کہ حضرت خدیجہ
سے پیدا ہوئے قاسم پھر برکہ پھر زینب پھر رقیہ پھر فاطمہ پھر ام کلثوم ایسا ہی ذکر کیا
ابن سعد نے۔ ابن حجر کہتے ہیں میرے نزدیک ذکر برکہ غلط ہے جسمیں تحریف ہوئی ہے کیونکہ برکہ
خادمہ نبی صلعم تھی جو تربیت کرتی اولاد حضرت خدیجہ کی پس جب پیدا ہوئے قاسم
بن نبی صلعم تو یہی برکہ اُنکی خدمت کرتی۔ کیا عجب ہے کہ اسی کلمہ میں تحریف ہوئی جو اسے
گمان کیا کہ برکہ قاسم کی حقیقی بہن ہے۔
لیجئے صاحب یہ تحقیق ہے محققین المحدثین کی جو خادمہ کو خواہر حقیقی سمجھتے ہیں اور اس طرح
سے کہ ترتیب وار ولادت بھی بیان کی۔ یہ تحقیقات خاص رسول اللہ صلعم کی اولاد کے متعلق
اب ذرا اُنکی تحقیقات ملاحظہ ہو جو اہلحدیث کے امام ہیں اور انکی کتاب اصح الکتب بعد
کتاب اللہ مانی جاتی ہے
کہ قرآن بھی اتنا صحیح نہیں یعنی امام بخاری صاحب جو ایک جگہ فرماتے ہیں حتی بلغ بعد
الکوافر فطلق عمر یومئذ امراتین کانتا له فی الشرک فتزوج احدٰهما
ابی سفیان والاخری صفوان بن امیه ص ۱۲ فتح الباری جلد ۹
بعدہ لکھتے ہیں وحکم علی المسلمین ان لا تمسکوا بعصم الکوافر ان
طلق امراتین قریبة بنت ابی امیه وبنت جرول الخزاعی
فتزوج قریبة معویة وتزوج الاخری ابوجهم ص ۱۴ جلد
اور تیسرے مقام پر لکھتے ہیں عن ابن عباس کانت قریبة بنت
ابی امیه عند عمر بن الخطاب فطلقها فتزوجها معویة

بن ابی سفیان صـ۱۹۳ جلد ۴

(۱) بعصم الکوافر کے نزول کے بعد عمر نے طلاق دیا دو عورتوں کو جو اسکے ساتھ تھیں بحالت شرک سے ایک سے معویہ نے عقد کیا دوسرے صفوان بن امیہ نے (۲) عمر نے قریبہ بنت ابی امیہ کو اور بنت جرول کو طلاق دیا ایک سے معویہ نے عقد کیا دوسرے ابوجہم نے (۳) قریبہ بنت ابی امیہ عمر کے پاس تھی اسکو عمر نے طلاق دیا جس سے معویہ نے عقد کیا جب خود صحیح بخاری کی ایک حدیث میں اتنا خلاف ہے تو اہلسنتہ کس روایت پر ایمان لائیں گے یہاں پر خود ابن حجر کو بھی تاب ضبط باقی نہ رہی بخاری پر اعتراض کر بیٹھے چنانچہ قریبہ بنت ابی امیہ کی شرح میں لکھتے ہیں یہ بہن ہیں حضرت ام سلمہ کی اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسوقت تک جو زمانہ مابین حدیبیہ و فتح مکہ ہے قریبہ نے اسلام نہیں قبول کیا تھا۔ دفیہ نظر کیونکہ نسائی سے بسند صحیح ثابت ہے کہ اسکی ہجرت قدیم ہے کیونکہ حضرت کا عقد ام سلمہ سے بعد احد ہے اور اسوقت قریبہ مدینہ میں تھی اور اسلام لا چکی تھی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بغرض زیارت اپنی خواہر ام سلمہ کے مدینہ میں آئی ہو یا اپنے شوہر عمر کے ساتھ رہی ہو مگر اپنے دین پر یعنی کافر رہی ہو تو صرف اسکی حاضری سے وقت عقد حضرت ام سلمہ اس کا اسلام نہیں ثابت ہو سکتا مگر اس احتمال کا رد اس سے ہوتا ہے کہ عبدالرزاق زہری سے راوی ہیں کہ عمر نے جن دونوں عورتوں کو طلاق دیا وہ مکہ میں تھیں تو اب مقیم مدینہ ہونا اس کا غلط ہوا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ام سلمہ کی دو بہنیں تھیں اور دونوں کا نام قریبہ تھا۔ ایک قریبہ دف[illegible] ام سلمہ مسلمان تھی اور دوسری کافرہ تھی جو زوجہ عمر تھیں اس کا موئد یہ ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے قریبہ صغریٰ زوجہ تھی عبدالرحمن بن ابی بکر کی صـ۱۹۳

دیکھا آپنے تحقیقات اہل سنت کو کہ جتنے منہ اتنی باتیں صحت بخاری کیلئے کتنی تاویلیں کی گئیں اور کوئی بات ٹھیک نہ ہوئی۔ قریبہ جب زوجہ عبدالرحمن ہے تو زوجہ عمر کیونکر ہوئی یہاں پر تو ابن حجر نے ایک بات بنا دی کہ ممکن ہے دو قریبہ ہو مگر اصابہ میں تصریح کر دی ہے کہ یہی ایک قریبہ تھی جس کو ابن سعد قریبہ صغریٰ کہتے ہیں، جو زوجہ عبدالرحمن بن ابی بکر تھی صـ۱۵۱ جلد ۸ بہ ذیل قریبہ نامی جتنی عورتیں ہیں انکی فہرست یہ ہے۔ قریبہ بنت ابی امیہ زوجہ عبدالرحمن بن ابی بکر جو

ہوئی۔ قریبہ بنت زید۔ قریبہ بنت ابی سفیان۔ قریبہ بنت ابی قحافہ خواہر ابو بکر صدیق

انکے سوا کوئی قریبہ نہیں جو زوجہ عمر کہلاتی۔

اب فرمائیے کہ ابن حجر کے نام پر روؤں یا بخاری کے نام پر جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور

اصل واقعہ کے سب خلاف ہیں۔ تعجب ہے کہ کہاں تو میاں عمر کی یہ شوکت بیان ہوئی

کہ انکے اسلام لانے سے قریش کی قوت نصف ہوگئی۔ مسلمانوں کی عزت بڑھ گئی اور کہاں یہ کہ

دو دو کافر عورتوں کے پنجے میں ہیں نہ اپنا کوئی داؤ چلتا ہے نہ زور ایسا بہادر باثر جو غیر

مسلمان اپنی جورؤں کو بھی مسلمان نہیں کر سکتا تو غیر کیا کر سکتا ہے؟

تو جب ان کتابوں میں اسطرح کے اشتباہات پیدا ہوئے تو تحقیق حال صحابہ میں جنکی تعریف

انکو افتخار ہے بلکہ دختران رسول بلکہ دختر یا زوجہ حضرت عمر کے بارے میں تو ان روایتوں کا

کیا ذکر جن کا وجود انھیں کتابوں میں ہے جیسے قصہ کہانی کی کتاب کہتے ہیں اور مصنف

مثل بشیر صاحب کے نامقید ہوں کہ حافظ ابن حجر انھیں اکذب الناس کہیں۔ اور خود

تصریح بھی کرتا ہے کہ ہم نے جو کچھ سنا ان سب کو لکھدیا۔ بغیر اس کے کہ اسکی تحقیق کی ہو

یہاں ہم دو چار اور اشتباہات کا مختصراً ذکر کرتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے کہ بڑے بڑے

علما کو کیسے کیسے اشتباہات بلاوجہ ہوئے ہیں جنکی تحقیقات میں آج تک انکے علما سرگرداں ہیں

(۱) ابو حنیفہ کے نام کے بیس آدمی تھے اسوجہ سے انکے حالات و اقوال میں علما

اہل سنت و رواۃ کو اشتباہ ہوا

(۲) ام کلثوم بنت ابو بکر کو لوگوں نے بوجہ روایت بلا سند صحابیہ کہا اشتباہ ہے۔

(۳) ام کلثوم بنت عباس اور بنت فضل بن عباس میں اشتباہ ہوا۔

(۴) عمر ابن ابی سلمہ اور عمر بن خطاب میں اشتباہ ہوا۔

(۵) ابو بکر خلیفہ ابو بکر ابن اشوب میں اشتباہ ہوا۔

(۶) خلیفہ دوم کے تین بیٹے مسمے بہ عبد الرحمن میں اشتباہ ہے کہ ابو شحمہ محمد دہ کون تھا

(۷) ابن خلکان لکھتے ہیں کہ عماد الدین نے ایک قصیدہ ابو بکر محمد بن حداد فقیہ کی

طرف منسوب کیا حالانکہ وہ قصیدہ ابی ظافر بن قاسم مشہور بہ حداد شاعر کا ہے

اشتراک لفظ عداوت اوکو اس شبہ میں ڈالا وفیات الاعیان صـ۳ ۲

(۸) سعد بن معاذ کے بارے میں بلا اشتراک نام اشتباہ ہو جو درج صحیحین ہو گیا۔

(۹) روایت مسروق صحیح بخاری میں اشتباہ ہوا۔

(۱۰) واقعہ مکہ و مدینہ میں ایسا اختلاط ہوا کہ دونوں ملا دیئے گئے۔ یہ بھی بخاری میں ہے کہا کرمانی نے اگر تو کہے کہ قصہ قریش و التماس ابو سفیان مکہ میں ہوا تھا نہ مدینہ میں تو ہم کہیں گے کہ اصل قصہ مکہ کا ہے اور جس کو اسباط نے لا دیا وہ مدینہ کا قصہ ہے ملاحظہ ہو کنز مکتوم صـ ۱۵۵

(۱۱) قصہ حجۃ الوداع میں ۳۸ جگہ علمائے اہلسنت کو اشتباہ ہوا۔

(۱۲) مولوی عالم حنفی ناقل ہیں کہ امام مالک قائل جواز متعہ تھے اور نا سب کی نسبت رشید الدین خانصاحب فرماتے ہیں اصل میں [illegible] ہدایہ سے غلطی ہوئی کہ ایسی غلط نسبت امام مالک کیطرف کر دی اور سب ناقل ہوتے اور سکی پیروی کرتے اور تحقیق ایسی نسبت کی نہ کرتے تھے ملاحظہ ہو از صفحہ ۹۰ لغایت ۱۱۲

یہ تقریریں بھی نہایت دلچسپ ہیں کہ اکثر ناقلان جواز متعہ از امام مالک صاحب ہدایہ پر مقدم ہیں۔

تیرہویں نظیر جو سند حال کی ہے وہ یہ ہے کہ کل تحفہ اثنا عشریہ پڑھنے والے سنیوں کو معلوم ہے کہ اسماء بڑی بیٹی ابوبکر کی زبیر کے نکاح یا متعہ میں تھی اور ام کلثوم بنت ابوبکر جس پر خلیفہ دوم کی یہ سب جرح ہوئی ہے۔ بوقت جنگ صفین طلحہ کی زوجیت میں داخل تھی مگر مولوی احتشام الدین جو نئے مناظر سنیوں کے پیدا ہوئے ہیں اور ماہواری رسالہ مراد آباد سے شائع کرتے ہیں جس کے جواب میں شیعوں کی طرف سے بھی انتصار الشریعہ اور روشنی کا ماہوار رسالہ نکلتا ہے۔ اپنی نصیحۃ الشریعہ کی تیسری جلد میں فرماتے ہیں "چنانچہ حضرت عائشہ کی ایک بہن ام کلثوم زبیر کی بی بی تھیں۔ دوسری بہن اسماء طلحہ کی بی بی تھیں اور عبد اللہ بن زبیر وغیرہ ان دونوں کے کئی فرزند جو حضرت عائشہ کے حقیقی بھانجے تھے

اس گروہ میں موجود تھے صفہ ۲۳ ج ۴

آپ اسی ایک نظر سے سمجھ سکتے ہیں کہ علماء اہلسنت کی تحقیقات کس درجہ کی ہوا کرتی ہیں
کیسے دھوکے کھاتے اونکو پیش پا افتادہ باتوں میں پڑتے ہیں جب اپنے خلفا کی بیٹیوں کی
تحقیقات میں یہ حال ہے کہ اسماء کو زوجہ طلحہ اور ام کلثوم کو زوجہ زبیر بناتے ہیں۔ اور
پھر عبد اللہ بن زبیر کو دونوں کے بطن اور دونوں کے نطفہ سے قرار دیتے ہیں تو
دوسرے واقعات کی تحقیق کا کیا کہنا ہے۔ خصوصاً واقعات اہل بیت اطہار میں
جنکی عداوت اونکے خمیر میں داخل ہے۔ دور کیوں جایئے جناب امام زین العابدین ع
کا حال ملاحظہ فرمایئے کہ اہل کشف و شہود کی تحقیق یہ ہے کہ جناب امام زین العابدین ع
مصر میں مدفون ہیں۔ قطب شعرانی ناقل ہیں کہ وفات امام زین العابدین سنہ ۹۴ میں
ہے جس وقت حضرت کا سن ۵۸ برس کا تھا سر مبارک اون حضرت کا مصر میں دفن
ہے اور علامہ سناوی ناقل ہیں کہ یہ مشہد جو مصر میں قریب قلعہ ہے وہاں سر حضرت زید
شہید بن امام زین العابدین مدفون ہے اور قطب شعرانی منن میں ناقل ہیں کہ اوس مشہد
میں سر حضرت زید بن حسن کا اور امام زین العابدین ع بھی مدفون ہیں اور علامہ صبان
ان اختلافوں کو یوں جمع کرتے ہیں کہ زید بن علی اور زید بن حسن اور جناب امام زین العابدین
تینوں بزرگ کا دفن ہونا یہاں ممکن ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو مشہد قریب
قلعہ ہے وہ مشہور ہے ساتھ مشہد امام زین العابدین علیہ السلام کے اور اسکی طرف
شعرانی بھی گئے ہیں اور یہ امر اس کے منافی نہیں ہے جو حضرت کا دفن ہونا بقیع میں
مشہور ہے کیونکہ برزخ کا حال مثل تماوج کے ہے۔ مشارق الانوار صفہ ۹۱
اسی کے ساتھ یہ بھی سن لیجیے کہ اسعاف الراغبین میں ہے کہ عبد الوہاب شعرانی
سے ناقل ہیں کہ ابراہیم ابن امام زید کا سر بھی اوسی مصر میں قریب خانقاہ خارج
مسجد مدفون ہے انھیں ابراہیم کی بیعت میں امام مالک نے جہاد کیا تھا جس کے سبب
مدتوں مخفی رہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ قول مخالف ہے اقوال نسابین کے کیونکہ
اولاد حضرت زید بن امام زین العابدین میں کوئی ابراہیم نہ تھا نہ ولد زید بن حسن

کی اولاد میں کوئی شخص مسمیٰ بہ ابراہیم تھا۔ ہاں مورخین نے یہ لکھا ہے کہ امام مالک نے جو جہاد کیا یا فتوے جہاد کا دیا تھا وہ بمعیت محمد ملقب بہ مہدی بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ جن سے منصور خلیفہ عباسی سے جنگ ہوئی تھی اون کے بھائی کا نام البتہ ابراہیم تھا صفحہ ۱۶۵

پس ان واقعات سے علمارِ اہلسنت کی تحقیقات کا پورا حال ظاہر ہے کہ اولادِ رسول کے حالات میں اونکو کیسے کیسے اغلاط پیش آئے ہیں۔ اور حق بجانب بھی ہے کہ جس خاندان کے قتل و قمع تذلیل و تحقیر پر فرقہ کا فرقہ آمادہ ہوا دسس کو اون حضرات کے حالات کیونکر معلوم ہوں گے۔ یہ حالات تو اون واقعات کے ہیں جن کی تحریف و تغیر سے اون کو چنداں غرض نہیں بخلاف اوس واقعہ کے کہ جس سے اون کے مذہب کی بنیاد مستحکم ہوتی ہے کہ وہاں تو ہزاروں لاکھوں دروغ دافترا سے بھی اونکو پرہیز نہ ہوگا اور اگر اسپر بھی تسکین نہ ہو تو کتاب مستطاب کنز مکتوم اور دفع الوثوق ملاحظہ ہو جس سے حقیقت حق مثل آفتاب تاباں نمایاں ہو۔

نظر ثانی

مسٹر شرر کے بیان کی جانچ ایک دوسرے طور پر بھی کیجاتی ہے جس سے رہی سہی وقعت اوسکی جاتی رہے ہے کیونکہ ناول نویسی کے شرائط سے جغرافیہ اور تاریخ عالم کی موافقت بھی ضروری ہے۔ مگر افسوس مسٹر شرر کا یہ ناول اس رنگ میں بھی پھیکا ہے جس سے کہا جاتا ہے کہ یہ قصہ کسی اناڑی کا بنایا ہوا ہے لکھتے ہیں۔

"اُسکے بعد آپ کے بھائی جناب علی بن حسینؑ الخ اس وجہ سے غلط ہے کہ انداز کلام سے وقوع عقد مدینہ میں معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ خود اغانی میں اسکے خلاف موجود ہے کہ یہ عقد بصرہ میں ہوا تزوج مصعب سکینۃ وهو نازل بالبصرة عائل لحیته عبد اللہ صفحہ ۱۷۰

پھر لکھتے ہیں اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیر نے الخ جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونو واقعہ قریب العہد ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ عبداللہ بن زبیر کا علم مخالفت باخلافت

بلند کرنا سنہ ۶۰ سے شروع ہے ۔ اور جو زمانہ عقد حضرت سکینہ بیان کیا جاتا ہے وہ زمانہ
ہے اوس زمانہ کے جب انکی خلافت کا جام لبریز ہو چکا تھا اور ہر طرف سے مخالف صدائیں
بلند تھیں جیسا کہ مذکور ہوا ۔

عروہ بن زبیر کا ذکر یہاں بالکل مہمل سا ہے جس سے کوئی لگاؤ نہیں ۔ اور یہ
مضمون کہ " عروہ نے مصعب کو اپنی طرف سے والی بصرہ مقرر کیا " اوس سے بھی
زیادہ لغو ہے ۔ کیونکہ مصعب کو خود عبد اللہ بن زبیر نے پہلے پہل ۶۵ سنہ میں والی بصرہ
مقرر کیا جہاں عبد اللہ بن الزبیر کے دوسرے بھائی عبید اللہ پہلے سے والی و حاکم تھے
اونھوں نے ایک خطبہ میں کہا " تم لوگوں نے دیکھا خدا نے کیا کیا ایک قوم کے ساتھ
دربارہ ناقہ جسکی قیمت پانچ درہم تھی " ۔ اس خطبہ کے بعد سے اون کا نام مقوم الناقہ
قرار پایا یعنی قیمت کرنے والا ناقہ کی ۔ اسی وجہ سے عبید اللہ معزول کیے گئے
اور مصعب اونکی جگہ بحال ہوئے ص۸۱ کامل جلد ۴

پھر سنہ ۶۷ میں مصعب کو عبد اللہ بن زبیر نے بصرہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا ص۱۰۲ ۔ اور
اسی سنہ میں بعد قتل مختار مصعب معزول ہوئے ۔ اور عبد اللہ بن زبیر کا بیٹا حمزہ بحال ہوا
پھر سنہ ۶۸ میں مصعب بصرہ کی حکومت پر بحال ہوئے ص۱۰۹
تو اب عروہ بن الزبیر کا ذکر یہاں کس درجہ لغو ہے ۔ حالانکہ خود اغانی کی عبارت بھی
مذکور ہے جس سے ظاہر ہوا کہ وہ منجانب عبد اللہ عامل بصرہ مقرر ہوئے نہ منجانب
عروہ بن زبیر ۔

پھر یہ غلط ہے " کہ مصعب نکاح کر کے جناب سکینہ کو بھی لیگئے " ۔ کیونکہ اغانی میں ہے
کہ مصعب بصرہ ہی میں تھے کہ یہ عقد ہوا ۔ پھر اون کا آنا اور لیجانا کہاں سے نکلا
پھر یہ غلط ہے کہ " مصعب نے خط عبد اللہ کا کچھ خیال نہ کیا " ۔ کیونکہ اوسی اغانی میں ہے
عبد اللہ نے اسی خبر پر مصعب کو بصرہ سے معزول کیا اور کہا کہ بمقام جبر چلے آؤ اور یہ بھی کہا
ہم کو امید ہے کہ خدا اوس کو وہیں غارت کرے " ۔ ص۱۷۱
پھر یہ بھی غلط ہے " کہ جب عبد الملک کا بھائی زبردست فوج لیکے آ پہونچا اور عبد اللہ

زبیر نے مصعب کو اپنی طرف سے سپہ سالار مقرر کر کے روانگی کا حکم دیا تو مصعب نے نازنین بی بی
کو رخصت کیا۔"

اس کا ہر جملہ ہی نہیں غلط ہے بلکہ ہر حرف غلط ہے۔ عبدالملک کا بھائی نہیں آیا بلکہ سنہ میں خود عبدالملک
کو لازم ہوا کہ مصعب سے چلکر لڑیں کہ خالد بن عبداللہ نے کہا اگر ہمکو حکم ہو تو جا کر اوس کا قصہ طے کریں
چنانچہ اجازت ملی اور وہ بصرہ آیا تو ایک دوسرا واقعہ پیش آیا ص۱۱۹ جلد ۴ کامل
سنہ ۷۱ میں خود عبدالملک نے مصعب کے جنگ کا ارادہ کیا فلما لم یبق له مخالف
جمع المسیر الی مصعب بن الزبیر بالعراق۔ ص۱۲۵
تو یہ فقرہ بھی غلط ہوا "جب عبدالملک بن مروان کی طرف سے اوس کا بھائی زبردست
فوجیں لے کے آپہنچا" اور یہ بھی غلط ہوا "کہ عبداللہ بن زبیر نے مصعب کو اپنی طرف
سے سپہ سالار مقرر کر کے روانگی کا حکم دیا" کیونکہ عبدالملک نے ابھی تک عبداللہ سے لڑنیکا
قصد ہی نہیں کیا ہے جو مکہ میں خلیفہ بنا ہے نہ وہاں فوج بھیجی ہے نہ عبداللہ نے
مصعب کو سپہ سالار مقرر کیا نہ روانگی کا حکم دیا بلکہ مصعب جو منجانب عبداللہ سنہ ۶۹
سے حاکم بصرہ ہے اوسی سے جنگ کرنیکو عبدالملک نے مقدم سمجھا اور خود لڑنے کو
آیا کیونکہ مصعب کی شجاعت بوجہ قتل مختار مشہور ہو رہی تھی اس لئے مقدم اسی کا دفعیہ
سمجھا گیا۔ فقال عبد الملک انه لا یقوم بهذا الا قرشی له رای ولعلی
ابعث من له شجاعة ولا رای له وانی بصیر بالحرب شجاع
بالسیف ان احتجت الیه وان مصعب شجاع من بیت شجاع
ولکنه لا علم له بالحرب ص۱۲۵ کامل
تو اب یہ جملہ بھی غلط ہوا کہ نازآفرین بی بی کو رخصت کیا اور فوج لے کے آگے روانہ ہوئے
یہ اغلاط ان کے صرف اس غرض سے لکھے گئے ہیں کہ معلوم ہو مسٹر شرر ناول نویسی
میں بھی کیسے پھوہڑ ہیں کہ فسانہ گوئی میں جغرافیہ اور تاریخ سی ضروری چیز سے بھی
وہ دور ہو گئے۔ تو اب انکی ناول کی کیا وقعت رہی۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ حدا
سے اور امام حسینؑ سے لڑائی ہوئی جس پر یہ لطیفہ کہا گیا۔ علاوہ کشف و کرامات در ...

ہاں ہاں یہ دریافت کرنا ہے کہ مصعب نے اپنی
نازآفریں بی بی کو کہاں رخصت کیا۔ کیونکہ لڑائی تو ہوئی کوفہ میں جہاں بصرہ سے
تھے اور بصرہ ہی میں عقد ہو کر حضرت سکینہ بقول آپ کے آئی تھیں یا ساتھ لائے
پھر رخصت کرتا کیا۔ یہ سب مضامین سپہ سالاری وغیرہ کے اغانی میں تو نہیں
ہیں۔ خود بدولت نے اپنے شاعرانہ خیالات کے مطابق ایک تاریخ گڑھ دی
اگر وہ ذرہ برابر بھی محنت کرتے تو اپنے دوسرے اخوان قصہ گویوں سے یہاں
بہت کچھ مدد لے سکتے تھے کیونکہ ابن ابی الحدید آپ کے دوسرے اخوان سے
ناقل ہیں کہ جب مصعب بغرض جنگ عبد الملک بصرہ سے کوفہ میں آئے اپنی
کو بصرہ ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ کوفہ سے ایک اشتیاقیہ خط میں چند اشعار
جس کے بعد بصرہ سے بلوا بھیجا چنانچہ جب مصعب مارے گئے تو حضرت سکینہ
موجود تھیں۔ جس سے مسٹر صاحب کا وہ بیان تو یقینی غلط ہوا کہ نازآفریں بی بی
کو رخصت کیا۔ رہا اس مضمون کا غلط ہونا پس اس کے لئے اسلام کی کل تاریخیں
ہیں جنمیں اس واقعہ کے خلاف مذکور ہے۔ تاریخ کامل میں ہے کہ آخری جنگ کے
مصعب نے عروہ بن المغیرہ سے دریافت کیا ہے کہ اخبرنی عن الحسین بن علی
کیف صنع بامتناعہ عن النزول علی حکم ابن زیاد وعزمہ علی الحرب
فاخبرہ فقال ے الا ان الی بالطف من آل ھاشم تاسوا فسنوا الکرام
التاسیا + صـــ ۱۲۷
تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ اگر حضرت سکینہ انکی زوجیت میں ہوتیں یا بوقت قتل مصعب
موجود ہوتیں تو مصعب کو اسکی ضرورت ہوتی کہ امام حسینؑ کے حالات عروہ بن
مغیرہ سے پوچھتے جو نہ شریک معرکۂ کربلا تھا نہ حضرت کے حالات سے پورے
طور پر واقف۔

اور لطف یہ ہے کہ نہ کوئی مورخ اس قصہ کو لکھتا ہے نہ یہی کہ پھر اس کے
بعد کیا ہوا آیا حضرت سکینہ دوبارہ قید ہوئیں یا مکہ گئیں یا مدینہ گئیں۔ کوئی حال

اس کے متعلق نہیں ملتا جس سے بوضاحت تمام معلوم ہوا کہ یہ سب قصے لغو
ہیں اور کوئی اصلیت اسکی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں مصعب کی بیٹی کا
نام سکینہ تھا۔ اوسی کے رخصت یا طلب کو اون لوگوں نے حضرت سکینہ کا قصہ
سمجھا اور مورخوں نے اوس کو معمولی قصہ سمجھکر درج تاریخ نہ کیا اور چونکہ اسیری
وغیرہ نہ ہوئی اس لیے کسی نے لکھا بھی نہیں۔
ممکن ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو جو لکھتے ہیں "عروہ بڑے نبرد آزما اور مشہور مرد میدان
تھے۔ کیونکہ یہاں مصعب ہونا چاہئے جس کے قتل کا حال لکھ رہے ہیں اور پہلی
لکھ چکے ہیں عروہ کو حکمرانی اور فوج کشی کا سلیقہ نہ تھا۔ اور پھر لکھا عروہ بن زبیر
مصعب کی لڑکی کے کفیل ہوئے"۔ مگر اس کے بعد اون کا یہ لکھنا "جس نے
میرے بھتیجے عروہ بن زبیر کو قتل کیا ہے"۔ اسکی دلیل ہے کہ یہ تیسری خطا
خود مدولت سٹر رکی ہے نہ کاتب کی۔
آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ مصعب کی ایک بیٹی حضرت سکینہ سے پیدا ہوئی تھی
دیکھو صفحہ ۳۰ رسالہ ہذا۔
گرہم اس کے قبل بیان کر چکے ہیں کہ خود اوسی اغانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ
لڑکی عبد اللہ حزامی سے پیدا ہوئی اور یہی قصہ موتیوں کے پہنانیکا
اوسی کی طرف بھی منسوب ہے۔ اور پھر نام میں بھی اختلاف ہے کوئی فاطمہ
کہتا ہے کوئی لبابہ کوئی رباب جس سے بے اختیار یہی کہنا پڑتا ہے
چانڈوخانہ کی گپ ہے۔ کیونکہ جب اصل عقد مصعب ہی کا وجود نہیں
تو اس لڑکی کا کہاں سے وجود ہوا۔ اس عقد مصعب کے بعد سٹر رنے بی آمم
سے عبد اللہ بن مروان کے خطبہ کا حال لکھا ہے۔ دیکھو صفحہ ۳۰ رسالہ ہذا
اس میں پہلی غلطی یہ ہے کہ عبد اللہ لکھا حالانکہ بتصریح ابن خلکان
وغیرہ یہ درخواست خود عبد الملک کی طرف سے بتائی گئی
ہے۔

دوسرے یہ لکھا کہ حضرت رباب اوس وقت تک زندہ تھیں حالانکہ سب جانتے ہیں
شہادت امام حسینؑ و دکل ایک سال زندہ رہیں پھر وہ موجود کہاں تھیں جو انکار کرتیں
خلکان میں ہے کہ خود سکینہ نے کہا ابعد ما قتل ابن الزبیر لا والله لا

هذا ابدا
تیسرے یہ غلطی ہے کہ بجائے مصعب بن زبیر عشرہ بن زبیر لکھا۔ حالانکہ خود اغانی
ہے۔ فقالت امها لا والله لا تتزوجه ابدا وقد قتل ابن اخی
مصعبا ص۱۴۹
چوتھے یہ لکھا کہ حضرت رباب نے مصعب کو اپنا بھتیجا کہا۔ حالانکہ کسی قاعدے
ابن اخی نہیں ہو سکتے حضرت رباب قبیلہ کلبیہ سے تھیں جو قریش میں بھی نہیں
ہے اور مصعب زبیر کے بیٹے ہیں جو اولاد عبد العزی سے ہیں کہ قریش کا ایک
ہے۔
اسی آخری جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سکینہ جس سے عبداللہ یا عبدالملک
قصد عقد کیا خود مصعب کی بیٹی تھی۔ اور اسی طرح سے انکار کرنیوالی کوئی اسی خا
مصعب کی عورت ہے جو یہ کہہ رہی ہے کہ بعد قتل میرے بھتیجے مصعب کے
نہیں ہو سکتا کہ مصعب کی بیٹی اوس کے قاتل کے خاندان میں دیجائے۔ یہ لفظ
اخی بجائے خود دلیل قوی اسکی ہے کہ یہ سکینہ بنت مصعب سے متعلق ہے
پانچویں غلطی اسمیں یہ ہے کہ عبداللہ یا عبدالملک کو قاتل مصعب قرار دیا جو
تواریخ کے خلاف ہے۔ کیونکہ تاریخ کامل میں ہے عبداللہ بن زیاد بن ظبیان نے
کو قتل کیا اور دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ زائدہ بن قدامہ ثقفی نے نیزہ مارا
کہا یہ انتقام ہے خون مختار کا اس نیزہ سے مصعب مارے گئے اور ابن
سر اوس کا اوٹھا کر عبدالملک کے پاس لے گیا ص۱۲۷ جلد ۴ کامل
اس قصہ عقد کے بعد مسٹر شرر ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف کا طولانی قصہ لکھ
ہیں صفحہ رسالہ ہذا

جو چند وجہ سے محل تامل ہے۔ کیونکہ اولاً اغانی میں ہے سکینہ کا عقد عمرو بن حکم بن حزام سے ہوا تب زید بن عمرو سے تب مصعب سے تب ابراہیم مذکور نے خطبہ کیا اور وہ واقعہ پیش آیا۔

پس پہلے اس ترتیب سے وقوع عقد ثابت کر لیا جائے تب اس واقعہ پر غور کیا جائے

ثانیاً یہ ترتیب بھی اوسی اغانی میں ہے عبداللہ بن حسن مصعب۔ عبداللہ بن عثمان حزامی۔ زید بن عمر بن عثمان۔ اصبغ بن عبدالعزیز ابراہیم مذکور ص۱۶۱

مسٹر شرر نے تو یہ لکھا ہے کہ عقد نہیں ہوا اور اغانی والی پہلی روایت میں بھی یہی ہے مگر اس دوسری روایت میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ عقد ہوا۔

ثالثاً یہ ترتیب بھی اوسی اغانی میں ہے۔ عبداللہ بن حسن مصعب۔ اصبغ بن عبدالعزیز زید بن عمر بن عثمان۔ ابراہیم مذکور جس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے۔ فخلف علیہا ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف فکرہ ذلک اہلہا وخاصموہ الی ہشام بن اسمعیل فبعث الیہا بخیرہا فجاء ابراہیم بن عبدالرحمن من حیث تسمع کلامہ فقال لہا جعلت فداک قد خیروک فاختاری وانصرفوا۔ وخیرہا فقالت لا اریدہ ولا ماتت فصلی علیہا شیبہ بن النطاح ص۱۷۱

یعنی زید بن عمر کے بعد ابراہیم سے عقد ہوا جس سے سکینہ کے خاندان نے کراہت کی اور یہ مقدمہ ہشام بن اسمعیل کے سامنے پیش ہوا۔ تو یہ فیصلہ دیا گیا کہ حضرت سکینہ کو اختیار ہے جس پر ابراہیم نے پس پردے کہا میں آپ پر فدا ہوں آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔ قبول فرمائیے؟ یہ کہکر ابراہیم چلا گیا جب سکینہ سے پوچھا گیا تو کہا میں نہیں چاہتی اور وفات کیا سکینہ نے جس پر نماز پڑھی شیبہ بن نطاح نے اس روایت میں تو قصہ ہی طے کر دیا گیا کہ نہ زندہ رہیں نہ کچھ اور قصہ ہوا۔ مگر مسٹر شرر صاحب کو اس پر بھی کچھ تنبہ نہ ہوا۔

رابعاً یہ روایت بھی اوسی اغانی میں ہے۔ پہلا نکاح اصبغ سے ہوا۔ تب زید بن عمر بن عثمان۔ تب مصعب۔ تب ابراہیم مذکور

پھر نہ معلوم مسٹر شرر نے ان چار مختلف روایتوں میں اس فسانہ والی روایت کو کیوں مستند
بطور فسانہ لکھ گئے - حالانکہ ان تینوں کا بھی وہی مخرج ہے جو شرر کے اس روایت کا ہے

ان اختلاف بیانیوں سے جہاں اصلی حالت اس واقعہ کی معلوم ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا
اسلاف ان کے کیسے با ایمان و بادیانت تھے - اور شرر صاحب کس طینت کے آدمی ہیں
جنکی نیت بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ جہاں تک ہو سکے خاندان رسالت کی توہین
کریں اور عام مسلمانوں کے دلوں سے اونکی وقعت و عظمت گھٹائیں -

اگر مسٹر شرر کو کچھ بھی تواریخ پر اطلاع ہوتی تو اونکو معلوم ہوتا ابراہیم مذکور قتل مصعب کے
زمانہ میں پیر فرتوت ہو چکے تھے کہ ستر برس اوس وقت انکی عمر تھی - پھر کس عقل سے کوئی
قبول کرسکتا ہے کہ اس بوڑھاپے میں اونکو یہ امنگ آئی ہو -

پھر اسکی بھی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ان کا یہ قصد حماقت میں کیوں داخل کیا گیا - اور یہ
شور و ہنگامہ کیوں ہوا کیونکہ جتنے لوگوں کے نام مذکور ہوئے اون سے یہ کس بات میں کم
تھے ؟

مسٹر شرر کا یہ قصور خود بہت وزنی تھا کہ اس طرح کا لغو قصہ اونھوں نے شایع کیا - اس پر
مضامین بڑھانے سے اور بھی وہ الزام تیز ہو گیا - کیونکہ اغانی میں ہرگز یہ نہیں لکھا ہے کہ ابراہیم
نے اندرونی سازش سے مطلب براری کی کوشش شروع کی اور جناب سکینہ کی خادمہ
بنانہ کو جسے آپ کے مزاج میں بہت درخور تھا گانٹھ لیا"

بلکہ اوسکی خاص عبارت اسیقدر ہے خطبہا ابراھیم بن عبد الله بن عوف فبلغ
الیہ ابلغ من حمقك ان تبعث الی سکینۃ بنت الحسین بن فاطمۃ بنت
رسول الله لتخطبہا فامسك عن ذلك قال ثم نفست یوما بنانۃ
جاریۃ سکینۃ الخ صفحہ ۱۶۹

جس سے اس سازش وغیرہ کا کہیں پتا نہیں چل سکتا - یہ شرر صاحب کی شاعری ہے
جو ایک بے اصل اور غلط قصہ کو اس طرح رنگ رہے ہیں - اور لطف یہ ہے کہ شرر لکھتے
ہیں " آپ کو تو صرف یہ بتانا تھا کہ اس نکاح سے کیسے ہنگامے اوٹھ کھڑے ہو گئے

کسی طرح نظر آگیا ورنہ انکے عقد میں جانا خود آپکو بھی منظور نہیں تھا۔"

خدا کی مار پڑے ایسی عقل پر کہ صرف اتنے امر کے لئے کہ آپ اپنی لونڈی کو بتائیں اس عقد سے کیسے بکھیڑے پیدا ہوں گے۔ آپ نے یہ سب ذلت و رسوائی گوارا کی جسمیں ایک سو سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے سر پھٹ گئے۔ اور جو تمام شہر میں رسوائی ہوئی وہ الگ۔ اب اس سے بھی بڑھکر لطیفہ سنئے کہ اغانی والے نے یہی قصہ دوسرے سانچے میں ڈھالا ہے جسمیں بنانہ والا قصہ نہیں ہے بلکہ "خود جناب سکینہ نے ام اشعب سے پوچھا کہو کوئی تازہ خبر سنی ہے؟ کہا نہیں۔ پس ایک آدمی ابراہیم کے پاس بھیجا اور اوس سے عقد کر لیا یہ خبر بنی ہاشم کو پہونچی تو اونھوں نے اس نکاح سے سخت مخالفت کی اور بنی زہرہ قبیلہ ابراہیم کے گھر چڑھ آئے اور خوب مقابلہ ہوا جسمیں بہتوں کے سر پھٹے۔ اس کے بعد حضرت سکینہ سے پوچھا گیا تو اونھوں نے بھی اس نکاح کو نامنظور کیا۔ اوس وقت ام اشعب نے کہا۔ کہو اب تو تازہ خبر ملی اوس نے کہا ہاں قربان جاؤں ص ۱۶۲

مسٹر شرر۔ ہاں تو بنانہ نے ٹھنڈی سانس بھری تھی کہ گھر میں کسی قسم کی دھوم دھام چہل پہل نہیں دیکھی۔ لہذا سکینہ نے یہ عقد منظور کیا کیونکہ "انکو تو صرف یہ بتانا تھا کہ اس نکاح سے کیسے ہنگامے اوٹھ کھڑے ہوں گے۔" مگر یہاں کیا وجہ قرار دیں گے کہ ام اشعب نے سانس لی ہے نہ چہل پہل دیکھنے کی تمنا کی بلکہ ہی حضرت سکینہ نے پوچھا کوئی نئی خبر ہے۔ جس پر ام اشعب نے کہا نہیں پھر حضرت سکینہ نے دکھادیا کہ یہ نئی خبر ہے" خدا کی مار ایسے بے ایمان جھوٹھو پر اور جو ونپر ایمان لاتے ہیں ان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم زخرف القول۔

تیسرا نکاح عبداللہ بن خزامی کا لکھتے ہیں جس کے مفصل حالات مسٹر شرر کو نہیں معلوم مگر جس قدر اونکو معلوم تھا وہ بھی نہ لکھا جس سے اون کے بیان کی لغویت ظاہر ہوتی۔ کیونکہ خود اغانی کی ایک روایت میں یہ نام ہی ندارد ہے۔ عمر بن حکیم بن حزام۔ زید بن عمر بن عثمان بن مصعب۔ ابراہیم۔ دوسری روایت سے بھی یہ نام ساقط ہے۔ عمر بن حسن زید بن عمر بن عثمان۔ مصعب۔ اصبغ۔ ص ۱۹۶ تیسری روایت اوس میں

اور ہے ابن قتیبی سے اوسمیں بھی یہ نام نہیں ہے دیکھو وہ یہ ترتیب ہی اصبغ بلاولا

مرا - زید بن عمر عثمانی مصعب - ابراہیم بن عبد الرحمن صفحہ ۱۷۰

یہ تین روایتیں تو آپکو میں نے صرف اغانی سے دکھائیں جنمیں عبداللہ خزامی تحلیل سے

کیا ان روایتوں پر آپکی نظر نہ پڑی جو وہی روایت منتخب کی جو آپکے خاندانی رفتار کے

مناسب تھی - اور اگر خدانخواستہ دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرتے تو اعادہ

روایات ثلثہ سے بھی ایک روایت ایسی ملتی جو اس نام سے خالی ہے - جو

سے ناقل ہے عمرو بن حکیم - عمر بن عثمان مصعب صفحہ ۱۷۰

حیرت ہے کہ مسٹر شرر کو مفصل حالات اس عقد کے نہ معلوم ہوئے حالانکہ

ہو ہی اغانی میں ہے - ام سعد بنت عبید اللہ ناقل ہے کہ سکینہ نے اوسکو اپنی

دکھائی جو اس خرامی سے تھی اور اوس کو زیوروں سے بھر دیا تھا - اور وہ

پس سکینہ نے کہا والد میں نے یہ سب زیور اس لئے پہنائے ہیں کہ اس کے حسن

کے آگے وہ فضیحت ہوں یعنی زیور کو فضیحت کرنا منظور ہے بمقابلہ اس کے حسن کے

کہ یہ اون سب زیوروں سے زیادہ حسین ہے صفحہ ۱۶۹

اب بتائیے مسٹر شرر! یہ وہی لڑکی ہے جس کے کفیل عروہ بن زبیر ہوئے اور

بیٹے عثمان سے اوس کا عقد طفلی میں کیا جس سے دس ہزار دینار ملے یا دوسری

اور اس لڑکی کو کیوں آپ نے لکھا - جہاں اتنے ازواج بتائے ہر ایک کا نتیجہ بھی

دیکھئے اغانی والے کے برادر بزرگ ابن قتیبہ تو ایک لڑکا بھی انکا بتاتے ہیں

ثم خلف علیہا عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام فولدت

لہ عثمان الذی یقال لہ قرین صفحہ ۷۰

کہیئے اب تو مفصل حال معلوم ہوا کہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی اس عبداللہ سے

پیدا ہوئی اس سے بڑھکر مفصل کیا چاہیئے -

اب میں نہیں جانتا آیہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کس کے حق میں پڑھی

جائیگی جو اس لڑکی کو دختر مصعب بتاتا ہے اوس کے حق میں یا اوسکے حق میں جو عبداللہ

کی بیٹی بتاتا ہے۔ اور قرین کو پسر زید بن عمر جانتا ہے اوس کے حق میں یا اوس کے حق میں جو عبداللہ خزامی کا فرزند قرار دے رہا ہے۔

معلوم نہیں عبداللہ مذکور کے وفات کا قیاس کس قاعدہ سے لگایا گیا اور طلاق کا مضمون کیوں چھوڑ دیا گیا۔ یہی لکھ گئے ہوتے طلاق ہوا۔

مسٹر شرر! یہ سب اون لوگوں کی شرارتیں ہیں جن کا نطفہ بغض آل محمد سے منعقد ہوا۔

اصل وہی ہے جو ہم پہلے لکھ آئے کہ مصعب کی بیٹی ایک سکینہ تھیں دوسری اونکی پوتی بھی سکینہ تھیں اونھیں دونوں کے متعدد ازواج کو اس اختلاف کے ساتھ حضرت سکینہ بنت الحسین کیطرف منسوب کیا ورنہ اوس مظلومہ کو ان واقعات کے ساتھ کیا علاقہ جن کا کسی طرح زندہ رہنا بعد اسیری شام ثابت نہیں!

چوتھا نکاح اس عبداللہ خزامی کے بعد لکھتے ہیں "چند ہی روز بعد آپ کا عقد زید بن عمر بن عثمان بن عفان کے ساتھ ہو گیا"۔ دیکھو صـ رسالہ ہذا

یہ فرضی عقد بھی اوسی جنجال میں پھنسا نظر آتا ہے جس سے پہلے نکاح سب غلط ٹھہرے کیونکہ معارف میں بجائے زید بن عمر خود اون کے پدر عالی قدر عمر بن عثمان کا نام مرقوم ہے قال کانت سکینة عند عمر بن حکیم بن خر ام ثم تزوجها بعده [illegible] بن عثمان بن عفان صـ۲؎

پس اب ہم مسٹر بان شرر کو اس کا فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اصل کیا ہے باپ بیٹے میں تصفیہ کرلیں تب آگے چلیں۔ اور اون روایتوں کا بھی فیصلہ کریں جنمیں قبل و بعدیت کا اختلاف قدیم الایام سے چلا آتا ہے۔

اس کے بعد وہ اپنے اس قول کا ثبوت دیں کہ زید بن عمر ایسے حسین تھے کہ قریش کی عورتیں اون پر جان دیتی اور اون کے عقد نکاح میں جانے کی آرزومند رہتیں ورنہ ہم تلاوت آیہ ربانی پر مجبور ہوں گے۔

اس ذیل میں اشعب کا طرب انگیز قصہ بھی لکھا ہے جو اس عروسی کا مصدق ہے

کہ اسی مصعب کی بیٹی سکینہ کا عقد حضرت عثمان کے خاندان میں ہوا تھا۔
اسلئے بوجہ اشتراک نام یہ مشہور ہوا یا کیا گیا کہ حضرت سکینہ کا عقد اس خاندان میں عمرو
یا اوس کے بیٹے زید سے ہوا جو بے اصل ہے کیونکہ خود اغانی میں یہ قصہ یوں مذکور
ہوا ہے۔ عن اشعب قال تزوج زید بن عمرو بن عثمان بن عفان
سکینۃ وکان ابخل قریش رایتہ صـ ۱۷۲

جس سے معلوم ہوا کہ زید کا نکاح سکینہ سے ہوا جو ایک بے قید نام ہے۔ نسبت وغیرہ اوس میں کچھ نہیں مذکور ہے اور چونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مصعب کی بیٹی یا پوتی سکینہ کا عقد اس خاندان میں یقینی ہوا تھا تو معلوم ہوا کہ یہ سب واقعات اوسی سکینہ کے ہیں جو غلطی سے بوجہ اشتراک نام حضرت سکینہ کیطرف منسوب ہوئے۔

کیونکہ یہ اشعب حضرت سکینہ کا غلام نہیں ہے بلکہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر کا غلام تھا جیسا کہ ثمرۃ الاوراق میں ہے۔ واشعب الطمع ھو اشعب بن جبیر مولی
عبداللہ بن زبیر وکان املح الناس قال الزبیر بن ابی بکر (بکار) کان
اھل المدینۃ یقولون تغیر کل شئی الا ملح اشعب وکان اشعب
قد نشا فی حجر عائشۃ بنت عثمان مع ابی الزناد قال اشعب فلم
یزل یعاوادالحط حتے بلغنا الغایۃ صـ ۱۵۹

یعنی اشعب بن جبیر جو مشہور طماع ہے وہ غلام تھا عبداللہ بن زبیر کا اور بہت ظریف تھا پرورش اسکی عائشہ بنت عثمان کے دامن دولت میں ہوئی اور یہی مضمون عقد الفرید میں بھی بجنسہ مرقوم ہے صـ ۳۴۷ ج ۲
اور خود اغانی میں ہے عن محمد بن الحکم قال کان اشعب یالف مصعبا
کہ اشعب تھا مصعب کے مخصوصین سے۔
اب ایمان سے آپ ہی کہئے اس کا لگاؤ خاندان زبیر سے زیادہ مناسب ہے یا حضرت سکینہ سے جو اوس زمانہ میں زندہ بھی نہ ہوں۔

اشعب کا لگاؤ خاندان عثمان سے ایسا مشہور ہے کہ زیادہ توضیح کی حاجت نہیں
دیکھیے اوسی اغانی میں ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے "کہ حضرت عثمان کے پروتے
عبداللہ بن عمر بن عثمان عرجی مشہور شاعر تھے اور سکینہ بنت مصعب کے داماد اپنے
ایک غلام کو گالیاں دے رہے تھے کہ اوس غلام نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔
اور ان کا غصہ بھڑکا - اشعب سے کہا گواہ رہنا - اشعب نے کہا کس بات کے
گواہ رہیں تمنے ہزاروں گالیاں دیں اور اوس نے ایک گالی دی - اگر تیری
ماں ام الکتاب ہو، اور اوس غلام کی ماں ام الحلب تب بھی اس سے زیادہ نہ ہو
صفحہ ۱۲۷ ایک عورت تھی جس کا نام کلابہ تھا وہ لونڈی تھی عبداللہ بن قاسم اموی عبلی کی
اوس نے کہا کہ عرجی دوہی پر دتا حضرت عثمان کا اور داماد سکینہ بنت مصعب کا، تمام
عورتوں کو فضیحت کرتا ہے - اگر مجھ سے اوسکی ملاقات ہو تو میں اوس کے منہ میں لگام لگادوں
یہ کلام سُن کے عرجی نے اوس عورت کی ملاقات کا قصد کیا - وہ عورت مکہ سے ۳ میل کے
فاصلہ پر ایک مقام پر اوتری ہوئی تھی جس کو مق کہتے ہیں - عرجی وہاں پہونچے - کلابہ
نے دور ہی سے دیکھکر اینٹ پتھر برسانے شروع کیے اور اپنے قصر تک نہ آنے دیا
اور کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ تو یہاں تک آئے - اسپر عرجی نے کہا اچھا معلوم ہوگا"
جب واپس آئے تو جھٹ ایک غزل دھر گھسیٹی جس میں کلابہ کو خوب فضیحت کیا کہ
عاشقانہ رنگوں میں بیان کیا اس طرح مجھے بلایا اور یہ وعدہ کیا اور یوں میں نے
مزے اوڑائے اور یوں رخصت ہوا۔
یہ غزل مغنیوں کو دیدیا جو مجلس رقص و سرود میں گائیں اور فیشن ایبل راگ اس کا ہوا ہیں
یہاں تک کہ کلابہ کے شوہر یا آشنا عبداللہ نے بھی سُنا - اور سمجھا کہ یہ کل واقعات صحیح
ہیں لہذا اوس کلابہ کو اپنے یہاں سے متہم کر کے نکال دیا - بعد ایک مدت کے مکہ بھیجا
کہ درمیان رکن و مقام اوس نے اپنی برأت کی قسم کھائی تب عبداللہ کو ر
نے پھر اوسکو بلوایا۔
اس قصہ کا یا دوسرے قصہ کا جب ایوب بن مسلمہ کے سامنے تذکرہ ہوا تو ایوب نے کہا

مجھے ہرگز اس کا گمان نہیں کہ اوس عورت نے ایسا وعدہ کیا ہو۔ اشعب وہاں موجود تھے۔ انھوں نے کہا میں تم کو یقینی خبر دیتا ہوں کہ سچ سچ اوس نے وعدہ کیا تھا کہ عرج کے پاس کسی شعب میں آؤں گی۔ مگر کسی وجہ سے مجبور ہوئی ص ۱۵۶

یہ واقعے میں نے صرف اس غرض سے لکھے ہیں کہ آپ سمجھیں یہ اشعب مذکور کو اس خاندان زبیر و عثمان سے کس درجہ کا لگاؤ ہے کہ اسی خاندان کے غلام ہیں اور اسی خاندان کے نمک پروردہ کہ عثمان کے پروتے سکینہ بنت مصعب کے داماد کے مخصوصین میں ہیں۔

تو اب بالیقین معلوم ہوا کہ اصل میں یہ واقعات سکینہ بنت مصعب کے ہیں یا سکینہ بنت خالد بن مصعب کے نہ حضرت سکینہ بنت الحسین علیہ السلام کے۔

اور خود اس نسبت عرجی سے بھی اسکی اور زیادہ تصدیق ہوتی ہے کیونکہ یہ عرج خاندان عثمان کا مقطعہ تھا جہاں اکثر یہ لوگ جا کر رہا کرتے اور مسٹر شرر نے بھی ان حالات زید بن عمر میں اوس کا پتہ دیا ہے۔ تو اب اور بھی وہ احتمال قوی ہوا کہ یہ سب حالات اسی سکینہ بنت مصعب کے ہیں یا سکینہ بنت خالد بن مصعب کے جن کا نکاح خاندان عثمان میں ہوا تھا جس سے لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ حضرت سکینہ کا عقد اس خاندان میں ہوا کہ کوئی عمر بن عثمان کی زوجہ کہتا ہے کوئی اوس کے بیٹے زید بن عمرو بن عثمان کی حالانکہ یہ سب غلط ہے اور اصل وہی سکینہ بنت مصعب ہے یا سکینہ بنت خالد بن مصعب۔

غرض جو قصہ اشعب کا شرر نے لکھا ہے ڈربہ میں انڈا سیوانا۔ بچہ نکلوانا۔ تمام مدینہ میں بنات اشعب کا پھیلنا یا اب تک موجود رہنا۔ جہاں غلط ہے وہاں سب سکینہ بنت مصعب یا سکینہ بنت خالد بن مصعب کے حالات اور حکایات میں داخل ہیں حضرت سکینہ بنت الحسین کو اوس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جس کا غلام ہے اوسی نے ساتھ کیا۔ غلام تو ہے زبیریوں کا۔ تو سکینہ بھی وہی ہیں جو زبیر کی پوتی مصعب کی بیٹی ہیں یا پوتی۔

شعب کا تذکرہ میزان الاعتدال میں بھی تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور چند حکایتیں بھی اسکی لکھی ہیں مگر کوئی قول ضعیف بھی ایسا نہ لکھا کہ وہ حضرت سکینہ کا غلام تھا بلکہ ایک حکایت اس مضمون کی لکھی ہے کہ حضرت عثمان کے پوتے عبد اللہ بن عمرو بن عثمان نے ایک دفعہ اسے بلوا بھیجا تو یہ بیمار کی صورت بنکر وہاں گیا جس سے بسالم غصہ ہو کر اٹھ آئے جو عبد اللہ بن عمر کے ماموں تھے کیونکہ صبح کو انکے ساتھ ہریسہ کھا چکا تھا اور خوب بھلا چنگا تھا۔ اس حکایت سے بھی اس کا لگاؤ خاندان عثمان کے ساتھ معلوم ہوا نہ حضرت سکینہ کا غلام ہونا۔ علامہ ذہبی نے اگرچہ کوئی عبارت اس مضمون کی نہیں لکھی ہے کہ وہ کسی کا غلام ہو بلکہ عام عربوں کے طور پر اوس کو لکھا ہے تاہم ایک روایت اس مضمون کی ہیثم بن عدی سے لکھی ہے کہ اشعب غلام تھا حضرت فاطمہ بنت الحسین کا۔ ایک خواہی اشعب نے ایک شخص کی مرغی کی نسبت کہا جو دو مرتبہ گرم کی گئی تھی کہ اس شخص کی مرغی معلوم ہوتی ہے کہ آل فرعون سے ہے جسپر ہر روز صبح و شام آتش جہنم سے عذاب کیا جاتا ہے۔ اس جملہ پر حضرت فاطمہ کو ایسا غصہ آیا کہ حکم دیا سو کوڑے اسپر لگائے جائیں اور اسکے بعد سو اشرفیاں بھی حضرت فاطمہ نے اسکو دلوائیں۔ یہ روایت بھی اگرچہ غلط ہے کیونکہ راوی اسکا **هیثم بن عدی** ہے جسے خود علامہ ذہبی کے جلکر کذاب بیان کرتے ہیں صفحہ ۵۸۵ جلد ۲ تاہم شرر اور اغانی کے بیان کردہ روایت کے بالکل خلاف ہے جو اشعب کو غلام حضرت سکینہ بتاتے ہیں اور ہیثم بن عدی اوسکو حضرت فاطمہ کا غلام بتاتا ہے۔ اغانی والا مرغی والے واقعہ کو زید بن عمر سے متعلق بتاتے ہیں اور ہیثم اس کو ایک شخص غیر معلوم کا واقعہ بتاتا ہے۔ بہر حال ان دونوں کذاب کے مقابلہ میں وہ روایت زیادہ قابل اعتماد ہے جو سابق میں ثمرۃ الاوراق اور عقد الفرید سے لکھی گئی کہ اشعب غلام تھا ابن الزبیر کا اور بخصوصیں مصعب کے تھا اور والدہ عثمان اسکی متکفل تھیں۔ اور انھیں دونوں خاندانوں سے اس کو سروکار تھا تو یہ سب واقعات بھی انھیں دونوں خاندانوں کے ہیں خصوصاً جب یہ بھی ثابت ہو چکا کہ مصعب کی بیٹی اور پوتی سکینہ تھیں جنکی شادی حضرت عثمان کے خاندان میں ہوئی تھی۔

رہا قصۂ طلاق جو ایک طولانی قصہ شرر نے لکھا ہے اوسکی تکذیب کے لئے یہی کافی ہے جو ابن قتیبہ کتاب المعارف میں لکھتے ہیں۔

فہما بشر تزوجها زید بن عمر بن عثمان بن عفان فامرہ سلیمان بن عبد الملک بطلاقہا ففعل اور ابن خلکان وفیات الاعیان میں لکھتے ہیں ثم تزوجها زید بن عمر بن عثمان بن عفان فامرہ سلیمان بن عبد الملک بطلاقہا ففعل کہ بحکم سلیمان بن عبد الملک زید بن عمر بن عثمان نے طلاق دیا جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتدائے عقد میں سلیمان بن عبد الملک نے حکم طلاق دیا۔

تو آپ قصہ موضوع سراسر خود غلط ہوا جبکہ اس مقدمہ کی نسبت عمر بن عبد العزیز کی طرف اور چونکہ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ سکینہ مصعب کی بیٹی تھیں جو زوجہ زید بن عمر بن عثمان بیان کیجاتی ہیں۔ لہذا زیادہ بحث وفحص کی ضرورت نہیں۔ ورنہ اس قصہ میں بہت سے مضامین خود صاحب نے اپنی شرارت وخبث طینت سے بڑھائے ہیں جو اغانی میں بھی نہیں۔

مثل اسکے کہ یہ فقرہ لکھا۔ "اور یہی آپ چاہتی تھیں کہ زید سے مفارقت ہو جائے اور کسی شریف عرب سے نکاح کر لیں"۔ جو ان کا طبعزاد فقرہ ہے۔ آخر میں شرر لکھتے ہیں "اس کے بعد تاریخی شہادت سے پتہ نہیں چلتا کہ آپ زید کے گھر رہیں یا نہیں" جو کافی شہادت جہالت کی ہے۔ کیونکہ ہم مکرر بتا چکے ہیں تاریخ میں ان امور کا تذکرہ ہی نہیں ہوتا۔ اس قسم کی باتیں کتب ادب وفکاہات میں ہوتے ہیں۔ اور یہ سب واقعہ تو بجز اغانی اور کسی کتاب میں نہیں جو حسب تصریح علامہ ابن حجر عسقلانی اکذب الناس تھا تو جب آپکا ایمان اغانی والے کے بیان پر ہے پھر تاریخی شہادت کی کیا ضرورت ہے اوس کا یہ فقرہ آپکے لیے کافی ہے فردہ زید فاحلفہ ورد سکینہ علیہ ص۱۷۱

جس کا مفہوم یہ ہے کہ سکینہ زید کے حوالہ کی گئیں۔ پھر آپکو تردد کیوں ہو رہا ہے۔

اور اگر ابن قتیبہ وابن خلکان پر آپکا ایمان درست ہے تو اس واقعہ کو سراسر غلط سمجھئے اور اس کے قائل ہو جئے کہ بحکم سلیمان بن عبد الملک طلاق واقع ہوا۔

یہ بھی قدرت حق کا عجب کرشمہ ہے کہ ان واضعین وکاذبین نے ہر چند اتنی حکایتیں وضع بنائیں مگر ان سب میں اسقدر اختلاف ہے کہ معمولی عقل والا آدمی بھی ان سب کو دیکھکر حکم لگا دے کہ یہ سب موضوع ہیں جنکی کوئی اصل نہیں۔ چنانچہ آپنے دیکھا کہ ابھی تک کوئی واقعہ ایسا نہ ملا جو اتفاقی ہو یہانتک کہ خود شرر

طلاق میں دو قول مختلف ہے۔ ایک یہ کہ طلاق دلوایا گیا دوسرا یہ کہ نہیں حسب حکم
بدستور بحال رہا۔ پھر نفس حاکم میں اختلاف ہے کوئی سلیمان بن عبدالملک بتاتا ہے کوئی عمر بن عبدالعزیز
پھر کس بیان کی تصدیق کیجائے اور کس قول کی تکذیب۔

مستر اشر نے آخر میں اپنے قیاس سے کام لیا ہے کہ "یہ مقدمہ سلیمان بن عبدالملک کے سامنے پیش ہوا
اور اس نے زید کو رائے دی کہ طلاق دیدو" مگر اس مضمون کی کوئی روایت اغانی میں ملی
ہے نہ اور کہیں۔ بلکہ معارف و وفیات الاعیان میں بتصریح مذکور ہے کہ سلیمان نے حکم طلاق دیا
اور خود اغانی میں ہے۔ فخلف علیہا العثمانی وشرطت علیہ ان لا یغیرها ولا یمنعها
شیئا تریده وان یقیمها حیث خلتها ام منظور ولا تخالفها فی امر تریده فکانت
تقول له یا عثمانی اخرج بنا الی مکه فاذا اخرج بها فسارت یوما او یومین قالت
ارجع بنا الی المدینة فاذا رجع یومه ذلك قالت اخرج بنا الی مکه فقال له
سلیمان بن عبد الملک اعلم انك قد شرطت لها شرطا ان لم تف بها فطلقها
فطلقها فخلف علیها ابراهیم بن عبد الرحمن بن عوف ص۱ جلد ۱
اس سے معلوم ہوا کہ سلیمان بن عبدالملک کا حکم بابت طلاق اوسیوقت صادر ہوا جب عثمانی
نے بنظر اطاعت و فرمانبرداری قبول کئے۔ اور سکینہ نے اوسکی آزمایش شروع کی کہ کبھی کہ چلنے
کی فرمائش کرتیں جب دو منزلیں طے ہوتیں تو پھر کہتیں کہ مدینہ لیچلو۔ پھر نہ معلوم شرر نے یہ
کہی اونچ کہاں سے نکالی۔

اصلیت ان سب کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ سکینہ بنت مصعب نے بعد قتل مصعب نکاح عبدالملک
کو نامنظور کردیا تھا جس پر اوس کے کسی عزیز رشتہ دار عورت نے کہا ابعد قتل ابن اخی
مصعب واللہ لا یکون ذلك ابدا۔ اس لئے عبدالملک کو اور اوس کے خاندان کو ایک
قسم کی عداوت اس سکینہ سے ہو گئی تھی کہ وہ کسی امیر یا مالدار کی زوجیت میں جانے سے مانع ہوتے تھے
بنیاد پر اصبغ سے خود عبدالملک نے اس سکینہ کو طلاق دلوایا اور سلیمان بن عبدالملک نے زید بن عمر
بن عثمان کو اس طلاق پر مجبور کیا اور بسبب اشتراک نام سکینہ یہ کل واقعات حضرت
سکینہ بنت الحسین کی طرف منسوب ہوئے جو بے اصل محض ہے۔

مسٹر شرر اس نکاح کے آخر میں لکھتے ہیں "زید کا حباب سکینہ کے بطن سے ایک صاحبزادہ
بھی پیدا ہوا جس کا نام عثمان رکھا گیا"
مگر ہم اس کے قبل بیان کر آئے ہیں کہ ابن قتیبہ نے جب اوس صاحبزادہ کو فرزند عبد اللہ عثمان خزامی بتایا
قرین کے نام سے مشہور ہے اگر کوئی اوسکو قرین کہتا ہے کوئی قریر۔ کوئی قریب جو فقطان حروف
کی طباعی کا نتیجہ ہے۔ ان سب عقدوں کے بعد مسٹر شرر عقد اصبغ بن عبد العزیز بن مروان
کو لکھتے ہیں جس کے ساتھ اپنا قیاس بھی لگایا ہے۔ دیکھو ص۱۰۵ رسالہ ہذا
مگر افسوس یہ مصنوعی نکاح بھی اونھیں اختلافات میں مبتلا ہے جو سابق نکاحونکے بارہیں مرقوم
کیونکہ (۱) اوسی اغانی میں ہے ان اول ازواجها الاصبغ ومات ولم يرها ص۱۰۵
(۲) یہ ترتیب ہے عبد الرحمن بن حسن مصعب۔ اصبغ بن عبد العزیز (۳) اصبغ۔ عبد اللہ بن
عثمان خزامی۔ پھر اسمیں بھی اختلاف ہے کہ مفارقت کیونکر ہوئی کوئی کہتا ہے عبد الملک نے لکھ بھیجا
کہ ہم کو بھائی سمجھ کر لوگ بیٹی نہیں دیتے بلکہ صرف بطمع مال لہذا طلاق دیدو ص۱۰۴
دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ جب عبد الملک کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اوس نے بھتیجے کی اس خوش قسمتی پر
حسد کیا اور لکھ بھیجا کہ یا مصر کی حکومت قبول کرو یا عقد سکینہ لہذا اصبغ نے طلاقنامہ بھیجدیا
کہ مسٹر شرر نے لکھا ہے تعجب ہے کہ مسٹر شرر باوصفیکہ جابجا اپنی طباعی و ذہانت سے کام لیتے ہیں
اور یہاں تو اپنا خاص قیاس بھی لکھدیا۔ پھر کیوں اس بے ترتیبی سے کام لیا کہ عبد العزیز
بن عبد الملک اس واقعہ عقد کو لکھا جس کو خود لکھتے ہیں کہ بزمانہ عبد الملک ہوا۔
اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ شرر صاحب تو مترجم ہیں اغانی کے جیسا کہ خود بھی اونھوں نے کئی
مقام پر ظاہر کیا۔ تو محض غلط ہے جیسا کہ ہم نے ہر جگہ پر اس کو بیان کر دیا اور اغانی
والے نے تو کبھی بھی اس قسم کی ترتیب نہیں قرار دی جیسا کہ شرر نے لکھا بلکہ جتنے اقوال
اوس نے سنے سبھوں کو لکھدیا۔ اکثر اس نے اس امر کو مکرر بیان بھی کیا ہے کہ ہم جو کچھ سنتے ہیں
لکھدیتے ہیں۔ چنانچہ عدی بن زید کے قصہ مختلفہ میں لکھتے ہیں۔ انما ذکرت الخلاف
رواۃ الزیادی علی ما فیہ من التخلیط لانی اذا اتیت بالقصة ذکرت ما یروی
فی معناها ص۳۹ جلد ۴

عقد اصبغ بن عبد العزیز

تو اگر کسی صاحب کو اسیکا شوق ہو کہ ہم اغانی ہی کے ذلخوار نہیں تو اتنا احسان تو کریں کہ روایات کی انیخ پیچ کو دیکھ لیں نشیب فراز اوس کا درست کرلیں نہ کہ اندھوں کی طرح جو کچھ لکھا ملا نقل کرتے جائیں۔

بہرحال جس قدر اختلافات دکھائے گئے اوس کا نتیجہ تو یقینی ہے کہ شررکے اس بیان مسلسل پر کسی کو اعتماد نہ رہا۔ اور سمجھ گئے کہ جس طرح اونکے اور ناول بے سروپا ہوتے ہیں جسے خود اونکی طبیعت نے ایجاد کیا ہو اوسیطرح یہ فسانہ بھی ہی جس کا ایک جزء بھی درست نہیں رہا۔

اب میں ان سب اختلافات کے رفعیہ کی فکر کرتا ہوں اور اسطرح اس عقدہ کو حل کرتا ہوں کہ کسی کو جائے دم زدن نہ رہے اور سب اسکو قبول کریں۔

تحقیق واقعات مذکورہ بالا

وہ تحقیق یہ ہی کہ جس قدر قصے سکینہ کے لکھے گئے اگرچہ اونمیں بہت سے قصے بالکل جعلی اور مصنوعی ہیں تاہم جس قدر قصے قبول کیے جائیں وہ سب ایک شخص کے قصے نہیں ہیں بلکہ کم از کم تین آدمی متحد الاسم مختلف المسمی کے واقعات ہیں جو بسبب اشتراک و اتحاد نام شخص واحد کیطرف منسوب ہوئے جیسا کہ ثابت بھی ہوچکا کہ حضرت سکینہ کے علاوہ دو سکینہ اور تھیں۔ ایک مصعب کی بیٹی ہیں جو خاندان حضرت عثمان میں منسوب ہوئیں دوسری مصعب کی پوتی خالد بن مصعب کی بیٹی ہیں۔

حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کا وجود تو صرف دربار شام تک ثابت ہی کہ حضرت زینب و ام کلثوم و دیگر دختران رسول کے ساتھ اسیر ہو کر گئیں۔ اس قدر تو یقینی ہی جس میں کسی کو عذر نہیں اس کے بعد حضرت سکینہ کا کوئی حال صحیح نہیں معلوم ہوتا بجز اس کے کہ انکی وفات قیدخانہ میں مشہور ہے جسکی تائید اون روایتوں سے بھی ہوتی ہے جنھیں آیندہ لکھونگا۔ یہاں تک تو حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کے حالات ہیں۔

رہیں باقی دو سکینہ مصعب کی بیٹی اور پوتی۔ پس بظن غالب سکینہ بنت مصعب کی خواہش بعد قتل مصعب پہلے عبد الملک نے کی تاکہ اس مواصلت سے وہ تکدر و رنج جو خاندان زبیر کو بوجہ قتل مصعب پیدا ہوا ہی جس اسی سکینہ بنت مصعب کی رشتہ دار عورت نے جواب دیا کہ بعد قتل میرے بھتیجے مصعب کے ایسا نہیں ہو سکتا چنانچہ [illegible]

[illegible] مصعب بھی اور محمد بن

مروان (برادر عبدالملک) نے بڑھکر آواز دی کہ میں تمہارا ابن عم محمد بن مروان ہوں۔ امان

امیر المومنین عبدالملک کو قبول کرو۔ تو مصعب نے جواب دیا امیر المومنین تو مکہ میں ہیں (یعنی عبداللہ

بن زبیر) محمد بن مروان نے کہا قوم نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا تم امان قبول کرو مگر مصعب نے

انکار کیا تب اوس کے بیٹے عیسے بن مصعب کو آواز دی اور کہا کہ میں تمہارا اور تمہارے

باپ کا ناصح ہوں اور تم دونوں کو امان دیتا ہوں۔

(۲) جب مصعب قتل ہوئے تو عبدالملک نے حکم دیا دونوں کو بعزت دفن کرو کہ ہماری اور انکی

محبت قدیم ہے لیکن ملک عقیم ہے صہ ۱۲۷ جلد ۴

(۳) جب مصعب کا سر اپنے بھائی عبدالعزیز کے پاس بھیجا جو بصرہ کا گورنر تھا منجانب عبدالملک

تو عبدالعزیز نے کہا خدا رحم کرے جبکہ تو اون سب میں خوش خلق اور شجاع اور سخی تھا۔

(۴) جب مصعب کا سر دمشق میں پہونچا اور لوگوں نے اوسکی تشہیر چاہی تو عبدالملک کی زوجہ

عاتکہ نے جو یزید بن معویہ کی بیٹی تھی اُس سر کو لے لیا اور غسل دیکر دفن کرایا اور کہا کہ یہ نہیں

کافی ہوا کہ اوسے قتل کیا اور اب اُس کے سر کی تشہیر چاہتے ہو۔ صہ ۱۲۹

ان واقعات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ باوجود ان خاندانوں میں کیسا اتحاد و ارتباط تھا

کہ باوصفیکہ بغرض ملک گیری جنگ ہو رہی ہے مگر بخیال اوسی خاندانی لگاؤ کے عبدالملک

امان دے رہا ہے۔ اور بعد قتل دفن کرا رہا ہے۔ اور اوسکی زوجہ سر کے تشہیر کو روکتی ہے

اور غسل دیکر دفن کرتی ہے۔

بخلاف خاندان رسالت کہ معویہ کے زمانہ سے یزید تک جو برتاؤ کیا گیا سب کو معلوم ہے

پھر زبیریوں نے جو قصہ بنی ہاشم کے ساتھ کیا وہ بھی معلوم۔

تو ایسی حالت میں گمان غالب یہی ہے کہ عبدالملک نے چاہا کہ مصعب کی بیٹی سکینہ کو اپنے یا اپنے

خاندان کے کسی ممبر کے عقد میں لاکر اس کلفت کو دور کریں جو قتل مصعب و عبداللہ سے پیدا

ہوئی۔ جیسا کہ بشر بن مروان نے بعد قتل مصعب اوسکی زوجہ عائشہ بنت طلحہ سے

قصد عقد کیا۔ اور زبیریوں نے اس خیال سے کہ ہمارے ایسے معزز ممبر کو اس خاندان نے

قتل کیا ہی بیٹی دینا گوارہ نہ کیا۔ جیسا کہ مذکور ہوا ایک عورت نے کہا بعد قتل میرے بھتیجے مصعب کے ایسا نہیں ہو سکتا۔

اگر آپ کتب انساب دیکھیں گے تو معلوم ہوگا ان دونوں خاندانوں میں یہ رشتہ وصل و پیوند کیسا مستحکم رہا ہے۔ زبیر کی بیٹی مصعب کی حقیقی بہن یزید کے بیٹے خالد کی زوجہ ہے جن کے بارہ میں اوس کے اشعار بھی مشہور ہیں صفحہ معارف۔

اس کے علاوہ بہت سے رشتے ہیں جن کا پتہ بوجہ گمنامی اس خاندان کے کم ملتا ہے۔
اس واقعہ کے بعد اسی سکینہ کا عقد عمر بن عثمان سے ہوا یا ان کے کسی بیٹے کی زوجیت میں آئیں جنکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت سکینہ عمر بن عثمان کی زوجیت میں آئیں یا یہ کہا جاتا ہے کہ زید بن عمر کی زوجہ تھیں جنکے طلاق کا قصہ شعر نے لکھا اور وہی سکینہ زوجہ عبدالصمد بن عثمان خرامی بھی تھی جو بعد طلاق عثمانی اوسکی زوجیت میں آئی یا خرامی کے بعد عثمانی جو اس کا شوہر ہوا۔
مگر ظن غالب یہی ہے کہ خرامی مقدم ہو عثمانی پر کیونکہ مصعب اور یہ ایک خاندان سے ہیں مصعب بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی۔ عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی۔

اور بقول ابن قتیبہ انھیں عبداللہ سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا جس کا نام عثمان مشہور ہے جو قریبا بطن سکینہ سے پیدا ہوا۔

اور جہاں تک دستور عرب عموماً اور قریش خصوصاً دیکھا جاتا ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ باخود باہم وصل و پیوند کو وہ زیادہ پسند کرتے ہیں۔ بہ نسبت اغیار کے۔ المعارف میں در زوج عبداللہ بن زبیر بناتہ من بنی اخیہ اور حال عائشہ بنت طلحہ میں بھی لکھا گیا کہ حضرت عائشہ نے اون کا عقد اپنے بھتیجے سے کیا جس سے یہی گمان قوی ہوتا ہے کہ سکینہ بنت مصعب پہلے خرامی کی زوجہ ہوئیں بعدہٗ عمر بن عثمان کے خاندان میں آئیں جنسے نکاح ہونا اور کا تردد روایت اغانی بخوبی ثابت ہے اور موید اسکی وہ روایت بھی ہے جو المعارف میں ہے کہ سکینہ پہلے عمر بن حکیم کے پاس تھیں بعدہٗ عمر بن عثمان کے نکاح میں آئیں کیونکہ یہ واقعہ انھیں سکینہ بنت مصعب کا ہے یا دوسری سکینہ بنت خالد بن مصعب اکی نسبت ابھی تک نہیں معلوم ہوا کہ کس کے

نکاح ہوا یا نہیں مگر بظن غالب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی سکینہ سے اصبغ بن عبدالعزیز کا عقد ہوا جیسا کہ روایت کلبی میں بھی ہے کہ اول ازواج سکینہ اصبغ ہیں جسپر عبدالملک نے حکم طلاق دیا جسکی وجہ غالباً وہی ہوگی جو سکینہ بنت مصعب کی خواہش نکاح پر عبدالملک کو جواب دیا گیا کہ بعد قتل مصعب ایسا نہیں ہو سکتا یہی حکم طلاق منجانب عبدالملک کبھی یوں بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالملک کو حسد ہوا کبھی کچھ۔ اور غالباً اسی دوسری سکینہ کا عقد زید بن عمرو سے ہوا جس پر اونھیں خیالات سے سلیمان بن عبدالملک نے حکم دیا طلاق دیدو جو ایک نئی وضع سے حضرت سکینہ بنت الحسین کیطرف منسوب ہوا۔

تو اب اچھی طرح واضح ہوا کہ واقعہ کربلا کے بعد جس قدر واقعات منسوب الی السکینہ بیان کیے جاتے ہیں وہ سب انھیں دونوں سکینہ کے ہیں جو ایک مصعب کی بیٹی ہے اور دوسری پوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کل واقعات میں مصعب کا نام ضرور آتا ہے جس سے قائل اول کا تو یہ منشا ہوتا ہے کہ عقد مصعب کی زندگی میں ہوا یا قتل کے بعد اور مابعد کے رواۃ نے یہ سمجھا کہ زوجیت مصعب کے قبل یا بعد ہوا۔

اسی طرح اشعب کا لگاؤ جو اس خاندان سے اور فاطمہ بنت عثمان سے رہا ہے وہ بھی ایسا ہے اسی طرح عمر بن ربیعہ کا جج بنا فیصلہ حسن وجمال کیلئے اسی احتمال کا موید ہے جس کا ہم بتا چکے ہیں۔ اور سب اضافہ یہ ہے کہ اسی عمر بن ربیعہ کی بیٹی امۃ المجید محمد بن مصعب کی زوجہ تھی صفحہ ۶۸ اغانی۔ غرض ان سب دلائل سے بہت واضح طور پر معلوم ہوا کہ یہ کل قصے سکینہ بنت مصعب کے ہیں اور سکینہ بنت خالد ابن مصعب کے جو یا خود ہا گڈمڈ ہو کے حضرت سکینہ بنت الحسین کیطرف منسوب ہوئے اور خود ڈھلات رذالت آمیز بھی بتا رہے ہیں کہ انکا نشو ونما کسی شریف خاندان میں نہیں ہوا بلکہ ایسے ہی خاندان میں جہاں کی عورتیں سر برہنہ لڑکی گھر میدانوں میں پھرتی ہیں۔ زن و شوہر میں جوتی پیزار ہوتی ہے۔ بیٹا باپ سے کہتا ہے میں ایسا نہیں ہوں کہ میری ماں کی وطی کیجائے وغیرہ وغیرہ۔

ان سب کے علاوہ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مزاح۔ خوش طبعی۔ لطافت۔ ناز۔ ادا۔ چہل پہل۔ مذاق۔ گانا۔ بجانا۔ بناؤ۔ سنگھار عالدار ی کے لوازم سے ہے

جہاں دولت ہوتی ہے، حکومت ہوتی ہے۔ وہیں سب باتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ بخلاف غربت و
افلاس کے جس سے ہر شخص دل شکستہ محزون و مغموم رہتا ہے تو ایسے حال میں کیونکر گمان
ہو سکتا ہے کہ حضرت سکینہ کا دل کبھی خوش ہوا ہو جو ان امور کیطرف متوجہ ہوتیں کہ بقول شرر شوہر
بھی تو اس بیرحمی سے مارا گیا۔ بخلاف زبیریوں کے جنکی مالداری اور دولتمندی سب کو معلوم ہے
کہ خود زبیر کا متروکہ پچاس ہزار اشرفی تھا اور خاندان شیخین و بنی امیہ سے برابر وصلت و
پیوند رہا۔ تو وہاں یہ سب ناز و کرشمہ ہونا زیادہ مناسب ہے۔ اسکے ساتھ وہ سب روایتیں
بھی درست ہو جاتی ہیں جو دفن کے متعلق تین قول ہے۔ شام۔ مدینہ۔ مصر کہ شام میں
حضرت سکینہ بنت الحسین مدفون ہیں اور مدینہ و مصر میں سکینہ بنت مصعب و بنت خالد بن مصعب
اسکے بعد شرر نے ایک مضمون اس کا لکھا ہے کہ "حضرت سکینہ نے ایک شاعر سے ایک مصرع سُنا
دوسرا نہ سُن سکیں اسکی دھن میں شتربان کو حکم دیا اونٹ بڑھالے جب بھی نہ معلوم ہوا تو ایک
غلام کو اسکے دریافت کے لئے بھیجا"۔

مگر یہ واقعہ بھی اسی وجہ سے قابل قبول نہیں کہ بعد قید شام آپکا زندہ رہنا ثابت نہیں اور اسکے
قبل آپ کا اتنا سن نہ تھا۔ اسکے علاوہ اصل ترجمہ آغانی میں صرف نام سکینہ لکھا ہے بلا قید
بنتیت وغیرہ تو بجز نقل اغانی کوئی قرینہ بھی اس کا نہیں ہے کہ سکینہ بنت الحسین مراد ہوں۔
کیونکہ ہم دو سکینہ کا اور پتہ دے آئے ہیں۔

اسکے بعد اشعب کا پٹنا اور ابن سریج مغنی کا بدقت تمام آنا اور کچھ گانا لکھا ہے۔
اسکے ساتھ عزہ میلا بھی بلائی گئی اور دونوں نے گایا پھر دونوں کو انعام ملا۔

مگر چند وجہوں سے یہ واقعہ بھی قابل قبول نہیں۔ اولاً ہم بتا آئے ہیں کہ اشعب حضرت
سکینہ کا غلام ہے نہ آپکے سرکار سے اوس کو کوئی تعلق بلکہ وہ غلام ہے آل زبیر کا اور پروردہ
دامان نعمت فاطمہ بنت عثمان اور مخصوصین مصعب سے تو بقرینہ غالب معلوم ہوا یہ حال اور قصص
دونوں سکینہ سے کسی سکینہ کا ہے جو مصعب کی بیٹی ہیں اور پوتی۔

ثانیاً اس قصہ میں تبصریح تمام مذکور ہے کہ حضرت سکینہ نے ابن سریج اور عزہ میلا کا گانا سنا
حالانکہ بالاتفاق گانا سننا شریعت اسلام میں ناجائز اور حرام ہے۔ تو پھر کون مسلمان اس کا مدعی

ہوسکتا ہے کہ حضرت سکینہ نے خلاف حکم خدا اور رسول گانا سُنا ہو اور وہ بھی بار بار
جیسے اشعب بیچارہ اس قدر پٹا۔ اور پھر حضرت سکینہ نے دونوں مغنیوں کو اسقدر انعام دیا
ہاں چونکہ مذہب اہلسنت میں گانا سُننا جائز اور مباح بلکہ افضل طاعات سے ہی اسلیے ممکن ہے کہ
یہ قصہ بھی اونھیں سکینہ کا ہو جو سنیہ تھیں ایک مصعب کی بیٹی دوسری مصعب کی بیوی کہ
دونوں کا نام سکینہ تھا۔ حالانکہ جس قدر صحابہ و تابعین وغیرہ کے نام گانا سننے والوں میں علمائے اہل سنت
نے لکھے ہیں اونمیں حضرت سکینہ کا نام تک نہیں جس سے بداہت معلوم ہوا کہ حضرت سکینہ نے گانا سُنا ہوتا
تو لاا قل اونکا نام بھی اس فہرست میں داخل ہوتا۔ حالانکہ کسی نے یہ نام نہیں لکھا ہے۔
دیکھو جن لوگوں نے گانا سُنا ہو یا اُسکے جواز و حلت کا فتوی دیا ہے اونکی فہرست حسب ذیل
صحابہ۔ عمر بن الخطاب۔ عثمان بن عفان۔ ابو عبیدہ جراح۔ عبدالرحمان بن عوف (جو
عشرہ مبشرہ میں اہلسنت کے ہاں داخل ہیں) ابو مسعود۔ بلال۔ عبداللہ بن ارقم۔ اسامہ بن زید
عبداللہ بن عمر۔ براء بن مالک۔ عبداللہ بن زبیر۔ عمرو عاص۔ عبداللہ بن عمرو۔ معویہ بن ابی سفیان
نعمان بن بشیر۔ انس ابن مالک۔ حسان بن ثابت۔ مغیرہ بن شعبہ۔ ضمرہ۔ قرظ بن کعب
خوات بن جبیر۔ ربیع۔ رباح۔ معترف۔ حضرت عائشہ۔ حضرت حفصہ۔ اسی ذیل میں
حضرت حمزہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کا نام بھی لیا جاتا ہے حالانکہ محض بے اصل ہے
تابعین مجوزین غنا سعید بن مسیب۔ سالم بن عبداللہ بن عمر۔ عبدالرحمان بن حسان خارجہ
بن زید۔ قاضی شریح۔ سعید بن منیر۔ عامر شعبی۔ عبداللہ بن ابی عتیق (خلیفہ اول
کے پردوتے) عطار بن رباح۔ عمر بن عبدالعزیز۔
حضرت سکینہ یقیناً طبقہ تابعیات میں داخل ہیں اگر ان کا غنا سُننا کسی طرح ثابت ہوتا
تو جس طرح حضرت عائشہ کا نام لکھا حضرت سکینہ کا نام بھی ضرور لکھتے اور جواز غنا میں ان کو
سند قرار دیتے تو اب اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ حال ان سکینہ کا نہیں ہے بلکہ اون دو اور
سکینہ میں کسی کا قصہ ہے۔ جنکے چچا اور دادا عبداللہ بن زبیر کا نام بھی غنا کے جائز کہنے
والوں میں لیا گیا۔
ثالثاً۔ جو حالات ابن سریج مغنی کے اغانی میں لکھے ہیں۔ یا حضرت سکینہ کے جس قدر حالات

اوسمیں لکھے ہیں کہیں اس واقعہ کا اوسمیں مذکور نہیں۔
(العاً) غرّہ میلا کی طلبی اور اُس کا گانا سُنانا اس جلسۂ رقص و سرود میں خود کاشف ہے اس امر کے کہ یہ حال انھیں دونوں سکینہ سے کسی سکینہ کا ہے۔ کیونکہ غرّہ میلا بھی مصعب کے لگاؤ کی عورت ہے اسکے جو حالات اغانی میں لکھے ہیں اگر اونکی تفصیل عرض کیجائے تو آپ بہار عشق حسن عشق۔ بلکہ واسوختِ امانت کو بھی بھول جائیں۔

درحقیقت یہ کتاب اغانی ایسی فحش اور بیہودہ کتاب ہے کہ کوئی شریف اوس کا دیکھنا بھی پسند نہ کریگا الا بضرورت اگر یہ کتاب ہندوستان میں چھپتی یا اوس کا کوئی ترجمہ چھاپتا تو ضرور مواخذہ قانون کے شکنجہ میں وہ مبتلا ہوتا۔ مگر مصر کی چھپی ہوئی ہی۔ جسے ایک زمانہ گزر گیا اور شاذ و نادر اوسکے نسخے کسی کو ملتے ہیں اسیوجہ سے مسٹر شرر کو وہ بوعلی سینا بن گئے اور چاہتے ہیں دوسرے اونکو ان مضامین پر اطلاع نہیں ہو۔ حالانکہ یہ خام خیالی اونکی ہے۔
اگرچہ سابق میں میں نے کچھ حالات حضرت عائشہ بنت طلحہ کے اور اونکا عقد مصعب کے اور عمر بن ربیعہ کا عاشق ہونا لکھا ہی۔ مگر اس غرّہ میلا کی بدولت دوبارہ انکے حالات لکھے جاتے ہیں جس سے غزہ میلا کے چال چلن پر بھی روشنی پڑیگی اور حالات مذکورۂ بالا کی تکمیل اس سے ہو جائیگی۔ اور ممکن ہی مسٹر شرر کو تنبہ حاصل ہو کر اب کسی مضمون نگاری میں اغانی کو اپنا ماخذ نہ بنائیں۔ اغانی[لہ] میں غزہ میلا کی کہانی ان اسناد و الفاظ سے شروع کیگئی ہی۔ اخبرنی الحسین بن ابی یحییٰ قال قال حماد قال ابی حدثنا عن صالح بن حسان

[لہ] یہ پوری عبارت بہ اختصار میں نے مسودہ گلزار ابراہیم مصنفہ عمدۃ الاذکیا مولوی سید مرتضیٰ صاحب فلسفی نونہردی سے نقل کی ہے کیونکہ میرے پاس یہ حصہ اغانی کا موجود نہ تھا۔ بہت افسوس ہی کہ یہ کتاب ابھی تک نہ چھپی خداوند عالم اُسکے مصنف کو اور قوم کو اسکی توفیق دے کہ یہ کتاب چھپ جائے کہ نہایت ہی خوبی سے اس کی ترتیب و تالیف ہوئی ہے۔
جزاہ اللہ عن الاسلام خیرا ۱۲ منہ

قال كان بالمدينة امراة حسناء تسمى عزة الميلاء يالفها الاشراف وغيرهم من اهل المروات وكانت من اظرف الناس واعلمهم بامور النساء

یعنی صالح بن حسان کہتا ہے کہ مدینہ میں ایک حسین عورت عزہ میلا نامی تھی جس کے یہاں معزز لوگوں کا اکھاڑہ تھا اور بڑی بزلہ سنج تھی اور عورتوں کے حالات سے خوب واقف تھی۔ اس طولانی دلفریب کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ اسکے پاس مصعب بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور سعید بن العاص آئے اور بیان کرنے لگے کہ ہم لوگوں نے اپنی شادی کے لیے نسبت ٹھہرائی ہے تو بھی ذرا دیکھ بھال لے۔

مصعب بن زبیر سے اسنے پوچھا کہ تو نے کس سے اپنی نسبت ٹھہرائی ہے جواب دیا کہ عائشہ بنت طلحہ سے۔ عزہ عائشہ بنت طلحہ کے پاس گئی اور کہا کہ میں ایک دعوت میں قبیلۂ قریش میں گئی تھی وہاں لوگوں نے تیرے حسن و جمال کا تذکرہ کیا تو مجھے یہ حیرت ہوئی کہ تیرے سراپا کی نسبت کیا بیان کروں لہذا تو برہنہ ہو جا کہ میں تیرے ہر عضو کو اچھی طرح دیکھ لوں عائشہ بنت طلحہ نے کپڑے اتار دیئے اور برہنہ ہوگئیں اور چند قدم آگے پیچھے چلیں اور اعضاء اس حرکت سے تھل تھل کرنے لگے جب وہ (دلالہ عزہ) خوب دیکھ چکی تو حضرت عائشہ سے کہا کہ اچھا اب کپڑے پہن لیجیے مگر حضرت عائشہ نے پھر اس دلالہ (عزہ) سے کہا اچھا میں نے تو تیرا کہنا مان لیا اب تو بھی میری ایک فرمائش پوری کر دے وہ یہ کہ ایک غزل گا دے چنانچہ حسب فرمائش حضرت عائشہ عزہ گائن نے یہ غزل اور گیت گایا

خلیلی عوجا بالمحلة من جمل واترابها بين الاصفر والخبل

راگ بنتا ہے ثقیل اول بالوسطی۔ پھر تو حضرت عائشہ اس گیت سے اس قدر خوش ہوئیں کہ اس دلالہ گائن کی پیشانی کے بوسہ دیئے اور دس کپڑوں کا خلعت عطا فرمایا علاوہ اور بھی بہت سے تحایف چاندی وغیرہ کے اس کو عنایت کیے۔ پھر مصعب کے مجمع میں سراپا حضرت عائشہ کو اس دلالہ نے ان الفاظ میں بیان کیا کہ اما عائشة

والله ان رايت مثلها مقبلة مدبرة محطوطة المتنين عظيمة العجز ممتلية الترائب نقية الثغر وصفيحة الوجه فرعاء الشعر لفاء الفخذين ممتلية الصدر

خمیصة البطن ذات عکن ضخمة السرة مسرولة الساق ترتج ما بین اعلاھا الی قدمیھا۔ جسکے ترجمہ سے مجھے شرم آتی ہے۔ مولوی شرر صاحب نے اپنے خط میں جو ارادہ ظاہر فرمایا ہے کہ وہ عائشہ بنت طلحہ کا حال لکھنا چاہتے ہیں اگر وہ لکھتے تو یقینی اس بیہودہ کتاب اغانی کو کسی حد تک ماخذ قرار دیتے اور پھر انداز ناول میں ان نفرات سراپا کا عاشقانہ رنگ میں وہ نقشہ کھینچتے کہ داسوخت قلق کو بھی مات کردیتے مگر کسی سبب اور کسیکی تحریر کیوجہ سے یہ ناپاک ارادہ انکا قوت سے فعل میں آیا۔ بہرحال بعض الفاظ کا ترجمہ گزارش ہوتا ہے کہ عائشہ بنت طلحہ کے سرین بہت بڑے تھے۔ سینہ گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ دونوں رانیں گول گول پر گوشت تھیں شکم لاغر سر سے پاؤں تک انکا جسم پر گوشت ہونیکی وجہ سے چلنے میں حرکت کرتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ محض انھیں خرافات وبیہودہ گوئیوں پر صاحب اغانی نے کفایت نہیں فرمائی ہے بلکہ یہ بھی روایت کی ہے کہ کانت عائشة بنت طلحه تشبه بعائشه ام المومنین خالتھا۔ پھر ان کے ازواج کا ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر سے پہلے انکا نکاح خود حضرت عائشہ ام المومنین نے کردیا پھر ولید بن عبدالملک سے انکی شادی ہوئی۔ پھر یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے برہم ہوکر حضرت عائشہ کے پاس جارہی تھیں کہ حضرت ابوہریرہ نے انکو آتے دیکھا اور دیکھکر محو جمال ہوگئے اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ یہ عورت کیا ہے حور العین ہے پھر اپنے شوہر کی وفات پر ذرا بھی نوحہ و بکا اور رنج و افسوس نہ کرنا ام المومنین اس سنگدلی کے فعل کو اپنی بھانجی کے منجملہ انکے قبائح اعمال کے شمار فرماتی تھیں۔ تیسری شادی انکی مصعب سے ہوئی وہ افسانہ بیہودہ سخت فحش الفاظ سے مذکور ہے۔ اسکے بعد نہایت ناپاک داستان حضرت عائشہ بنت طلحہ کی انکی امتناع وانکار مباشرت مصعب میں ذکر کیا ہے جس کو ان الفاظ سے روایت کی ہے قال وحدثنی المدائنی عن سحیم بن حفص الخ حاصل اس قصہ بیہودہ کا یہ ہے کہ بعد نکاح مصعب بن زبیر سے حضرت عائشہ مباشرت پر راضی نہ ہوتی تھیں اسکو ان نالائق الفاظ میں لکھا ہے کہ کان مصعب بن الزبیر لا یقدر علیھا الا بتاذج ینالھا منه ویضربھا جب اس کوفت کی شکایت مصعب نے ابن ابی فروہ اپنے منشی سے کی تو اس نے

سے کوشش شروع کی اور بشر بن مروان کی نسبت کو توڑنا چاہا اور ایک لونڈی کی زبانی
پیغام بھیجا کہ بشر ایسا ویسا ہے تم مجھ سے شادی کرو اور جب شادی کرو گی تو میں تمہارے گھر کو
زر و زیور سے بھر دوں گا۔ اسکے بعد یہ جملہ لکھا ہے کہ حرف ایدا اس کا ترجمہ کیا گیا اگر اس
کیا جاوے۔ غرض شادی حضرت عائشہ کی عمر بن عبید سے ہونے کے بعد اظہار مردانگی ہوئی ابھی
اس مردی کا تتمہ باقی رہا ہے جسکی تصحیح کیلئے اصفہانی داستانی بیچین ہے کہ عمر بن عبید
بمقام حیرہ عائشہ سے ہم صحبت ہوا۔ اور ہم گز عرض کی تو نشک اور گدا اسکے لئے بچھایا
گیا۔ فاصبح لیلۃ بنی بہا عن تسع۔ یعنی اس شب زفاف میں نو مرتبہ عمر بن عبید عائشہ
سے ہم صحبت ہوا۔ لاکن اس تعداد کی خبر عائشہ کی لونڈی کو تھی کہ صبح کو عمر بن عبید کو
اپنے اس مردانگی کی داد دی۔ اور کہا کہ اے ابا حفص لونڈی آپکے قربان ہو جاوے قد
قد کملت فی کل شئی حتی فی ھذا آپ تو ہر فن مولی ہیں یہانتک کہ اس فن مجامعت میں بھی
آپ کامل روزگار نکلے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مردی کا بکس جس کا اشتہار پیسہ اخبار میں شایع ہوا
کرتا ہے کہیں عمر بن عبید کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس سے زیادہ شہوت انگیز طرز ادا اور اظہار
غالباً الف لیلہ وغیرہ کے بھی کسی حکایات میں نہیں ہے۔ اصفہانی داستانی بھی بڑے تماشہ کا
آدمی ہے۔ مصعب زبیری سے نقل کرتا ہے کہ شب زفاف کو عمر بن عبید نے عائشہ سے کہا کہ
مجامعت کرتے کرتے تجھکو مار ڈالوں گا لیکن ایک دفعہ سے زیادہ قادر نہ ہوا تو صبح کو
عائشہ نے طعن سے عمر بن عبید سے کہا کہ قم یا قتال اور پھر یہ شعر عائشہ نے پڑھا۔ شعر قد رایناک فلم تحل
لنا۔ وبلوناک فلم نرض الخبر۔ مگر اس قلت عدد مباشرت پر اصفہانی راضی نہیں ہے۔
آپ فرماتے ہیں ھذہ الحکایۃ تحامل من مصعب الزبیری وعصبیۃ یعنی اس خبر میں
مصعب زبیری نے تعصب کیوجہ سے ارتکاب کذب کیا ہے۔ صحیح وہی روایت ہے جو بیان
گزر چکی یعنی وہی ۹ مرتبہ کی مباشرت عبارت یہ ہے والخبر فی اصباحھا عنہ والحکایۃ
فی ھذا غیر ما حکاہ وھو ما سبق۔ ابھی اور جدت طبع اصفہانی قابل ملاحظہ ہے
کہ ایک روایت یوں تحریر فرمائی ہے کہ شب زفاف کو عمر بن عبید جب اس پرخوری سے فارغ ہوا
جسے جوع البقر کہنا بیجا نہ ہوگا اور خلوت خانہ میں داخل ہوا اور پردے چھوڑ دیئے گئے

کی رادی ہے لاس بقیہ
بیں میں خود گن تھا کہ ستّرہ مرتبہ عمر بن عبید عائشہ سے ہم صحبت ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو
عمر بن عبید نے اس لونڈی سے پوچھا کہ تو کچھ کہا چاہتی ہے اس نے جواب دیا کہ ہاں والله میں
برابر اسی گنتی میں نہیں دیکھا کہ نکحت نیلک سبعۃ تو نے سات مردوں کی جماع تنہا کی ہے
بلکہ تیری سات سے ستّرہ تک کی یادگار ہے۔
اور ایک روایت چند مجاہیل سے تحریر فرمایا ہے کہ رملہ بنت عبداللہ (زوجہ عمر بن عبید) نے
عائشہ بنت طلحہ کے بالکل برہنہ مادر زاد دیکھنے کی خواہش کی اور انکی لونڈی سے دو ہزار
درہم پر سازباز کیا۔ چنانچہ لونڈی نے اپنی بی بی عائشہ بنت طلحہ سے اس راز کو بیان
کردیا۔ وہ راضی ہو گئیں کہ میرا اسمیں کیا نقصان ہے مجھے دو ہزار درہم مفت میں ملے
جاتے ہیں۔ چنانچہ عائشہ بنت طلحہ مادر زاد برہنہ ہو گئیں فاشرفت علیھا ضبابۃ وملی
اور آگے اور پیچھے چلکر اپنے تمام اعضاء کو اچھی طرح دکھایا۔ تب رملہ نے اوس لونڈی
کو اپنے معاہدہ کے مطابق دو ہزار درہم عنایت فرمائے۔ اب ذرا دیکھیے رملہ بنت عبداللہ
بن خلف کا ذکر درمیان میں آیا ہے تو اسکے لیے جناب اصفہانی نے کیا جرأت کی ہے
فرماتے ہیں کہ رملہ عمر بن عبیداللہ کے پاس سن یاس کو پہنچ گئی تھی لیکن ایام حیض آتے
تھے تو عمر بن عبیداللہ سے الگ رہتی تھی۔ اور پھر بعد انقضاے ایام حیض غسل
کرتی تھی تاکہ عمر بن عبید کو معلوم ہو کہ ہنوز رملہ حد سن یاس کو نہیں پہونچی اس
وجہ سے بعض شعراء نے یہ شعر اسکی شان میں نظم فرمایا ہے۔

جل الله كل قطرة حيض قطرت منك في حماليق عيني

اسکا ترجمہ یہ ہے کہ اے رملہ تیرے ہر قطرہ حیض کو جو تیرے اندام نہانی سے ٹپکا
ہے خدا نے میری آنکھوں میں ڈالدیا ہے۔ اسی وجہ سے حیض کا کوئی اثر تجھ
پر نمایاں نہیں ہوتا۔ ایسے بیہودہ ناپاک اشعار اور قصص سے جو کتاب مملو ہے اسے مولوی شبلی نعمانی صاحب کتاب
الاغانی فرماتے ہیں ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اور کیا کہا جاوے۔ ہرون بن الزیات سے ایک روایت
نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ بنت طلحہ کے بھانجے جو نوجوان تھے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ عائشہ بنت
طلحہ کو پشت کی جانب بیٹھے ہوئے اسطرح دیکھا فرایت عجیزتھا من خلفھا

وھی جالسۃ کانھا غیرھا کہ انکی سرین اس قدر بڑے تھے کہ مجھے معلوم ہوا کہ سرین کے علاوہ کوئی اور چیز بڑی وزنی رکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی انگلی سے آزمانے کے لئے اسکو دبایا کہ دیکھوں کیا چیز ہے فلما وجدت مس اصبعی قالت ما ھذا قلت جعلت فداک لم ادر ما ھو فغشیت لا انظر۔ جب عائشہ بنت طلحہ کو انگلی کے دبانے کا سرین پر حس ہوا تو چونک اٹھیں اور فرمایا یہ کیا ہے میں نے عرض کیا کہ خالہ جان آپ پر میری جان قربان ہو جاؤ میں نے آپکی سرین کو انکی اسقدر بڑائی کی وجہ سے نہیں پہچانا تھا۔ بلکہ اور کوئی دوسری چیز خیال کیا تھا۔ اسلئے میں نے اسکے سمجھنے کے لئے اور امتحان کے لئے یہ حرکت کی یہ سنکر عائشہ ہنسنے لگیں اور فرمایا کہ تو کو ایسا ہی دھوکا ہوتا ہی جو تجھے عارض ہوا۔ یہاں پر اصفہانی داستانی فرماچوک گیا ہی یہ لکھنا تھا کہ وقت رات کا تھا اسلئے کہ دن کو ایسا اشتباہ بمشکل واقع ہو سکتا ہی۔ یا اگر دن تھا تو اندھیری کوٹھری میں خالہ اور بھانجے اس وقت تشریف فرما تھے۔

اب اور ایک لطیفہ سنئے کہ جناب اصفہانی داستانی کو جہل علوم عقلیہ کی وجہ سے یہ خبر نہ ہوئی کہ دام تناقض میں اسیر ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عائشہ بنت طلحہ اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر حضرت ابوہریرہ کے پاس مرافعہ کرنے گئیں۔ فوقع خمارھا عن وجہھا فقال ابوھریرۃ سبحان اللہ ما احسن ما غذاک اھلک لکانما خرجت من الجنۃ کہ انکا نقاب چہرہ سے گر گیا حضرت ابوہریرہ نے ان کے جمال جہان آرا کو دیکھتے ہی فرمایا کہ سبحان اللہ تیرے بزرگوں نے نہیں معلوم کون سی غذاؤں سے تیری پرورش کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہی کہ تو گویا ابھی جنت سے نکلی ہے۔

جناب اصفہانی یہاں یہ بھول گئے کہ شروع ہی میں بے پردگی جناب عائشہ کو بڑے تزک سے بیان فرما چکے ہیں کہ کانت لا تستر وجہھا من احد کسی سے پردہ نہ کرتی تھیں تو حضرت ابوہریرہ کیوں ایسے نامحرم قرار پائے کہ ان سے پردہ فرمایا اور نقاب اوڑھکر ان کے پاس تشریف لے گئیں اور پھر حضرت ابوہریرہ کے پاس، ایک نامحرم جوان حسین عورت

مرافعہ کرنے آوے - اور باوجود اس تقدس کے کہ روایات صحاح انکی روایت سے
معلوم ہیں اس مذاق پر آمادہ ہو جاویں اور کہنے لگیں کہ نہیں معلوم تو نے کس چکی کا پیسا ہوا
اناج کھایا ہے کہ یہ صورت زیبا اور دم عیسے پایا ہے ۔

ایک طولانی روایت اصفہانی داستانی نے اپنے چچا سے نقل فرمائی ہے مگر چچا بھتیجے افسانہ
طرازی میں بہت زیادہ زبر تھا کہ عایشہ بنت طلحہ نے جب متعدد نکاحوں کے بعد خواہش نکاح سے
دست برداری کی تو کبھی مکہ کبھی مدینہ کبھی طائف میں رہا کرتی تھیں۔

جہاں ایک بڑا عمدہ باغ ان کا تھا جس میں اکثر بنظر سیر و تفریح رہا کرتی تھیں ایک دفعہ انھوں نے
نمیری شاعر کو جاتے ہوئے دیکھا تو اسکو بلوا بھیجا اور اوس سے فرمائش کی اپنی چچا زاد بہن
کے عشق میں تو نے جو اشعار لکھے ہیں انکو پڑھ نمیری نے بہت معذرت کی کہ زینب بیچاری
مرگئی بہت روز ہوا کہ اسکی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو گئیں اب اسکے بارے میں عاشقانہ اشعار پڑھنا
بوسیدہ ہڈیوں پر ظلم کرنا ہے مجھے اس سے معاف فرمائیے۔ مگر بھلا جناب عائشہ کہاں مانتی تھیں وہ تو ایسے
اشعار و غزلیات کی شیدا تھیں اسکو قسم دلا دلا کر اسکی غزلیات سنیں دوسرے جمعہ کو پھر وہ بدبخت کا مارا
نمیری اسی طرف ہو کر گزرا اور پھر گرفتار کیا گیا تو پھر حضرت عائشہ نے اس سے اسی قسم کی غزلیات
کی فرمائش کی جو اس نے عشق زینب میں لکھی تھی۔ اس نے عرض کی کہ اسکو جانے دیجئے آپ اجازت
دیجئے تو میں ان اشعار کو پڑھوں جو حرث نے آپکی شان میں انشا کئے ہیں - یہ سننا تھا کہ غلامان
جناب عائشہ نمیری پر ٹوٹ پڑے اور اس بے ادبی کی سزا اسکو دینا چاہا - جناب عائشہ نے انکو اس
حرکت سے باز رکھا اور فرمایا کہ اسکو چھوڑ دو پھر اجازت دی کہ اچھا حرث کی وہ غزل پڑھ جو کہ
خود میرے بارے میں کہا ہو- اسوقت نمیری نے حرث کے اشعار ذیل پڑھے جو جناب عائشہ کے مادہ
میں تھے۔

طعن الامیر ماحسن الخلق + وعدوا بابلک مطلع الشرق
وتنوء تثقلها عجیزتها + نهض الضعیف ینوء بالوسق
بیضاء من تیم کلفت بها + هذا الجنون ولیس بالعشق

صرف دو شعروں کا حاصل عرض کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ بنت طلحہ کی سرین اپنے وزن

گرانی کیوجہ سے اسکو نہایت مشکل سے اوٹھنے دیتے ہیں اور وہ انکے بار کو نہیں
اُٹھا سکتی جس طرح کہ ایک کمزور آدمی ایک شتر کا بار نہیں اُٹھا سکتا۔ زمان بنی تیم
میں سے وہ سفید رنگ عائشہ میری معشوقہ ہے اور میں اسکے فرط محبت میں عشق سے گزر کر حد جنون
تک پہونچا ہوں۔ ان اشعار پر جناب عائشہ اس قدر خوش ہوئیں اور پھر کہیں کہ نمیری کو
ایک ہزار درہم مع خلعت فاخرہ کے مرحمت فرمایا۔

یہاں پر یہ امر قابل خیال ہے کہ غلام اور لونڈیوں تک ایسے اشعار کو بے ادبی اور عزت کے
ایک شریف اور بلند مرتبہ عورت کیلئے سمجھتے تھے کہ وہ نمیری کی تنبیہ اور زدوکوب پر آمادہ
ہوئے لیکن جناب عائشہ کی حیا ان سے بہت کم تھی کہ وہ ایسے اشعار پر اُلٹے انعام دلا
دیتی ہیں۔ کیونکہ ہو جب طبع ہو تو ایسی ہو۔ ابن عباک اصفہانی نے تمام طولانی کتاب الاغانی
کو سیکڑوں عورتوں کے ذکر سے مملو کیا ہے۔ اور بلا تفریق اسکے کہ وہ عورت اسلام میں
برگزیدہ ہے ہر ایک کو لا اشد الشواذ عاشقانہ اور شہوت خیز ناپاک رنگ میں ایسا رنگا
جسکے مافوق کوئی بیہودہ بے شرم ایسے بے شرم بازاری آدمی اتہام و افترا پردازی
میں جرأت نہیں کر سکتا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان نے حرث ابن خالد کو مکہ کا حاکم مقرر کیا۔ موذن
نے اذان دی تو حاکم صاحب بہادر بھی نماز کیلئے کعبہ میں تشریف لائے اور نماز شروع
ہوا چاہتی تھی کہ اتنے میں عائشہ بنت طلحہ نے کہلا بھیجا کہ ابھی میرے طواف میں کچھ باقی ہے
ذرا نماز میں تامل کرو دکان یتعشقہا فامر المؤذن فکف عن الاقامۃ۔ چونکہ حاکم صاحب بہادر
جناب عائشہ کے عاشق زار تھے انکی تعمیل فرمائش پر مجبور ہوئے۔ اور فوری حکم دیا کہ اذان ہو چکی ہے
تو پرواہ نہیں ہے مگر اقامت موقوف کر دیجائے جب تک کہ عائشہ طواف سے فارغ ہو جاویں۔ چنانچہ
انکے انفراغ طواف تک اقامت و نماز بند رہی۔ جب یہ خبر عبد الملک کو پہونچی تو اس نے اس بیجا
حرکت پر حرث کو معزول کر دیا۔ حرث نے کہا واللہ مجھے عبد الملک کے غصہ اور اپنی معزولی کا ذرا بھی افسوس نہیں بمقابلہ
عایشہ کی رضامندی کے نہیں ہے۔ کیونکہ ہوے نوکری خاک شد و عشق تابانم باقیست۔ ذرا حرم کعبہ کو دیکھئے
اور وہاں عشق بازی کا زور و شور امور دینی میں ملاحظہ فرمائیے۔ نعوذ باللہ بلا تشبیہ حرم کعبہ ہوا اگر

جرح ہوا۔

جناب اصفہانی کو اس شعر مذکور حرث پر قناعت ہوئی بلکہ اسکے لئے ایک وجہ ترانشنے کی ضرورت شدید تھی تو آپ فرماتے ہیں کہ مسلم بن قتیبہ نے عائشہ بنت طلحہ کو اسطرح سے دیکھا کر دو عورتیں انکو اپنے ہاتھ کے بل پر اٹھاتی تھیں مگر انکی سرین اس قدر گراں بار تھی کہ باوجود دو عورتوں کے اٹھانیکے بھی اٹھ نہ سکتے تھے۔ اور ان دونوں سے فرماتی تھیں کہ تم دونوں کی قوت کافی نہیں ہو۔ مجھے تمہارے اٹھا لینے میں سخت تکلیف ہوتی ہو اوس وقت مسلم بن قتیبہ کہتا ہو کہ مجھے وہ شعر حرث والا یاد آیا یعنی وتنوء تبتقلہا عجیزتہا + نہض الضعیف تنوء الوسق اس کا ترجمہ گزارش ہو چکا ہے تکرار بے فائدہ ہے۔

مولوی شرر صاحب انھیں حضرت عائشہ بنت طلحہ کا ماول اسی اغانی سے لکھا چاہتے تھے جس کا اظہار انھوں نے اپنے خط میں فرمایا ہو۔ مگر ابتدائی دار و گیر کی وجہ سے مولوی شرر صاحب کا وہ حوصلہ پورا نہ ہوا۔

اب تو مولوی شرر صاحب کی تکلیف ذات الصدر تک پہونچی ہوگی اسلئے کہ انکی اکاذیب اور جہالات کا پردہ فاش ہو گیا۔ اور تمام ناظرین پر ظاہر ہو گیا کہ اغانی کس رنگ کی کتاب ہے جسکو انھوں نے اپنا ماخذ اور مستند قرار دیا ہے۔ اور جسکی ستائش میں رطب اللسان ہو کر افاضل اعلام کو گالیاں دیتے ہیں۔ اب بجائے اسکے کہ انکو ہم قوموں کی کم بینی پر افسوس ہو اپنی نافہمی اور جہالت پر سخت افسوس کرنا چاہئے۔ اگر مادہ حیا کچھ باقی ہو۔ یہ جواب بسبیل تنزل ہے ورنہ السادات کرام و مشائخ فخام تو مولوی شرر صاحب کے ہم قوم نہیں ہو سکتے۔ باقی جو انکے ہم قوم ہیں وہ واقعی بڑے بڑے کندۂ ناتراشیدہ اور بڑے بڑے جغادری جہالت کے ہیں انپر افسوس ضروری ہے گرچہ کچھ بیجا افسوس نہیں ہے البتہ ہم اس امر سے ضرور خوش ہیں کہ مولوی شرر صاحب ماشاء اللہ اپنے ہم قوموں میں اس قابل نکلے کہ انکی حالت پر افسوس فرمانے لگے۔ تمام ہوئی عبارت گلزار ابرار ہمتہم باختصار۔

قصہ حاضرہ شعرا

اس قصہ کو شرر نے اگرچہ کچھ بسط کے ساتھ لکھا ہے مگر افسوس پوری تفصیل اسکی نہ کی جسکی وجہ غالباً یہی ہوگی کہ اردو زبان میں وہ سب لطائف اس قصہ کے نہیں آسکتے۔ اسلئے میں بھی تفصیل

قاصر ہوں۔ مگر چند ضروری باتیں اسکے متعلق لکھنی ضروری ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اسمیں بھی رواۃ قصہ کو پورے طور پر اشتباہ ہوا اولا یہ قصہ حاضری رواۃ شعرا و اغانی میں بھی مذکور ہے جسکے آخر میں لکھتے ہیں ومثلہ فی الاغانی لکن وقع فی الاغانی خبط فی نسبۃ الابیات الی الشعراء صفحہ ۱۵۹

یعنی یہ حکایت اغانی میں بھی ہے مگر صاحب اغانی نے بہت خبط کیا ہے نسبت اشعار کی طرف شعرا کے جس سے معلوم ہوا کہ اغانی کے خبطی ہونے پر مدتوں سے رونا ہو رہا ہے۔ اور کذا ابن ادسکی تو مکرر مذکور ہوئی۔

ثانیاً ان نکتہ چینیوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ احوص کے راوی سے حضرت سکینہ کی لونڈی نے کہا تیرا استاد کہتا ہے یقر بعینی مایقر بعینہا۔ واحسن شیٔ مابہ العین قرت فلیس شیٔ اقر لعینہا من النکاح افیحب صاحبک ان ینکحہا قبح اللہ صاحبک و قبح شعرہ صفحہ ۱۷۱ اغانی

شاعر کا مضمون یہ ہے کہ جس سے اوسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں وہی مجھے بھی بھلی معلوم ہوتی ہے اور سب سے بہتر وہی چیز ہے جس سے آنکھیں خنک ہوں۔ اسپر یہ اعتراض کیا گیا کہ معشوقہ کو تو نکاح (مجامعت) سے بڑھکر کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی تو کیا شاعر بھی یہ چاہتا ہے کہ اُس کے ساتھ مجامعت کیجائے۔ خدا برا کرے اس شاعر کا۔

یہ اعتراض اس شعر پر چند حکایتوں میں دیکھا گیا ہے۔ چنانچہ اغانی میں ایک طولانی قصہ اس مضمون کا لکھا ہے کہ نصیب۔ کثیر۔ احوص کہ تینوں شاعر بھی وادی عقیق میں پہنچے جو قریب مدینہ ایک مقام ہے۔ وہاں یہ لوگ مدعو ہوئے میزبان ان سب کی ایک عورت تھی جو نہایت حسین و جمیل تھی اور رئیسہ تھی جو بے حجابانہ ایک کرسی پر بیٹھی تھی اور ان شاعروں کی خاطر مدارات کرتی اسکے بعد اوس بی بی نے اپنی لونڈی کو گانیکا حکم دیا۔ نصیب شاعر کی غزلیں گائی جانے لگیں۔

نصیب کا بیان ہے کہ اس وقت مجھے ایسی خوشی ہوتی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا میں بھی دمشق سے ہوا اور خلیفہ ہوں۔ اس کے بعد میٹھے گانے کو روکدیا اور کہا کھانا لاؤ۔

احوص۔ کثیر (جو دونوں شاعر اسکے ساتھی تھے) بگڑے اور کہا (اوسی بی بی سے مخاطب ہوکر)

نے ہم لوگوں کو ذلیل کیا کہ اس کی (اشارہ نصیب شاعر کیطرف) غزلیں تم نے سنیں اور ہم لوگوں
کے کلام پر اوسکو مقدم کیا۔ حالانکہ ہم لوگوں کے کلام سے اوسکو کیا مناسبت ہے۔
اس عورت نے کہا میں کچھ نادان نہیں ہوں سمجھکر ایسا کیا ہے۔ کیوں احوص شعر تمہارا
نہ ہے ؎ یقر بعینی ما یقر بعینھا واحسن شی ما به العین قرت
اسی طرح ایک شعر کثیر کا پڑھا جس سے ناراض ہو کر وہ دونوں چلے آئے۔ اس روایت کا
آخری حصہ یہ ہے کہ راوی نے نصیب سے پوچھا وہ عورت کون تھی تو جواب دیا کہ خاندان
بنی امیہ سے تھی جب تک میں زندہ ہوں اوسکا نام نہ لوں گا ص ۱۴۲
نہایت افسوس کا مقام ہے کہ خاندان بنی امیہ کی تو یہ عزت کیجاتی ہے کہ نصیب شاعر زندہ
اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں کبھی اوس کا نام نہ لونگا اور صاحب اغانی و شرر ایسے باحیا باایمان ہیں
کہ بے تکلف حضرت سکینہ کا نام لے رہے ہیں اور کسی طرح انکو ایمان کا پاس نہیں ہوتا۔
ہر صاحب فہم و ادراک یہاں سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ قصے اوسی کہانیاں انھیں خاندان کی
حضرت سکینہ کیطرف منسوب کیگئیں ورنہ حضرت سکینہ اوسوقت زندہ کہاں تھیں۔ کیونکہ
شاعر وہی ہے۔ شعر وہی ہے۔ اعتراض وہی ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ وہاں حضرت سکینہ کا نام
لیا گیا اور یہاں اوس عورت کا نام چھپایا گیا اسوجہ سے کہ وہ خاندان بنی امیہ سے تھی تو اب اچھی
طرح معلوم ہوا کہ یہ واقعہ انھیں عورتوں سے متعلق ہے۔
دوسری حکایت اسی شعر کے متعلق یہ بھی لکھی ہے کہ احوص نے جریر شاعر سے کہا کہ فرزدق تجھسے
اچھا شاعر ہے تو جریر نے کہا۔ یہ شعر تیرا ہی نہ ہے۔
یقر بعینی ما یقر بعینھا واحسن شی ما به العین قرت
قال نعم قال فانه یقر بعینھا ان یدخل فیھا مثل ذراع البکر افیقر ذلک
بعینک قال وکان الاحوص یرمی بالخلاف فانصرف ص ۱۱۷ اغانی
جب ان اعتراضوں کی یہ حالت تھی اور اس درجہ شہرہ تھا کہ ہر شخص اس سے واقف تھا اور کوئی
اعتراض پیش کرتا تو مسٹر شرر کا یہ قول کیونکر قبول ہو سکتا ہے جو کہتے ہیں "اسی ذہن رسا اور
کی بدولت آپ مشہور و نامی شعراء کی مرجع بنگئی تھیں اور سب نے تسلیم کر لیا تھا کہ سخن فہمی آپکا حصہ ہے

کیونکہ ہم بتا آئے ہیں بنی امیہ کی عورتوں نے بھی یہی اعتراض کیا ہے۔ مگر ازبسکہ وہ نام نہ ظاہر کیا گیا تو اب معلوم ہوا کہ اصل قصہ یہ اسی عورت کا ہے جیسے اغانی والے نے ذکر اسکے کہ خود بھی بنی امیہ کی نسل سے ہے اپنی عورتوں کا نام چھپایا اور حضرت سکینہ کی طرف منسوب کیا۔ ورنہ کہاں حضرت سکینہ کی وفات شام میں اور کہاں یہ سب قصے۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ انھیں دونوں سکینہ سے کسی سکینہ کا قصہ ہو جو ایک مصعب کی بیٹی ہیں اور دوسری مصعب کی پوتی کہ ان کے ہاں یہ سب قصیا فتیں ہوئیں اور بسبب شعرا کے نام حضرت سکینہ کی طرف یہ قصہ منسوب ہوا جیسا کہ ہم مکرر لکھ آئے ہیں۔ کیونکہ ان قصوں میں انھیں کا لگاؤ موجود ہے اور نیز عرجی بڑا شاعر تھا جو داماد تھا سکینہ بنت مصعب کا۔ لہذا اسکے لگاؤ سے ان شعرا کا سکینہ بنت مصعب کے دربار میں آنا اور اشعار سنانا زیادہ قرین قیاس ہے اسکے علاوہ خود اغانی میں چند واقعات عائشہ بنت طلحہ کے لکھے ہیں جن سے اسکا اعلیٰ درجہ کا مذاق اس فن میں معلوم ہوتا ہے تو بہرحال معلوم ہوا کہ ان واقعات کو جناب سکینہ سے تعلق ہے انھیں لوگوں سے ہے نہ خاندان رسالت سے۔ سب سے بڑھکر قرینہ اس کا یہ ہے کہ آج تک کسی کتاب میں ہم کو کوئی شعر یا کوئی قصیدہ ایسا نہ ملا جو حضرت سکینہ کی تصنیف ہوا ہو۔ عام اس سے کہ وہ انکے حسن و جمال کے بارے میں ہو یا جود و سخا کے متعلق حالانکہ عام شعرا کی حالت اور خصوصاً شعرائے عرب کی کیفیت سب کو معلوم ہے کہ کیسے طماع اور لالچی ہوتے ذرا سی طمع اور امید پر صدہا شعر کہہ ڈالے تو کیا کوئی عاقل قبول کر سکتا ہے کہ ان شعرا سے کسی نے حضرت سکینہ کے حق میں کچھ نہ کچھ کہا ہوتا اگر آپکی زیارت سے وہ مشرف ہوئے ہوتے۔ بس یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہرگز یہ شعرا حضرت سکینہ کے دربار میں حاضر ہوئے نہ حضرت سکینہ اسوقت زندہ موجود تھیں۔

اغانی والے نے اس شرح و بسط سے حضرت سکینہ کا حال تو سب کچھ لکھا مگر ان کو بھی کوئی شعر نہ ملا جو حضرت سکینہ کی شان میں کسی نے کہا ہو۔ عمر بن ربیعہ سا بد معاش شاعر جو ہمیشہ حسن و جمال کیلئے پیچ بنایا گیا مگر اس نے بھی ایک شعر نہ کہا فرزدق برابر آتا اور شرف باریابی ہوتا مگر کوئی شعر اس نے بھی نہ کہا۔ حالانکہ جمیل اسکے عائشہ بنت طلحہ کے بارے میں صدہا شعر اور سینکڑوں غزلیں موجود ہیں۔ تو اب معلوم ہوا یہ سب قصے محض وضعی و مصنوعی ہیں یا انھیں ان

سکینہ سے متعلق ہیں جنکے اشتراک اسم کیوجہ سے یہ سب قصے ادھر منسوب ہو گئے صـ۱۲۹ اغانی
کی اسٹڈ شیر اان ناموں کے اشتراک سے ایسے ایسے مصائب آپکے علمائیہ گزرے ہیں
کہ اگر ایک تتمہ بھی اون کا بیان کیا جاے تو کئی جلدیں کتب ہوں جبکہ مرد راوی و علمائے کرام حالیں
یہ اتنیں ہیں تو عورتوں کے بارہ میں ایسا اشتباہ ہونا کیونکر تعجب خیز ہو سکتا ہے خصوصًا
جب عام طور پر اپنے اغراض نفسانی کیلئے ان کے نام بھی چھپائے جائیں۔
دیکھئے آپ کے امام ذہبی مقاتل بن حیان کے حال میں لکھتے ہیں کہ علمائے اعلام جنہے
جن سے ابن المبارک وغیرہ نے روایت کی اور اونکی روایت صحیح مسلم میں موجود ہے اونکی نسبت
ابو الفتح کہتے ہیں کہ وکیع نے اونکو کاذب کہا ہے۔ اسپر امام ذہبی کہتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ وکیع کو
اشتباہ ہوا جو بجائے مقاتل بن سلیمان مقاتل بن حیان کہہ گئے کیونکہ مقاتل بن حیان صدوق ہیں صـ۱۹۹
یحیی بن اسلم بکا کے حال میں لکھتے ہیں کہ ابن عدی نے ترجمہ یحیی بن بکا میں لکھا کہ وکیع اوس سے
روایت کرتے ہیں حالانکہ یہ وہم ہے کیونکہ بکا نے سنہ ۱۲۰ میں انتقال کیا اور وکیع نے سنہ ۱۴۰
کے بعد روایت لی تو اب معلوم ہوا کہ بکا انکا شیخ نہیں ہے۔ صـ۵۹۴
اسی طرح ابو الہیثم اسلمی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ شاید وہ شخص ہو جو اوسکے قبل مذکور ہوا صـ۶۷۳
اس قسم کے ہزار ہا اشتباہات ہیں خود صحاح ستہ کے راویوں میں جو مرد تھے اور ہزار ہا
علما کے مرجع تھے اور شب و روز لوگوں سے روایتیں بیان کرتے۔ اور لوگ اون سے
حدیثیں سنتے تو اون حالات میں کیوں نہیں اشتباہ ہو سکتا جو عورات پردہ نشین سے متعلق ہیں
اور اونکی تحقیق کیجاتی ہے نہ تنقید نہ کوئی ضرورت اس سے متعلق ہے بلکہ عمدًا کوشش کیجاتی ہے
کہ خانوادہ عصمت و طہارت کیطرف وہ واقعات منسوب ہوں جو آل زبیر و بنی امیہ کی
عورتوں کے حالات ہیں۔

وفات حضرت سکینہ

آخر میں حضرت سکینہ کے وفات حسرت کو بھی لکھا ہے مگر افسوس یہ حصہ بھی سراپا غلطیوں سے
مملو ہے اور لطف یہ ہے کہ اس دعوائے تحقیق و تبحر کے ساتھ سنہ وفات کا بھی پتہ نہ دیا۔
بہر حال پہلی غلطی یہ ہے کہ لکھتے ہیں حضرت سکینہ نے تخت گرمیوں کے موسم میں حضرت

کیا تھا۔ ان دنوں عبدالملک بن مروان کا بیٹا خالد حاکم مدینہ تھا" حالانکہ عبدالملک
بن مروان کے کسی بیٹے کا نام خالد نہیں ہے۔ اوسکی اولاد کی یہ فہرست ہے۔ مروان اکبر
سلیمان۔ عائشہ۔ یزید۔ مروان اصغر۔ ہشام۔ ابوبکر۔ فاطمہ۔ مسلمہ۔ عبداللہ
سعید۔ حجاج۔ محمد۔ منذر۔ عنبسہ۔ قبیصہ۔ صد ۱۲۲ معارف
یہ وہی خالد بن عبدالملک بن حارث بن حکم ہے جسے بلقب ابن مطیر ملقب کیا ہے اور اوس
گلوچ کا قصہ شروع میں لکھا۔
اس سے بھی مسٹر ستر کو مسئلہ اشتباہ کا پتہ لگ گیا ہوگا کہ اشتراک نام عبدالملک سے
انہوں نے خالد بن عبدالملک بن مروان لکھوایا۔ حالانکہ وہ خالد بن عبدالملک بن حارث
جیسا کہ خود بھی لکھ آئے ہیں۔
دوسرے یہ بھی غلط ہے کہ اوس زمانہ میں وہ خالد والی مدینہ ہو کیونکہ تاریخ کامل میں
بذیل ذکر سنہ ۱۱۷ھ لکھا امیر مکہ و مدینہ و طائف اس سال محمد بن ہشام بن اسمٰعیل مخزومی تھا
اور اسی سال وفات کیا حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ اور سکینہ نے صد ۱ جلد ۵
تیسرے غلطی یہ کی کہ لکھا جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے خوشبو کا سامان کیا
دینار کا عود منگوا کے جنازے کے گرد انگشتوں میں سلگا دیا۔"
حالانکہ امام زین العابدینؑ کی وفات سنہ ۹۴ھ میں ہے حضرت کہاں موجود تھے جو یہ سامان
کرتے۔ بلکہ اوس زمانہ کے قبل جناب امام محمد باقر علیہ السلام بھی انتقال فرما چکے تھے
کیونکہ حضرت کی وفات سنہ ۱۱۴ھ میں ہے یا سنہ ۱۱۵ھ میں۔ دیکھو کامل صد ۲۶
افسوس بقول مشہور۔ سارے جھوٹے مر گئے انکو بخار بھی نہ آیا۔ تبرا تو جھوٹ
کس ملت میں جائز ہے۔ ہاں بھائی تمہارے ہاں تو خدا بھی جھوٹ بول سکتا ہے
انبیاء تو کل نہیں اکثر جھوٹ بول چکے۔ یہاں تک کہ خلیل اللہ کا تین جھوٹ
میں بھی موجود ہے۔ پھر تم نے کیا قصور کیا جو جھوٹ نہ بولو۔
اور لطف یہ ہے کہ روزنامہ اخبار دہلی میں جو مضمون اس تحریر کے قبل چھپا
اوس میں اغانی سے نقل کر دیا گیا تھا کہ یہ عود وغیرہ منگانا محمد بن حسن کیا

منسوب ہے جو حضرت سکینہ کے بھانجے تھے فاطمہ بنت الحسینؑ کے بیٹے۔ مگر چونکہ شرر کی گھٹی میں جھوٹھ پڑ گیا ہے اسلئے وہ وہی قصہ اختیار کرتے ہیں جو سراسر جھوٹھ ہو۔

شرر کے طرفدار یہ عذر کر سکتے ہیں کہ انھوں نے تو اغانی سے نقل کیا اور نقل کو عقل لازم نہیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ پھر نقل بھی پوری نہیں اتاری کیونکہ اغانی والا اسکے ساتھ یہ بھی لکھتا ہے کہ عود اور خوشبو لانیوالے محمد بن عبد اللہ عثمانی ہیں اور دوسری روایت یہ لکھی کہ عبد اللہ بن حسن خرید لائے جو بھانجے تھے حضرت سکینہ کے۔ ان روایتوں میں بھی اگرچہ جناب امام زین العابدینؑ شریک کئے گئے جو اکیس برس قبل انتقال فرما چکے تھے مگر نہ معلوم شرر نے کس وجہ سے صرف جناب امام زین العابدینؑ ہی کا نام لکھا۔

شرر اور اغانی کے افسانے خرافت پر اختصار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسکے ساتھ اور اختلافات بھی ہیں جو لوازم کذب و افترا سے ہے۔

اولاً خود اغانی میں ہے بذیل قصہ عقد ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف فقالت لا ادیل ومات فصلی علیھا شیبہ بن البطاح ص۱۷۰

جس سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے بعد فوراً یا قریب اوسکے حضرت سکینہ نے انتقال کیا۔ اور وفات ابراہیم مذکور ۹۶ھ میں ہوئی ہے۔ اوس کے قبل وفات حضرت سکینہ ہے تو لا محالہ ۹۵ھ میں حضرت کی وفات ہوگی جو ان اقوال کے مخالف ہے کیونکہ یہ لوگ ۱۱۷ھ بتاتے ہیں۔

ثانیاً شیخ شربینی دُرر الاصداف میں لکھتے ہیں کہ وفات حضرت سکینہ ۵ ربیع الاول ۱۲۶ھ کو ہوئی۔

ثالثاً اکثر مورخین کا قول یہ ہے کہ وفات حضرت سکینہ مدینہ منورہ میں ہوئی جسکے متعلق ایک طولانی قصہ شرر نے لکھا۔

رابعاً۔ دُر الاصداف میں ہے کہ وفات حضرت سکینہ مکہ معظمہ میں ہے۔

خامساً۔ نور الابصار وغیرہ میں بتواتر منقول ہے کہ وفات حضرت سکینہ مصر میں ہے بلکہ مشارق الانوار۔ طبقات شعرانی۔ طبقات مناوی۔ سیرۃ شامی۔ سیرۃ حلبی۔ بھی موجود ہے۔

پس پہلا سوال یہ ہو کہ آیا جہاں جہاں وفات کی جگہیں بتائی جاتی ہیں وہاں ہر جگہ عبد الملک ہی حاکم تھا جس نے لاش سڑانے کی تدبیر کی یا دوسرا کوئی۔

پھر یہ سوال ہو کہ جو امر بتواتر اتنے مورخین و محدثین کے ثابت ہے کہ حضرت سکینہ کی قبر مصر میں ہے جن کا قبہ بھی بنا ہوا ہو اور عام زیارت گاہ ہو۔ اوسکے خلاف مدینہ میں دفن کا قول کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے۔

لہذا یہاں بھی وہی تحقیق قبول کرنی پڑیگی جو مینے سابق میں گزارش کیا کہ حضرت سکینہ کے علاوہ دو سکینہ اور ہیں ایک سکینہ بنت مصعب دوسری مصعب کی پوتی جنمیں سے ایک مصر میں مدفون ہونگی دوسری مدینہ میں جسکے بارے میں مورخین کو اختلاف ہوا کسی نے مصر لکھا کسی نے مدینہ۔

اور وفات حضرت سکینہ تو دمشق میں ہی بزمانہ اسیری جسکے بارے میں امام نووی نے بھی دو قول لکھا ہے اور اب تک وہاں مزار موجود ہو۔ چنانچہ تہذیب الاسماء واللغات میں لکھتے ہیں ((ذکرنا فی تاریخ دمشق ان سکینۃ اسمہا امیمہ وقیل امینہ وقیل امنہ قدمت دمشق مع اھلھا ثم خرجت الی المدینہ و یقال عادت الی دمشق وان قبرھا بھا)) یہ قول امام نووی کا نور الابصار۔ مشارق الانوار۔ اسعاف الراغبین میں بھی موجود ہے۔ اور اوسکے ساتھ یہ اختلافی قول بھی کہ اکثروں نے مدینہ کہا ہو۔

اور کتاب روضۃ الغنا تاریخ دمشق فیحا میں ہو جو بیروت کی چھپی ہوئی ہو[1] باب ثالث فصل فیمن مات بدمشق من الصحابہ قال الحافظ ابن طولون وقبلی باب الصغیر

---

[1] یہ عبارت جناب شریف العلماء مولوی شریف حسین خان صاحب دام عزہ نے جگراؤں ضلع لدھیانہ سے ازراہ کمال عطوفت عطا کیا۔ بعدہ اصل کتاب بھی بھیجدی جس کا میں نہایت شکرگزار ہوں خداوند عالم انکو اسکی جزائے خیر عنایت فرمائے جسکے ٹائٹل پیج پر لکھا ہو کتاب الروضۃ الغناء فی دمشق الفیحا تالیف نعمان افندی قساطلی طبع فی بیروت سنہ ۱۸۷۹ء اور اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہو بعد ذکر دوسری

ابنة بلال بن حمامة وثلث من ازواج النبی صلعم وقبر فضه جارية السيدة فاطمة الزهراء وقبر
وقبر ام الدرداء هؤلاء كلهم فى تربة واحدة ونقل فى الاشارات ان قبر سيدة زينب بنت
الامام على بن ابيطالب بمقبرة باب الصغير يزار ويتبرك به وقبر سكينه بنت الحسين
بتربة القلندرية داخل القبه وقبر السيدة فاطمه بنت الامام على الرضا بمقبرة باب الصغير
عليه بناء معروف يقصد للزيارة والمعروف عند اهل دمشق ان قبر سيدة زينب ابنة
الامام على فى تربة واحدة تنسبت اليها يقال لها الان قبر الست صـ ۱۳۲

تم تاریخوں کے جنمیں دمشق کا ذکر ہو کلما کنت استقری ما قیل فی حقها فی صحف الاخبار التاریخ
کنت استغرب ما یقال فیها اذ کان بعضه ایجاز المخل وبعضه فی بعضها الطناب الممل
فزادنی ذلک توسلا للاستقصاء وحملنی علی ان اتبع ما قیل فیها وما یقال بتدقیق
یستلزمه حسن الدلیل پھر لکھتے ہیں وما اناقی بما اوردته فیه بمعتقد لکمالی ولا بمعتصم
من اخلالی علی انی بجسارة اقول انه زبدة اقوال الرواة العدول صـ۲
جس سے معلوم ہوا کہ مصنف کہتا ہے کہ میں نے انہیں اقوال کو جمع کیا ہے جو دلیل و برہان سے ثابت ہے
ذرا ذرا ٹکڑوں کی طرح سب قول انکو جمع کردیں - پھر لکھا ہے اگرچہ میں اس تاریخ کے لکھنے سے اپنے
کمال کا معتقد ہوں نہ اسکو ہر عیب و نقص سے بری جانتا ہوں مگر اس کا ضرور دعویٰ ہے کہ جو کچھ اسمیں
لکھا ہے وہ خلاصہ ہے اون اقوال کا جسے رواۃ عدول نے بیان کیا -
یہ کتاب عربی زبان میں ۵۸ صفحہ پر ختم ہوئی ہے جسکے آخر میں بہت سے علماء کی
تقریظیں بھی چھپی ہیں جنکے اسامی گرامی حسب ذیل ہیں -
علامہ سید شریف خمراوی زادہ اسعد آفندی نے ایک قصیدہ نظم کیا - علامہ شیخ
عبدالمجید آفندی خانی نقشبندی خادم العلم الشریف انکا بھی ایک قصیدہ ہے -
عالم عامل شیخ طاہر آفندی مغربی ناظر مدارس ابتدائیہ نے نثر و نظم میں اسکی تعریف
لکھی ہے - پھر فاضل ابراہیم آفندی کی نظم ہے - آخر میں علامہ فاضل منیر زادہ شیخ
محمد صالح آفندی خادم علم شریف کی تاریخ ہے - ملاحظہ ہو صـ ۱۶۱ ۱۲ ارقم

یعنی کہا حافظ ابن الولون نے کہ باب صغیر میں ایک قبہ ہے جسمیں قبر ہے بلال بن حمام کی اور زین ازواج نبی ہے۔ اور قبر فضہ جاریہ جناب فاطمہ زہرا۔ اور قبر ام درداء ایک تربت میں ہے اور اشارات فی الزیارات میں ہے کہ قبر جناب زینب بنت جناب امیر باب صغیر کے مقبرہ میں ہے جسکی زیارت کیجاتی ہے اور تبرک لیجاتی ہے۔

اور قبور حضرات سکینہ تربۃ قلندریہ کے داخل قبہ۔ اور قبر سیدہ فاطمہ بنت امام ... مقبرہ باب صغیر میں ہے جسپر ایک عمارت مشہور ہے لوگ زیارت کیلئے آتے ہیں۔ اور اہل دمشق کے نزدیک یہ مشہور ہے کہ قبر حضرت زینب اوس تربت میں ہے جو حضرت زینب کی طرف منسوب ہے اور اب اوسکو قبر الست کہتے ہیں۔

پھر دوسرے مقام پر حاشیہ میں لکھتے ہیں صـــ ۱۲۵

یقال ان بباب الصغیر قبور جملۃ من اھل البیت وغیرھم کقبر سہل بن حنظلہ وقبر ام الحسن بنت حمزۃ بن جعفر صادق ع وقبر علی بن عبد اللہ بن عباس وقبر زوجتہ ام الحسن بنت جعفر بن الحسن بن الحسن بن فاطمۃ الزھراء وقبر خدیجہ بنت زین العابدین ھولاء فی تربۃ واحدۃ وقبر سکینہ بنت الحسین وقبر محمد بن عمر بن علی بن ابیطالب وبھا قبور کثیرۃ لم تعرف لما قیل بان مقبرۃ باب الصغیر حرثت ... نحو مئۃ سنۃ۔

یعنی کہا جاتا ہے کہ باب صغیر میں بہت سے اہل بیت کی اور غیر اونکی قبریں ہیں مثل قبر سہل بن حنظلہ۔ قبر ام الحسن بنت حمزہ بن امام جعفر صادق ع قبر علی بن عبد اللہ بن عباس اور اونکی زوجہ ام الحسن بنت جعفر بن حسن بن امام حسن بن فاطمہ زہرا کی قبر بھی وہیں ہے اور قبر خدیجہ بنت امام زین العابدین یہ سب ایک قبر میں ہیں۔ اور قبر سکینہ بنت الحسین اور قبر محمد بن عمر بن علی ابن ابیطالب۔ اور وہاں پر بہت سی قبریں ہیں کہ پہچانی نہیں جاتیں۔ کیونکہ کہا گیا ہے مقبرہ باب صغیر کا سو برس ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا اور زراعت ہوگئی۔ اب اتنی شہادتوں کے بعد تو شک رہا اون کے کسی شاہزادہ کو نہیں عذر رہیگا کہ حضرت

سکینہ کی قبر دمشق میں ہے جہاں قبہ بھی بنا ہے اور لوگ زیارت کو جاتے ہیں۔
اور اگر اسپر بھی تسکین نہ ہو تو میں ایسے شخص کی شہادت چشم دید[1] پیش کرتا ہوں
جسکے بعد شرر تو کیا کسی کو عذر نہ رہے۔
دیکھیے منشی محبوب عالم صاحب جو ایک ذی وقار اڈیٹر مورخ ہیں اپنی سیاحت یورپ و روم و شام
کی بیسوین چٹھی مرقومہ ۵ / اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء میں (جو مقام دمشق الشام سے روانہ
ہوئی ہے اور نمبر ۶۴ پیسہ اخبار مورخہ ۲۴ نومبر سنہ ۱۹۰۰ء میں چھپی ہے) تحریر کرتے ہیں
"شام میں صحابہ کرام اور انبیاء و اولیا کی بہت سی قبریں موجود ہیں۔ یوں تو لوگوں میں
مشہور ہے کہ جبل الربعین یا جبل کسیان کے دامن میں ستر ہزار نبی اور ولی مدفون ہیں لیکن
ان کے نام کسی کو معلوم نہیں۔ جنکے نام معلوم ہیں اگر انکی بھی پوری فہرست لکھی جاوے تو
اخبار کے دو چار کالموں میں سمانی مشکل ہے۔ تاہم میں بعض مقبروں کے نام اس غرض
سے لکھتا ہوں کہ اندازہ ہو سکے کہ مسلمان کیوں دمشق کو شام شریف کے نام سے پکارتے ہیں۔
بلال الحبشی بن رباح موذن اول اسلام۔ ابو درداء الخزرجی۔ اوس بن اوس الثقفی۔ سہیل بن
ربیع الانصاری۔ شمعون الصحابی۔ فضالہ بن عبید۔ واثلہ بن الاسقع۔ بلال بن حمامۃ
حضرت رسول کریم کے تین حرم۔ فضہ لونڈی حضرت فاطمہؓ کی۔ سیدہ زینب بنت
حضرت علیؓ اور سیدہ سکینہ بنت حضرت حسینؓ کی قبریں۔ اور کئی دوسرے
ناموروں کی قبریں اس قبرستان میں جو باب الصغیر کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت زینب
ام کلثوم کی قبر قریب کے ایک قریہ راویہ میں ہے جہاں ہر سال بہت سے اہل التشیع جمع ہوتے
ہیں۔ جامع دمشق میں اور بھی کئی ناموروں کی قبریں ہیں جامع اموی میں ایک قبر ہے جو حضرت
یحییٰؑ کی تربت مشہور ہے۔ جبل صالحیہ کے قریب سوق صالحیہ میں حضرت محی الدین عربی کی قبر موجود
ہے۔ اسکے قریب زمانہ حال کے ایک مسلمان جنرل عبد القادر جزائری کی قبر ہے جسنے فرانس کے
مقابلہ میں کئی نامور لڑائیاں لڑیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اونکے آقا سلطان نور الدین
شہید کی قبریں شہر کے اندر دو مختلف مقامات پر ہیں"

[1] یہاں میرے ایک فاضل دوست جناب مولوی محمد صالح صاحب الکیس بارہ ضلع غازیپور زاد
اللہ احسانہ کسیطرح نہیں بھول سکتا کہ عزہ اللہ کرہ مجھے خبر دی اور دونوں جا کر اصل عبارت
نقل کر کے بھیج دی۔ جز ۱۴۱ ص ۵۵ ۱۲ راقم

تو اب جن سکینہ کی موت مصر یا مکہ یا مدینہ میں بیان کیجاتی ہے وہ دوسری سکینہ ہیں
خواہ وہ مصعب کی بیٹی ہوں یا پوتی جس کا سابق میں میں نے خود اغانی سے تذکرہ کیا
فقولوا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا
یہاں تک میری تقریر بر بنیاد تسلیم روایات تھی کہ اشتباہ رواۃ کا قائل ہوا اور ہر
روایات کی جانچ کی اور اپنے ہر دعوی کو دلیل قوی سے ثابت کیا جسکے قبول میں کسی کو
نہیں۔ ورنہ اگر باب کذب وافترا میں ان سب کو داخل کریں تو کسی کو اسمیں زدنے
جائے دم زدن نہ رہے۔

نظر اجمالی محدثانہ

اب ہم ان کل روایتوں پر محدثانہ حیثیت سے ایک نظر ڈالتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ اغانی
کے کل یا اکثر راوی اس مجموعی قصہ میں کذاب وضاع ہیں جن کے کسی بیان پر اعتماد نہیں
ہو سکتا نہ کوئی ذی عقل اسے قبول کر سکتا ہے۔
اگرچہ خود اغانی کا مصنف ابو الفرج اصبہانی بقول علامہ ابن حجر اکذب الناس ہے
اور کوئی شخص اس کتاب کو نہ فن حدیث میں داخل جانتا ہے نہ فن رجال میں نہ فن تاریخ
میں بلکہ ایک تفریح و مذاق کی ایک طولانی کتاب ہے جس میں صرف راگ و راگنی سے بحث ہے
اور ضمناً واہی حکایتیں بھی لکھتا ہے۔ مگر چونکہ اوس زمانہ کے مذاق کے مطابق ہر جھوٹ
کی ابتدا ایک سلسلہ دار اسناد سے کی ہے جس سے اس زمانہ کے کندہ ناتراش جہال اسکو
قابل وقعت سمجھتے ہیں۔ لہذا ہر راوی کی وضاعیت و کذابیت ظاہر کیجاتی ہے
ورنہ یہ سب اسناد فی نفسہ لغو ہیں اور مصنوعی۔

پہلی روایت عقد حضرت رباب بعہد عمر بن الخطاب
احمد بن محمد بن سعید اس نام کے دو راوی ہیں ایک ابن العقدہ المتوفی
سنہ ۳۳۲ قال ابن عدی سمعت ابا بکر بن غالب یقول
ابن عقدہ لا یتدین بالحدیث لانہ کان یحمل
شیوخنا علی الکذب یسوی لھم نسخا و یامرھم ان یرووھا ثم

یرویہا عنہم میزان صفحہ ۵۶ جلد ا

کہا ابن عدی نے کہ احمد بن محمد بن سعید ابن العقدہ بیدین ہے حدیث کے بارے میں ہمارے شیوخ کو آمادہ کرتا تھا جھوٹی حدیثوں پر کہ خود حدیثیں گڑھ گڑھ کے اون لوگوں کو دیتا اور حکم کرتا کہ اسکی روایت کریں اور پھر خود اون سے روایت کرتا۔

دوسرا محمد بن سعید ابو اسحق الہروی روی بسمرقند حدیثا باطلا فی حدود سنہ ۲۵۰ صفحہ ۵۶ یعنی حدیث باطل کا راوی ہے۔

یحیی بن حسن قادری اس صفت کے ساتھ تو کوئی راوی نہ ملا یحیی بن الحسن الزبیری المدائنی لایکاد یعرف حاله۔ یحیی بن الحسن المدینی مجہول الحال وخبرہ غیر صحیح یحیی بن حسن علوی رافضی اتی بخبر کذب صفحہ ۵۷۵ جلد ۲ جس سے معلوم ہوا کہ اس نام کے تینوں راوی مجہول الحال اور راوی خبر دروغ ہیں۔ شیخ من قریش مجہول جس سے معلوم ہوا ابتدائی سلسلہ ندارد ہے۔

ابوحذافہ اوغیرہ ندارد ابوحذیفہ البصری لایعرف صفحہ ۶۴۳

دوسری روایت عقد ر باب جسے شارح نے منتخب کیا۔

صالح اس نام کے بہت سے راوی ہیں جنمیں اکثر ضعیف وکذاب ہیں بقرینہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مراد اس سے صالح بن احمد بن ابی مقاتل ہیں قال الدارقطنی کذاب دجال المتوفی سنہ ۳۱۶ صفحہ ۲۰ جلد ا علی غیر منسوب ہے جس سے وہ بھی مجہول ٹھہرے۔

مجاھد مفسر ذکرہ مجاھد فی کتاب الضعفا لابن حبان البستی۔

مجاہد بن فرقد حدیثہ منکر مجاہد بن وردان وردہ ابن حزم خبرہ صفحہ ۲۳۳ جلد ۲

ابی المثنی محمد بن سائب کلبی سنہ ۱۴۶ قال الجوزجانی وغیرہ کذاب قال ابن حبان مذہبہ فی الدین ووضوح الکذب فیہ اظہر من ان یحتاج الی الاغراق فی وصفہ صفحہ ۳۸۲ میزان وغیرہ میں اسکی کنیت ابوالنضر ہے اور سوائے اسکے دوسرا کوئی کلبی نہیں ہے جوزجانی اسے کذاب کہتے ہیں اور ابن حبان کہتے ہیں کہ اسکا مذہب دین میں اور وضوح

کذب میں محتاج بیان نہیں۔

عبد اللہ بن حسین بن حسن۔ تقریب میزان میں یہ نام نہیں ملا۔ اگر عبد اللہ بن حسن بن امام حسن مراد ہوں تو ممکن ہو مگر اونکی وفات ۱۴۵ھ میں ہوئی۔ اور اگر عبد اللہ بن حسین ازدی مراد ہوں قاضی سجستان تو امام نسائی اون کو ضعیف بتاتے ہیں اور کہا ابن عدی نے اوسکی روایتوں کی متابعت نہیں کیجاتی خلاصہ صفحہ ۱۹۵

عبد الجبار بن منظور بن زبان فزاری تقریب میزان میں خلاصۃ التہذیب میں یہ نام نہیں ملا تو مجہول ٹھہرا جسکی روایت کسی طرح قابل قبول نہیں۔

عوف بن خارجہ مری یہ نام بھی نہیں ملا۔ ھشام بن کلبی قال احمد بن حنبل انما کان صاحب سمر و نسب ما ظننت ان احدا یحدث عنہ وقال الدارقطنی وغیرہ متروک صفحہ ۵۵ جس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک قصہ گو شخص تھا جس سے کسی نے روایت نہ کی۔ (تیسری روایت کہ حضرت امام حسینؑ اپنی دونوں بیٹیاں حسن بن امام حسن کے سامنے باہر لائے)

طوسی لقب ہے زیاد بن ایوب طوسی المتوفی سنہ ۲۵۲ کا جس سے ملاقات ابو الفرج اصبہانی ناممکن ہے کیونکہ اسکی ولادت سنہ ۲۸۴ھ میں ہے اور وفات ۳۵۶ھ میں اور اگر مراد اس سے علی بن مسلم بن سعید طوسی ہے تو اسکی وفات سنہ ۲۵۳ میں ہے ملاقات ناممکن ہے۔ تیسرا راوی اس لقب کا محمد بن منصور بن داؤد طوسی ہو اسکی وفات بھی سنہ ۲۵۴ میں ہے پھر اوس سے ملاقات کیونکر ممکن ہے جو روایت کر سکے۔

زبیر بن بکار۔ کہا احمد بن علی السلیمانی نے کہ اس کا شمار اون لوگوں میں ہے جو وضعی حدیثیں بنایا کرتا اور ایک دفعہ کہا کہ منکر الحدیث ہے صفحہ ۳۰۶ اور کچھ حالات اسکی عداوت کے خاندان رسالت کے ساتھ سابقاً مرقوم ہوئے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۴ رسالہ ہذا

اسمعیل بن بکار یہ نام بھی نہیں ملا مجہول ہے۔ احمد بن سعید غالباً دی پہلا راوی ہے احمد بن محمد بن سعید جس کا حال مذکور ہو اور نہ احمد بن سعید چند راویوں کے نام ہیں مجروح بھی ممدوح بھی۔ یحیی بن حسن غزنوی اس نام کا بایں نسبت

کہیں وجود نہیں دوسری نسبتوں کے ساتھ ان اوصاف سے موصوف ہے۔ یحیی بن حسن
زہری لا یکاد یعرف فیحیی بن حسن مدنی مجہول الحال یحیی بن حسین علوی اتی بخبر
کذب متنہ صـ۵۷۵ اسمعیل بن یعقوب ۔ اسدی کوفی لاشیٔ اسمعیل بن
یعقوب تیمی ضعفہ ابوحاتم ولہ حکایۃ منکرۃ صـ۱۱۰ عبد اللہ
بن موسی تیمی عن اسامہ بن زید لیس بحجۃ عبد اللہ بن موسی ھو عمر بن
موسی احد المتروکین صـ۷۳ جلد ۲

(چوتھی روایت آنا حضرت سکینہ کا مسجد میں اور ابن مطیر کو گالی دینا)

احمد غالباً احمد بن محمد بن سعید ہے جس کا حال مذکور ہوا ۔ یحیی مجہول حال مذکور ہوا۔
مروان بن موسی مقری ۔ مجہول نہیں ملا۔
حدثنا بعض اصحابنا مجہول جس سے روایت باطل ہوتی ہے۔

(پانچویں روایت قالت سکینۃ دخلت علی مصعب وانا من احسن الناس الموقل)

طوسی مذکور ہوا زبیر کذاب مذکور ہوا عن عمہ مصعب بن ثابت بن عبد اللہ
بن زبیر بن عوام المتوفی ۱۵۷ھ ضعفہ یحیی بن معین قال ابوحاتم لا یحتج
بہ صـ۴۷۸ معاویہ بن ابوبکر مجہول۔

(چھٹی روایت حمام سکینہ علیہا السلام)

حسن بن علی بن زکریا بن صالح ابوسعید عدوی المتوفی ۳۱۷ھ قال ابن عدی
عامہ ماحدث بہ الا القلیل موضوعات وکنا نتہمہ بل نتیقن انہ
ھوالذی وضعہا سمعت اباحمد الحسن بن علی البصری یقول ابوسعید
العدوی کذاب صـ۲۰ جس سے معلوم ہوا کہ وہ کذاب اور وضاع تھا۔
محمد بن موسی محمد بن موسی ابوغزیہ قاضی مدنی قال البخاری عندہ
مناکیر قال ابن حبان کان یسرق الحدیث ویروی عن الثقات
الموضوعات المتوفی ۲۰۷ھ صـ۱۴۵ جلد ۲

ابی ایوب مدنی یہ نام نہیں ملا۔ اس کنیت میں صرف یہ اسامی مذکور ہیں ابوایوب افریقی۔ ابو ایوب انصاری۔ ابوایوب خطابی رقی۔ ابوایوب غیلانی۔ ابوایوب ہاشمی۔ ابوایوب مولے عثمان۔ ابوایوب مدنی کا وجود نہیں دیکھو تقریب خلاصہ

(ساتویں روایت کوتوال کو بلوانا)

مروان بن عبد اللہ مروان بن عبید اللہ بن صفوان بن حذیفہ لا یعرف ہو ولا ابوہ قال العقیلی وحدیثہ غیر محفوظ صفحہ ۴۶۸ ضمرہ بن ضمیرہ مجہول کہیں اس مصنوعی نام کا وجود نہیں۔

(آٹھویں روایت حکایت شعیب بن اشعب و نبات الاشعب)

محمد بن جعفر نحوی یہ نام نہیں ملا شاید یہ ہو محمد بن جعفر بن فضالہ ابوبکر ادمی القاری البغدادی صاحب صوت المطرب قال ابن ابی الفوارس خلط فیما حدث وفات ۳۴۸ھ۔ احمد بن قاسم مجہول۔ کہیں اس نام کا وجود ہی نہیں ہے۔ یوسف بن ابراہیم صاحب ابراہیم المہدی۔ اس نام کا بھی وجود نہیں یوسف بن ابراہیم تمیمی قال البخاری عندہ عجائب قال الحاکم ابواحمد لیس بالقوی عندہم خلاصہ صفحہ ۴۳۸ ابواسحق۔ قال ابواسحق قال لی وبقی ذلک النسل فی ایدی الناس اگر عبد اللہ بن میسرہ حرثی ہے ابواسحق کوفی مراد ہے ضعفہ ابن معین والنسائی وقال ابو زرعہ واہی الحدیث صفحہ ۲۱۵ جلد ۲ اور اگر خازم بن الحسین مراد ہے قال ابن معین لیس بشیئ صفحہ ۹۹ خلاصہ۔ اور اگر عمر بن عبد اللہ ہمدانی سبیعی ابواسحق کوفی مراد ہے تو اسکی موت ۱۲۷ھ میں ہوئی ملاقات اصفہانی اوس سے ناممکن۔ اور اگر سلیمان بن ابی سلیمان شیبانی ابواسحق کوفی مراد ہے تو اسکی موت ۱۴۰ھ میں ہوئی ملاقات ناممکن۔ اور اگر ابراہیم بن اسحق بن عیسے بنانی ابواسحق طالقانی مراد ہے تو اسکی موت ۲۱۵ھ میں ہوئی ملاقات ناممکن ہے۔

اور اگر ابراہیم بن محمد بن حارث ابو اسحٰق کوفی مراد ہیں تو اسکی موت ۱۸۵ھ میں ہے صفحہ ۲۰ خلاصہ
اور اگر ابراہیم بن عبد اللہ بن حاتم ہروی مراد ہے تو اسکی موت ۲۴۴ھ میں ہے
ملاقات ناممکن صفحہ ۱۸ باقی رہے ابو اسحٰق اشجعی کوفی نام ان کا نہ معلوم ہوا نہ ابو اسحٰق مولیٰ
عبد اللہ بن حارث کا نہ ابو اسحٰق دوسی مولیٰ بنی ہاشم کا نہ ابو اسحٰق عن ابی الحویرث کا جو کتب
رجال میں دیکھا جائے - امام ذہبی فرماتے ہیں - ابو اسحاق دوسی مجہول ابو اسحٰق
کوفی شیخ ہشیم لیس بثقہ - ابو اسحٰق - اسحٰق سے بجز ابی النصر ہاشم کسی نے روایت
نہ کی - ابو اسحٰق ہجری ضعیف - ابو اسحٰق قرنی مجہول - ابو اسحٰق عن عطا مجہول -
ابو اسحٰق خوارزمی کی تضعیف کی ہے دارقطنی نے - ابو اسحٰق عن ابی الحویرث غیر معروف
ابو اسحٰق مولیٰ قریش - ابو اسحٰق مولیٰ عبد اللہ بن حارث - شاید ایک ہی ہوں غیر
معروف صفحہ ۱۲۳ جلد ۲

(نویں روایت کہ حضرت سکینہ کا چند عقد ہوا)

عبد اللہ بن حسن [۱] - مصعب [۲] - عبد اللہ بن عثمان خزامی - زید بن عمر عثمانی [۴] - اصبغ بن [۵]
عبد العزیز - ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف [۶] -
فارسی مجہول - زبیر بن بکار کذاب مذکور ہوا -
مصعب متہم بکذب - یہ چچا ہے زبیر بن بکار کا -
قال مصعب حدثنی یحیی بن حسن العلوی ان عبد اللہ بن الحسن
زوجہا یکنی ابا جعفر (یحیی بن حسن علوی کا حال مذکور ہوا)
قال وحدثنی مصعب بن عثمان ان علی بن الحسین اخاہا حملہا الیہ
(مصعب بن عثمان مجہول کہیں اس نام کا وجود نہیں قال مصعب وحدثنی معویہ
بن بکر باہلی - قال سکینہ دخلت وانا احسن من النار الموقدہ
در روایت ولادت رباب از سکینہ و عقد با عثمان بن عروہ در راتبہ
عشرہ عشرۃ آلاف دینار

(معویہ بن بکر باہلی مجہول)

دسویں روایت کہ حضرت سکینہ نے اپنی بیٹی دکھائی جو مصعب سے تھی زبیر بن بکار
محمد بن سلام محمد بن سلام المتوفی ۲۳۱ھ قال احمد بن ابی خیثمہ سمعت ابی
یقول لا تکتب عن محمد بن سلام الحدیث رجل یری بالقدر انما یکتب
عنہ الشعر فاما الحدیث فلا ص ۳۸۶
سعید بن صخر مجہول کہیں اس کا وجود نہیں۔ سعیدہ بنت عبد اللہ بن
سالم مجہولہ۔ یہی عورت راوی ہے کہ مجھے وہ لڑکی دکھائی گئی جو مصعب کی
تھی حالانکہ کتب رجال میں اس نام کا کہیں وجود بھی نہیں۔

(گیارہویں روایت فیصلہ عمر بن ربیعہ در بارہ حسن جمال)

زبیر بن بکار۔ وضاع مذکور ہوا۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ درمیان ابوالفرج اصبہانی
اور زبیر بن بکار کے کوئی واسطہ نہیں ہے جو راوی ہو سکے۔ اور ان دونوں کی ملاقات
محال ہے کیونکہ زبیر بن بکار کی موت ۲۵۶ھ میں ہے اور اصبہانی کی ولادت ۲۸۴ھ
میں تیسری خرابی یہ ہے کہ زبیر اپنے چچا مصعب سے روایت کرتا ہے جو خود متہم بکذب ہے اور
اسکی وفات ۱۵۱ھ ۱۵۷ھ کما فی الخلاصہ۔ پھر وہ ابن ماجشون سے کیونکر
روایت کر سکتا ہے جسکی موت بہت اسکے مابعد ہوئی ۲۱۳ھ میں جیسا کہ مذکور ہوا۔
ابن الماجشون۔ عبدالملک بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن ماجشون کان
مولعا بسماع الغناء۔ قال ابو داؤد انسان کان لا یعقل الحدیث
المتوفی سنہ ۲۱۳ ص ۱۳۶

(بارہویں روایت خطبہ سکینہ کیا عبداللہ بن مروان نے)

حسن بن علی وضاع مذکور ہوا۔
احمد بن حرث احمد بن الحرث بن مسکین البصری کان الطحاوی یتکلم فیہ

حدیثہ عن ابیہ صفحہ ۳۷ جلد ا۔ مسلی ایپنی دو آدمی کا لقب ہے شبابہ بن سوار مدایینی قال ابو حاتم لا یحتج بہ صفحہ ۳۹۶ جلد ا۔ دوسرے محمد بن سلام جنکا حال مذکور ہوا

روایت محمد بن سلام کہ ازواج حضرت سکینہ عمر بن حسن عثمانی مصعب اصبغ بن عبد العزیز

محمد بن سلام کبار محدثین اہل سنت میں داخل ہیں طبقات شعرا کی کتاب بھی تصنیف کی المتوفی ۲۳۱ھ مگر عام طور پر علمار اہلسنت انکی روایات کو نامعتبر سمجھتے ہیں جیسا کہ مذکور ہوا لا یکتب عن محمد بن سلام الحدیث اسکے علاوہ تین محمد بن سلام اور ہیں۔ محمد بن سلام خزاعی لا یعرف۔ محمد بن سلام بلخی قال ابن مندہ لہ غرائب۔ محمد بن سلام مصری حدث عن یحیی بن بکیر عن مالک بخبر موضوع

ابو الحسین اسدی غلط ہو شاید ابو الحصین اسدی ہو جس کا نام عثمان بن عاصم ہے المتوفی ۱۲۸ھ ان کا روایت کرنا محمد بن سلام سے اور بھی عجیب ہے جو سو برس کے قریب محمد بن سلام مر چکا تھا۔ ریاشی عباس بن فرج ریاشی کی موت ۲۵۷ھ میں ہے اوس سے اسدی کیونکر روایت کرسکتا ہے جسکی موت ۱۲۸ھ میں ہوئی پھر اوس سے اصفہانی کو ملاقات کہاں نصیب ہوئی۔ اصل عبارت اغانی کی یہ ہے واما محمد بن سلام فانہ ذکر فیما اخبرنی ابو الحسین الاسدی عن الریاشی عنہ ان اباعذرھا عمر بن الحسن الخ جس سے معلوم ہوا کہ محمد بن سلام المتوفی ۲۳۱ھ سے روایت کی ریاشی نے المتوفی ۲۵۷ھ اور ریاشی سے روایت کی ابو الحصین اسدی المتوفی ۱۲۸ھ اور اوس سے سُنا خود ابو الفرج اصبہانی مصنف اغانی نے جسکی ولادت ۲۸۴ھ میں ہوئی اب اہل انصاف غور کریں کہاں تک یہ ممکن ہے۔

(تیرہویں روایت کہ حضرت سکینہؑ کی بیٹی حزامی سے تھیں)

محمد بن سلام مذکور ہوا۔ رقاشی فضل بن عیسے الرقاشی قال احمد بن زہیر سالت ابن معین عن الفضل الرقاشی فقال کان قاصا رجل

سوء قلت نحدیثه قال لاتسل عن القدری الخبیث صـ ۲۹۹ جلد ۲
یعنی فضل رقاشی قدری خبیث تھا قصہ گو۔ شعیب بن صخر خزاعی ابو
(چودھویں روایت قصہ عقد ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف)
ابن ابی الازھر محمد بن یزید بن ابی الازہر روی عن الزبیر بن بکار
صـ ۳۲۵ قیل بل ھو متہم بالکذب۔ قال الخطیب لا ابعد ان یکون ابن ابی الازھر
وضعه فقد وضع احادیث صـ ۴۴۵
حماد بن اسحق مجہول۔ عن ابیه مجہول ۔ھیثم بن عدی ہیثم بن عدی
الطائی قال البخاری لیس بثقه کان یکذب وروی عباس عن یحیی
لیس بثقه کان یکذب وقال ابوداؤد کذاب مات ۲۰۶ھ قلت کان
اخباریا علامة روی عن ھشام بن عروة وعبد الله بن عباس
المتوفی ومجالد صـ ۵۵۸ جلد ۲ جس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ بڑا علامہ تھا مگر کذاب
صالح بن حسان صالح بن ابی حسان یقال صالح بن حسان البصری
قال ابوحاتم منکر الحدیث قال احمد لیس بشئ قال (خ) منکر الحدیث
قال س متروک صـ ۴۰۹ جلد ۲

(پندرھویں روایت نکاح اصبغ بعد مصعب ونا راضی عبد الملک ترتیب نکاح

عبد الله بن حسن ۔ مصعب ۔ اصبغ بن عبد العزیز فخاف علیہما الفتنة
وحکم سلیمان بن عبد الملک بطلاق)
ھرون بن زیات کوئی نہیں ہے ۔ شاید ہارون بن زیاد ہو قال ابن حبان
کان ممن یضع الحدیث صـ ۵۲۱ جلد ۲ = ابوحذیفه ابوحذیفه غیر منسوب
شیخ یحیی بن ہانی بن عروہ مجہول تقریب صـ ۴۱۵ = مصعب مذکور ہوا زبیر بن بکار کا
چچا ہے متہم بکذب
(سولھویں روایت ضمیمہ نمبر ۵ کہ سب سے پہلے اصبغ سے عقد ہوا)

ابن الکلبی مذکور ہوا کذاب۔ جوہری مجہول۔ عمر بن شیبہ عمر بن شیبہ عن سعید المقری و نعیم المجمر قال ابو حاتم مجہول صفحہ ۲۳۵ میزان جلد ۲
عبد اللہ بن محمد بن حکیم مجہول

(سترہویں روایت عقد مصعب در حال حکومت بصرہ)

عمر بن شیبہ مذکور ہوا مجہول۔ محمد بن یحییٰ محمد بن یحییٰ بن رزین المصیصی قال ابن حبان دجال یضع الحدیث صفحہ ۴۵۶ جلد ۲

(اٹھارہویں روایت طلاق زید بن عمر بن عثمان)

ابو زید سعید بن اوس ابو زید انصاری۔ سمعت الانصاری یکذب به سئل ابو زید الانصاری عن ابی عبیدة فقال کذاب صفحہ ۳۳۵ جلد ۱
محمد بن یحییٰ بن شہاب زہری مجہول اور بہت سے محمد بن یحییٰ وضاع و کذاب ہیں محمد بن یحییٰ۔ ابو عروبة المدنی قال الدارقطنی متروک ۹ محمد بن یحییٰ بن قیس مازنی الشیبانی قال ابن عدی احادیثه مظلم محمد بن یحییٰ بن ضرار مازنی قال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج به قال ابن حبان لا یشک انه موضوع محمد بن یحییٰ بن شیبہ حافظ (الشرب الخمر) محمد بن یحییٰ حفار روی حدیثا منکرا محمد بن یحییٰ بن اسکندرانی روی مناکیر محمد بن یحییٰ بن عیسیٰ سلمی اتی بخبر موضوع اتہم به محمد بن یحییٰ حجری قال العقیلی لا یتابع علیه محمد بن یحییٰ ابو یعلیٰ البصری یروی عن الضعفاء محمد بن یحییٰ بن اسمعیل تیمی تمار قال الدارقطنی لیس بالمرضی قلت اتی بخبر منکر محمد بن یحییٰ بن راهب قد تکلم فی سماعه و بعض المحدثین یتہمونه بانه حدث بما لم یسمعه محمد بن یحییٰ بن قاضی العراق

لیس بثقة ۔ ز در طبقہ توفی ۲۱۳ھ محمد بن یحییٰ سمعان
اسلمی قال ابوحاتم تکلم فیہ یحییٰ القطان ص ۴۵ لغایۃ ۱۵۵
جلد ۲

(انیسویں روایت ابراہیم دوسرے طور پر حضرت سکینہ نے ام اشعث سے پوچھا کہ کوئی بھی خبر ہے)

حرمی بن ابی العلا مجہول ۔ زبیر بن بکار کذاب ۔ عن عمہ مصعب منہم بکذب

(بیسویں روایت ضمیمہ ۱۸ قصہ اشعث و نخل زید بن عمر)

ہرون بن زیات مجہول مذکور ہوا ۔ کتاب قاسم بن یوسف مجہول ۔
ھیثم بن عدی وضاع کذاب ۔ اشعث ۔ اشعب بن جبیر الطامع لا عن عبداللہ
بن جعفر و سالم قال الازدی لا یکتب حدیثہ ص ۱۰۲ ج ۱ ۔ اس کا کچھ حال سابقاً مذکور
ہوا کہ بڑا لالچی تھا ۔ اسی اشعب کو شرابی غلام حضرت سکینہ بتاتے ہیں جیسا کہ مذکور ہے

(اکیسویں روایت سلام اہل کوفہ)

احمد بن عبد اللہ بن عمار مجہول ۔ سلیمان ابن ابی شیخ مجہول
محمد بن حکیم محمد بن حکم مروزی قال ابوحاتم مجہول محمد بن ابی الحکم مجہول
محمد بن الحکم الکابلی فیہ جہالہ ص ۴۷ ج ۴ عوانہ مجہول ۔

(بائیسویں روایت اشتیاق حضرت سکینہ دوسرے مصرع کیلئے)

حسن بن احمد حسن بن احمد ابو علی الفارسی النحوی صاحب التصانیف کان متہما
بالاعتزال حسن بن احمد الحربی یوضع الحدیث حسن بن احمد
بن مبارک الکستری روی خبرا موضوعا الحسن بن احمد الحکیم
لا یعرف ص ۱۹۵ جلد ۱

مدائنی مذکور ہوا۔ علی بن محمد ابو الحسن المدائنی الاخباری صاحب التصانیف
لیس بالقوی فی الحدیث وھو صاحب الاخبار ۲۲۵

(تیئسویں روایت علاج مسہ)

ہرون مجہول۔ علی بن محمد نوفلی مجہول ہے نہیں ملا۔ عن ابیہ مجہول
عن عمہ مجہول۔

(چوبیسویں روایت اجتماع شعرا ضیافت میں)

حسن بن علی مذکور ہوا محمد بن قاسم بن مہرویہ مجہول عیسیٰ بن اسمعیل
یہ نام کہیں نہیں مجہول ہے۔ محمد بن سلام مذکور ہوا جس میں بہت سے لوگوں کا نام ہی
اکثر مجہول ہیں مدائنی مذکور ہوا محمد مجہول۔ ابی الازہر مذکور ہوا متہم بوضع
عمر بن شبیہ مجہول۔

(پچیسویں روایت اجتماع راویان شعرا)

ابن ابی الازہر مذکور ہوا متہم بوضع۔ حماد چند راویوں کا نام ہی اسوجہ سے نہیں معلوم
ہو سکتا۔ ابی عبد اللہ زبیری یہ نام بھی مجہول ہے۔

(قصہ فرزدق وبخشش کنیز)

محمد بن عمر حبان کوئی اس نام کا نہیں ہے۔ مدائنی مذکور ہوا۔ ابی یعقوب ثقفی
یحییٰ بن ابراہیم ثقفی کوفی قال ابن عدی روی عن الثقات ما لا یتابع علیہ ج ا
عامر شعبی ممدوح ہے۔ ابو عبیدہ معمر بن مثنی سنہ ۲۱۰ میں اسکی وفات ہے
پھر کیونکر اسکی روایت درست ہو سکتی ہے۔ ملاقات راوی شرط ہے۔

(چھبیسویں روایت وفات حضرت سکینہ)

محمد بن عبید اللہ بن عمار مجہول۔ احمد بن عبد العزیز [illegible] مجہول

احمد بن علی نوفلی مجہول ۔ حدثنی ابی مجہول ۔ عن ابی مجہول ۔

اس بحث میں بہت کچھ دیدہ ریزی کیگئی کتاب میزان الاعتدال ۔ تقریب التہذیب خلاصہ تہذیب الکمال وغیرہ کتب رجال سے کام لیا گیا جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے راویوں کا تو کوئی نشان ہی نہیں کسی کتاب میں کتاب رجال سے اونکا وجود نہیں ۔ اور جن لوگوں کا حال معلوم ہوا اونمیں سب یا اکثر خبیث ۔ وضاع ۔ دجال ۔ کذاب ہیں جنکی روایتوں پر اغانی ہی والا اعتماد کر سکتا ہے ۔ جو خود بھی بتصریح میزان الاعتدال و لسان المیزان وغیرہ اکذب الناس تھا ۔

ہاں مسٹر شرر اس سے خوش ہو سکتے ہیں کہ ان روایتوں میں اکثر راوی مثل شرر قصہ گو ہیں اور فسانہ ساز ۔ جس سے گو وہ بڑے بڑے علمار محدثین کی اصطلاح میں خبیث کہلائیں یا رجل سو رکا خطاب پائیں مگر شرر کے ہم جنس ضرور ہیں جیر وہ ایک طرح کا فخر کر سکتے ہیں ۔ یہ فخر اون کا اوسوقت اور تیز ہو جائیگا جب انکو معلوم ہوگا کہ اون کے مقدس مذہب میں کیسے کیسے مقدس علمار محدثین گزرے ہیں جنہوں نے ایک دو یا دس بیس وضعی حدیث نہیں بنائی بلکہ ہزار دو ہزار دس بیس ہزار وضعی حدیثیں گڑھ دی ہیں ۔ جنکی اشاعت کیلئے اگر عمر دجال بھی انکو ملے تو ناکافی ۔ چار پانچ سو نام تو آج بھی ہم نے خود ان کے علما کے اقرار سے ایسے نکالے ہیں جو وضاع و کذاب تھے اور اونکی روایتیں رونق افزا سے صحاح ستہ ہو رہی ہیں ۔ مگر اس رسالہ کے طول کے خیال سے یہاں صرف اون علمار محدثین و مقدسین کے ناموں کا ایک جدول لکھ دیا جاتا ہے جنکے موضوعات کی تعیین کر دی گئی ہے اور مقدار اسکی بتائی گئی ہے کہ ہزار حدیثیں بنائیں یا دو ہزار ۔ جس سے مسٹر شرر کا دماغ عرش بریں پر پہونچیگا ۔ اور وہ سمجھیں گے کہ کیسے کیسے مقدس علما ان کے حمایت دین میں کیسی کیسی سرگرمیاں کر گئے ہیں ۔ اور کیا کچھ ذخیرہ اپنے لائق اخلاف کے لئے چھوڑ گئے ہیں ۔ جس سے لاکھوں " دلگداز " مرتب ہو سکتا ہے اور اس کا ثواب اُن ارواح کو ابد الآباد ملتا رہیگا ۔

نام عالم و راوی حدیث موضوع	تعداد موضوعات	صفحہ کتاب
۱ ابن جعو ابوسعید شیخ بصری	کہا ابن حبان نے کہ اس شیخ نے وضع کیا ابوحنیفہ پر ۴ سو حدیث سے زیادہ کہ ہرگز ابوحنیفہ نے نہیں بیان کیا۔	۱۰ میزان
۲ احمد بن عبداللہ بن خالد جویباری	کہا بیہقی نے میں خوب پہچانتا ہوں جویباری کو کہ اس نے ہزار حدیثوں سے زیادہ وضعی حدیثیں بنائیں۔ ابوحنیفہ یجیء دا اللہ سنتی علی ریدی کا - اسی کی بنائی ہوئی ہے۔	۴۴ میزان الاعتدال
۳ احمد بن محمد بن عمر بن یونس بن قاسم حنفی ابو سہیل	کہا قاسم مطرز نے کہ پانچسو حدیثیں اس نے ایسی بیان کیں کہ ایک حرف بھی اوس کا دوسرے کے پاس نہیں ان اللہ یتجلی للخلائق یوم القیامہ عامۃ و یتجلی لک (ابابکر) خاصۃ اسکے موضوعات سے ہے۔ تکذیب اسکی کی ابوحاتم و ابن صاعدہ نے	۵۸ میزان
۴ احمد بن محمد بن فضل قیسی اٹی	کہا ابن حبان نے کہ اس شیخ نے ۴ ہزار سے زیادہ وضعی حدیثیں روایت کیں اور پانچسو حدیثوں سے زیادہ میں نے لکھیں جو سب موضوع ہیں۔	۶۰ میزان
۵ احمد بن محمد بن عمرو بن مصعب بن بشر بن فضالہ ابو بشر مروزی فقیہ المتوفی ۳۲۳ھ	کہا ابن حبان نے یہ وضع کرتا تھا متون کا اور اسناد کو منقلب کرتا۔ شاید دس ہزار حدیث سے زیادہ میں اس نے تقلیب کی اور ۳ ہزار سے زیادہ میں نے اوس سے لکھی جو بیشک مقلوب ہے۔ کہا دارقطنی نے کہ یہ وضع کرتا تھا حدیثوں کو۔	۶۰ میزان

۹ اسحق بن ابی یحیی کعبی	کہا ابن عدی نے قریب دس حدیث منکر کے انکی روایت ہے کہا ابن حبان نے اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے	۶۴
بشر بن الحسین اصبہانی	کہا ابن حبان نے کہ بشر بن حسین روایت کرتا ہے زبیر بن عدی سے ایک کتاب جسمیں ڈیڑھ سو حدیثیں ہونگی وہ سب موضوع ہیں	۱۲۷
۸ بشر بن عون قرشی شامی	سلیمان بن عبدالرحمن دمشقی اس سے روایت کرتے ہیں ایک نسخہ قریب سو حدیث کے کہ سب موضوع ہے۔	۱۲۹
۹ جعفر بن زبیر انکی روایت سنن ابن ماجہ میں موجود ہے۔	کہا شعبہ نے کہ جعفر بن زبیر نے چار سو حدیثیں وضعی بنائیں رسول اللہ پر۔	۱۶۴
۱۰ جعفر بن سعد بن سمرہ عن ابیہ	کہا ابن قطان نے کہ ان لوگوں کا حال مجہول ہے تقریباً سو حدیثیں اسی سند سے بزار نے گنی ہیں اور ۶ حدیثیں اونکی سنن ابی داؤد میں ہیں۔	۱۶۵
۱۱ جعفر بن عبدالواحد ہاشمی قاضی المتوفی ۲۵۸ھ	اس کو مستعین باللہ نے منصب قضا سے معزول کیا اور بصرہ کیطرف خارج البلد کیا۔ اصحابی کالنجوم من اقتدی بشیئ منہا اہتدی اسی کے بلاؤں سے ہے کہا دارقطنی نے وضعی حدیثیں بنایا تھا۔ ابن عدی نے بہت سی حدیثیں اسکی نقل کیں جو سب بواطیل ہیں۔ اور بعض مسروق ہیں۔	۱۶۷

نام راوی حدیث موضوع	تعداد موضوعات بتصریح محدثین	صفحہ کتاب
۱۲ حرب بن اسد محاسبی عارف عالم صوفیہ بہت سی تصنیفوں کا مصنف ہے۔	کہا امام ابوزرعہ نے کہ یہ سب کتابیں بدعت و ضلالت ہیں ہرگز نہ دیکھنا چاہیے۔ امام ذہبی کہتے ہیں کاش امام ابوزرعہ متاخرین صوفیہ کی کتابیں دیکھتے مثل قوت القلوب ابوطالب اور بہجۃ الاسرار ابن جہضم حقائق التفسیر سلمی اور تصانیف ابوحامد طوسی اور جو موضوعات احیاء العلوم میں ہیں۔ کیا حال ہوتا ابوزرعہ کا۔ اگر دیکھتے غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر اور فصوص الحکم و فتوحات مکیہ وغیرہ	۱۷۴
۱۳ حبیب بن ابی حبیب خرطی مروزی	واضعین حدیث سے تھا جس نے یہ روایت بنائی کہ جو شخص روزہ رکھے بروز عاشورہ تو ستر سال کے صیام و قیام کا ثواب اسے ملیگا۔ اور دس ہزار فرشتوں کا ثواب۔ اور سبع سموات کا ثواب اور جو افطار کرائے بروز عاشورا اسنے گویا افطار کرایا تمام امت محمدیہ کو۔ اور جس نے ایک بھوکے کو سیر کیا اوس نے تمام امت محمدیہ کو سیر کیا۔ اگر یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے بروز عاشورا تو ہر موئے سر کے عوض میں درجہ اوس کا بلند ہوگا۔ یہ حدیث نہایت طولانی ہے جسمیں یہ بھی ہے کہ عرش۔ کرسی قلم جنت بروز عاشورا پیدا ہوئی حضرت آدم بروز عاشورا ساکن جنت ہوئے۔ ولادت رسول اللہ اور استوائے خدا علی العرش اور قیامت بھی بروز عاشورا ہوگی۔	۱۸۳

نام عالم اور راوی حدیث موضوع	تعداد موضوعات	صفحہ کتاب
۱۴ الحسن بن علی بن زکریا بن صالح ابوسعید عدوی بصری المتوفی سنہ ۳۱۹ھ غالباً اسکی روایت بھی حضرت سکینہ کے متعلق اغانی سے مرقوم ہے	کہا ابن عدی نے وضع کرتا تھا حدیثونکو کہا ابن حبان نے ایک ہزار حدیث سے زیادہ موضوعات اس نے روایت کی۔	۲۰۸
۱۵ الحسن ابن علی بن ابراہیم بن یزداد استاذ ابوعلی اہوازی مقری صاحب تصانیف ومقری شام	تصنیف کیا اس نے ایک کتاب صفات میں اگر نہ تصنیف کرتا تو بہتر تھا کیونکہ اس کتاب میں بہت سے موضوعات و فضایح کو جمع کیا ہے۔	۲۰۹
۱۶ حسین بن یحیی اختانی	کہا ابن جوزی نے اس نے وضع کی یہ حدیث کہ حضرت نے فرمایا معویہ سے کہ تو آیۃ الکرسی کہ اگر کوئی اسے پڑھیگا تو اس کا ثواب ہمیشہ تجھ ملتا رہیگا۔	۲۲۷
۱۷ الحکم بن عبداللہ بن خطاف ابوسلمہ	کہا ابوحاتم نے کذاب ہے۔ کہا دارقطنی نے وضع کرتا تھا حدیث زہری عن ابن المسیب سے قریب پچاس حدیث کے روایت کی جسکی مطلق اصل نہیں۔	۲۳۶
۱۸ الحکم بن عبداللہ بن سعد ایلی	کہا احمد نے حدیثیں اسکی کل موضوع ہیں	۲۳۷
۱۹ حابجہ بنت مصعب کی حدیثیں ترمذی و ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ المتوفی سنہ ...	ابن عدی نے قریب بیس حدیث کے مناکیر و غرائب سے اسکے ترجمہ میں لکھے ہیں	۲۷۹
۲۰ داؤد بن عفان	کہا ایک نسخہ موضوعہ کی روایت کرتا ہے انس ابن مالک سے جسکی ایک حدیث یہ ہے امین سات ہیں لوح قلم اسرافیل میکائیل جبرائیل محمد صلعم معویہ	۲۸۴

نام عالم راوی حدیث موضوع	تعداد موضوعات بتصریح محدثین	صفحہ کتاب
۲۱ داؤد بن محمد بن قحذم جسکی روایت سنن ابن ماجہ میں موجود ہے۔ المتوفی سنہ ۲۰۶	کہا دار قطنی نے کتاب العقل کو وضع کیا میسرہ بن عبد ربہ نے پھر اوسے چرالیا داؤد بن محمد نے اور دوسرے اسنادسے اسکی ترکیب دی اور سرقہ کیا اوس کا عبد العزیز بن رجا نے پھر سرقہ کیا اوس کا سلیمان بن عیسی سنجری نے	۲۸۸
۲۲ ذوالنون مصری زاہد عارف اولیاء اللہ میں داخل ہیں سنہ ۲۴۵	کہا دار قطنی نے اسکی حدیثیں قابل نظر ہیں۔ مصر میں اسپر کفر و زندقہ کا بھی حکم دیا گیا تھا۔	۲۹۲
۲۳ ربیع بن محمود ماردینی	سنہ ۵۹۹ میں یہ اس کا مدعی ہوا کہ میں صحابی رسول ہوں علامہ ذہبی اسکو دجال مفتری لکھتے ہیں	۲۹۸
۲۴ رتن ہندی المتوفی سنہ ۶۳۲	شیخ دجال سنہ ٦ میں مدعی صحبت رسول ہوا	
۲۵ روح بن عبادہ قیسی حافظ مشہور ہے سنہ ۲۰۵	ابن مدینی سے روایت ہے کہ روح کے ایک لاکھ سے زیادہ حدیثوں سے ۱۰ ہزار حدیث میں نے لکھی۔ بارہ آدمیوں نے اسپر اعتراض کیا اور ابو داؤد کا بیان ہے کہ قواریری نے اسکی نو سو ۹ حدیثوں پر انکار کیا جسے امام مالک سے وہ روایت کرتا ہے	۳۰۵
۲۶ زیاد بن میمون ثقفی فاکہی	کہا ابو داؤد نے خود مجھ سے اقرار کیا اس نے کہ میں نے یہ حدیثیں وضع کی ہیں۔	۳۲۰
۲۷ زید بن حسن بن زید بن ناصر حسینی	وضع کی اس نے چالیس ۴۰ حدیث	۳۴۳
۲۸ زید بن رفاعہ ہاشمی ابو الخیر	کہا ابن جوزی نے کذاب وضاع دجال تھا وضع حدیث میں معروف ہے چالیس ۴۰ وضعی حدیثیں اس کی سرقہ کی ابن ودعان نے	۳۴۴
۲۹ زید بن عبد الصمد بن مسعود دمشقی ابو القاسم	متہم ہے بوضع چالیس حدیث کے آداب میں	۳۲۵

نام عالم و راوی حدیث موضوع	تعداد موضوعات بتصریح محدثین	صفحہ کتاب
۳۰ اسعد بن طریف اسکاف حنظلی	کہا ابن حبان نے یہ وضع کرتا تھا حدیث فی الفور	۴۴۳
۳۱ سلیمان بن عمر ابوداؤد نخعی کذاب	بڑا عابد و زاہد تھا اور نہایت مرد صالح تھا ظاہر میں مگر بڑا وضاع تھا	۴۷۶
۳۲ سلیمان بن عیسیٰ بن نجیح سنجری	کہا جوزجانی نے کذاب مصرح ہے کہا ابن عدی نے یہ وضع کرتا تھا حدیث کو اسکی تصنیف ایک کتاب تفضیل العقل ہے دو جزوں میں یہی راوی ہے اس روایت کا کہ ان اللہ امرنی بحب اربعہ ابی بکر و عمر و عثمان و علی	۴۷۷
۳۳ سلیمان بن عثمان فوزی	خود میزان میں چار پانچ حدیثیں انکی موضوعات سے لکھی ہیں قال ابوزرعہ ہذہ الاحادیث مستوۃ موضوعہ	۴۸۳
۳۴ سوید بن ابراہیم بصری عطار ابوحاتم	ابن عدی نے ان کے ترجمہ میں چودہ ۱۴ حدیثیں لکھی ہیں ثم قال بعضہا لا یتابع علیہا احد و قال ابن حبان فاسق یروی الموضوعات	۴۹۰
۳۵ سیف بن محمد کوفی خواہر زادہ سفیان ثوری	کذاب خبیث کاہن تھا۔	۴۹۴
۳۶ طلحہ بن زید رقی کہا جاتا ہے کہ قرشی تھا	ان کے موضوعات میں یہ روایت زیادہ مشہور ہے ان رسول اللہ قال العمر انت ولی فی الدنیا و ولیی فی الآخرۃ کہا علی بن مدینی نے طلحہ وضع حدیثیں بناتا اور کہا صالح جزرہ نے نہ لکھی جاوے حدیث اوسکی	۴۲۸
۳۷ عبداللہ بن ابی جعفر رازی	کہا محمد بن حمید رازی نے کہ سنا میں نے اوس سے ۱۰ ہزار حدیث اور پھینک دیا کہ مرد فاسق تھا۔	۲۹ جلد ۲
۳۸ عبداللہ بن حرب صنعانی	کہا ابن حبان نے کہ یہ دجال تھا عبدالرزاق اور دوسرے	

نام راوی حدیث موضوع	تعداد موضوعات بتصریح محدثین	صفحہ کتاب
	شیوخ عراق پر وضعی حدیثیں بنایا کرتا اس نے عبدالرزاق سے ایک کتاب روایت کی جو سب وضعی ہے	۲۶
۳۹ عبداللہ بن محمد بن جعفر ابو القاسم قزوینی فقیہ قاضی شافعی ۳۱۳ھ	یہ مذہب شافعی کا بڑا عالم تھا جس کا مصر میں بہت بڑا حلقہ تھا اور عبادت و تقویٰ ظاہری کرتا۔ بہت سی حدیثیں وضعی بنائیں متون معروفہ پر۔ اور بہت سے نسخوں میں اس نے زیادہ کیا جس سے فضیحت ہوا۔ اور اسکے سامنے اوسکی کتابیں پھاڑ ڈالی گئیں کہا حاکم نے اس نے کتاب سنن شافعی تصنیف کی جسمیں قریب ۲ سو کے ایسی حدیثیں ہیں کہ ہرگز شافعی نے نہیں بیان کیا	۲۷ جلد ۲
۴۰ عبدالرحمن بن داؤد واعظ	اس نے مغرب میں صحیح بخاری کی حدیث بیان کی ۳۶۰ھ میزان الاعتدال اسکے قضاء حوائج میں موضوع ہے۔	۹۳ جلد ۲
۴۱ عبدالرحیم بن حبیب فاریابی	کہا ابن حبان نے ۵۰۰ سے زیادہ حدیثیں اس نے رسول اللہ پر وضع کیں۔	۱۱۲
۴۲ عبدالعزیز بن ابی رواد صحاح ستہ میں انکی روایت موجود ہیں	کہا ابن حبان نے ایک نسخہ موضوعہ کا راوی ہے ابن عمر سے	۱۲۳
۴۳ عبدالکریم بن ابی العوجا	اسکو محمد بن سلیمان عباس امیر بصرہ نے قتل کیا بوقت قتل اس نے بیان کیا میں نے چار ہزار وضعی حدیثیں تم لوگوں میں بنائیں جنمیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا۔	۱۳۰
۴۴ عبدالمنعم بن ادریس مشہور قصہ گو ۲۲۸ھ	عکاشہ والی روایت اسکی بنائی ہوئی ہے (اصلاح ۲۰۳ جلد ۴ ملاحظہ ہو) کہا ابن حبان نے یہ وضع کرتا تھا حدیثوں کو اپنے باپ پر اور اوسکے سوا اور لوگوں پر۔	۱۲۰

نام عالم و راوی حدیث موضوع	تعداد موضوعات تصریح محدثین	صفحہ کتاب
عبد المنعم بن بشیر ابو الخیر انصاری مصری۔	کہا حنبلی نے سُنا میں نے ابن معین کو کہ عبد المنعم نے قریب دو سو حدیثوں کے تخریج کی ابی مودود سے میں نے کہا یہ سب دروغ ہے۔	۱۴۰
۴۶ ابو مودود عبد العزیز بن ابی سلیمان	عبد المنعم کا شیخ ہے جسکی دو سو وضعی حدیثوں پر ابن معین نے موضوعیت کا حکم کیا	۱۴۰
۴۷ عثمان بن مقسم بری ائمہ اعلام سے ہے اسکی تصنیف بھی ہے اور بہت سے لوگ اس سے روایت کرتے ہیں۔	یہ میزان کا بروز قیامت منکر ہے ۔ کہا جوزجانی نے کذاب ہے یہ شخص ابو ہریرہ کو کاذب جانتا تھا۔ کہا یحییٰ بن معین نے عثمان برّی مشہور وضاعین و کذابین سے تھا۔ میزان کا انکار کرتا ۔ ۲۰ حدیث وہ روایت کرتا ہے ۔ علی عبداللہ وعمر سے جو کل باطل ہیں۔ کہا ابن عدی نے کہ شیبان کے پاس ۲۵ ہزار حدیث عثمان کی تھی جو نہ لیگی۔ ابوداؤد کہتے تھے میرے سینہ میں دس ہزار حدیث عثمان بری کی ایسی ہے جسے نہ بیان کیا میں نے ۔	۱۷۳
۴۸ علا بن زید ثقفی بصری	کہا ابن حبان نے کہ روایت کی انس سے ایک نسخہ موضوعہ کا قطب وابدآل کی روایت کا واضع یہی ہے ۔	۱۹۰
۴۹ عمر بن ہارون بلخی بڑا اعلام تھا من اوعیۃ العلم	ابن جریج ان کے بہنوئی ہیں۔ کہا ابو غسان ربیع نے کہ ۷۰ ہزار حدیث اسکی پھینکدی ۔ کہا صالح جزرہ نے کذاب ہے ۔ کہا یحییٰ نے کذاب خبیث ہے۔	۲۴۵
۵۰ عمر بن حکام عن شعبہ	کہا احمد بن حنبل نے کہ چار ہزار حدیثیں یہ روایت کرتا تھا جس سے ترک کردی گئی حدیث اسکی	۲۵۵

حدیث کی موضوع	[illegible]	صفحہ لسان
۵۱ کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف بن زید مزنی	امام ترمذی اسکی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں جس سے خود اونکی کتاب پر وثوق نہ رہا۔ کہا ابن حبان نے کثیر اپنے باپ دادا سے نسخہ موضوعہ کا راوی ہے	۳۴۰
۵۲ محمد بن احمد بن عبد اللہ بن عبد الجبار عامری شیعہ تھا	کہا ابن یونس نے جھوٹھ بناتا تھا اور نسخہ موضوعہ کی روایت کی اوس نے۔	۳۴۲
۵۳ محمد بن اسحق بن یسار ابو بکر مخزومی ائمہ اعلام سے ہیں جنکی سیرت مشہور ہے شعبہ انکی نسبت فرماتے ہیں ابن اسحق امیر المومنین ہے فن حدیث میں	کہا ابو داؤد نے قدری ہے معتزلی۔ اور کہا سلیمان تیمی نے کذاب ہے۔ اور کہا ہشام بن عروہ نے کہ کذاب ہے۔ کہا امام مالک نے وہ دجّال ہے منجملہ اور دجالوں کے۔ کہا یحیی نے تعجب ہے ابن اسحق سے کہ وہ حدیث لیتا ہے اہل کتاب سے۔	۳۴۴
۵۴ محمد بن حفص حرامی	ابو بکر بن ابی عیاش سے اربعین کا راوی ہے جسکی آفت یہی شخص ہے۔	۳۷۰
۵۵ محمد بن حمید رازی حافظ دریائے علم ہے	تکذیب اسکی کی ہے ابو زرعہ نے کہا فضلک رازی نے کہ ابن حمید کے پاس پچاس ہزار حدیث ہے جسکے ایک حرف کی بھی میں روایت نہیں کرتا۔ کہا صالح جزرہ نے میں اوسکو ہر حدیث میں متہم جانتا ہوں کہا صالح جزری نے دروغگوئی میں اس سے بڑھکر کوئی کامل نہ تھا۔	۳۷۱
۵۶ محمد بن عبد الرحمن بن بیلمانی	کہا ابن حبان نے کہ اپنے باپ سے یہ روایت کرتا ہے ایک نسخہ موضوعہ کا جسمیں قریب دو سو حدیثوں کے موضوع ہے۔	۴۰۵
۵۷ محمد بن عمر بن واقدی	کہا احمد نے کذاب ہے کہا ابو حاتم اور نسائی نے کہ حدیث	

نام عالم و راوی حدیث ہائے موضوع	تعداد موضوعات بتصریح محدثین	صفحہ کتاب
قاضی امیر المومنین فی الحدیث ~~نسلہ~~ تاریخ واقدی فتوحات شام وغیرہ اسکی مشہور ہے۔	وضع کرتا۔ ابن مدینی کہتے ہیں واقدی وضاع حدیث ہے۔ اور کہتے تھے کہ واقدی ۳۰ ہزار حدیث غریب کا راوی ہے نہ اسکو میں حدیث میں پسند کرتا ہوں نہ نسب میں نہ اور کسی فن میں	۴۲۶
۵۸ محمد بن محمد بن اشعث کوفی	قریب ہزار حدیث کے ایک مجموعہ میں اس نے روایت کی اور ابن عدی نے چند موضوعات اسکے بیان کئے۔ اور کہا دارقطنی نے کہ اسکی وضاعیت کی یہی دلیل ہے جو روایت علویات بیان کرتا ہے۔	۴۴۳
۵۹ محمد بن مزید بن ابی الازہر زبیر بن بکار سے روایت کرتا ہے احوال حضرت یحییٰ میں بھی اسکی روایت ہے (۴۴۵)	کہا خطیب نے بہت سی روایتیں اس نے وضع کیں۔ دارقطنی اس سے روایت کرتا ہے۔	۴۴۵
۶۰ محمد بن یوسف بن یعقوب رازی	ابوبکر بن زیاد نقاش اس سے روایت کرتے ہیں بہت سی حدیثیں قرأت میں بنائیں۔ کہا خطیب نے متہم ہی بوضع حدیث اور کہا دارقطنی نے قریب ۶۰ نسخہ کے قرأت میں اس نے بنائے جسکی کوئی اصل نہیں اور حدیثیں اتنی بنائیں کہ ان کا شمار نہیں۔	۴۶۰
۶۱ محمد بن یونس بن موسیٰ قرشی شامی کدیمی حافظ وفات ۲۸۶	کہا ابن حبان نے ہزار حدیث سے زیادہ اس نے وضع کیا ہوگا۔	۴۶۱
۶۲ محمد بن یوسف فریابی شیخ بخاری	۱۵۰ حدیثوں میں اس نے غلطی کی	۴۶۰

[illegible]عالم وراوی [illegible]یث موضوع	تعداد موضوعات بتصریح محدثین	صفحہ کتاب
۶۳ [illegible]علے بن عبد الرحمن [illegible]اسطی	کہا دارقطنی نے ضعیف ہے کذاب۔ کہا ابن مدینی نے وضعی حدیثیں بناتا تھا۔ ۹۰یا۷۰ حدیثوں کے وضع کرنے کا خود اوس نے اقرار کیا۔	۴۸۹
۶۴ [illegible]علے بن بلال [illegible]بن سویطحان [illegible]کوفی عابد	کہا ابن المبارک و ابن المدینی نے کہ وضع کرتا حدیثوں کو اور کہا ابن معین نے وہ مشہور والضعین و کاذبین سے تھا۔ کہا احمد نے کل حدیثیں اسکی وضعی ہیں۔	۴۹۹
۶۵ [illegible]مقاتل بن سلیمان بلخی [illegible]مفسر کہا ابن المبارک نے اس علم کا مانند دریا کے تھا۔ اور کہا شافعی نے ہر شخص علم التفسیر میں اس کا محتاج [illegible] ۱۵۰ھ	کہا وکیع نے کذاب تھا۔ کہا عباس بن مصعب نے کہ مقاتل جامع مرو میں وعظ کیا کرتا تھا۔ جب جہم وہاں آیا اور دونوں میں عداوت ہوئی تو ہر ایک نے وضعی روایتوں کی کتابیں ایک دوسرے کے رد میں بنائیں۔ کہا جوزجانی نے دجال تھا جسور۔ اسکی کتاب ہے خمسمایہ (۵۰۰) جسکی روایت کرتا ہے ابو نصیر۔ کہا ابن حبان نے کہ یہود و نصاری کی روایتیں تفسیر قرآن میں داخل کرتا تھا۔ اور وضعی حدیثیں بناتا تھا۔	۵۰۰
۶۶ [illegible]منصور بن عبد الحمید [illegible]مروزی عن [illegible]ابی امامہ باہلی	کہا ابن حبان نے ایک کتاب روایت کرتا ہے جسمیں قریب ۴۰ سو روایت کے ہے کہ اکثر اونمیں سے موضوع ہے۔ نہیں جائز ہے روایت کرنا اوس سے	۵۰۴
۶۷ [illegible]موسی بن عبد الرحمن [illegible]ثقفی صنعانی	کہا ابن حبان نے دجال ہے وضع کیا اس نے ایک کتاب تفسیر میں بسلسلہ ابن جریج عن عطا عن ابن عباس	۵۱۴
۶۸ [illegible]موسی بن مطیر [illegible]عن ابیہ و عنہ [illegible]موسی [illegible]داود الطیالسی	اسکی تکذیب کی ہے یحیی بن معین نے کہا ابن حبان نے عجائب و مناکیر کا راوی ہے کہ ہر سننے والا اوس کو موضوع کہے۔ ایک بڑی کتاب اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔	۵۲۰

نام عالم و راوی حدیثیں وضع	تعداد موضوعات تبصریح محدثین	صفحہ کتاب
۶۹ میسرہ بن عبد ربہ فارسی ثم البصری	فضائل سورہ قرآن کا یہی راوی ہے محمد بن عیسیٰ طباع نے پوچھا تو یہ روایتیں کہاں سے لاتا ہے فضائل قرآن میں۔ تو کہا خود میں نے وضع کیا واسطے ترغیب ناس کے۔ کہا ابن حبان نے یہ روایت کرتا ہے موضوعات کی اثبات سے اور خود وضعی حدیثیں بناتا ہے کہا ابو زرعہ نے ۴۰ حدیثیں اس نے بنائیں فضائل قرآن میں اور کہتا تھا میں خدا سے ثواب کا امیدوار ہوں ۲۰ ورق کی ایک حدیث بنائی قصہ معراج میں۔	۵۲۲
۷۰ نافع بن ابی نعیم قرا مشہور شخص ہے	کہا ابن عدی نے اسکی ایک کتاب ہے جسمیں سو احدیثیں ہوں گی۔	۵۲۶
۷۱ نوح ابن مریم ابو عصمہ مروزی عالم و قاضی مرو سنہ ۱۷۳	کہا حاکم نے وضع کیا ابو عصمہ نے فضائل قرآن میں طولانی حدیث	۵۴۰
۷۲ ہشام بن محمد بن سائب کلبی نسابہ ابو المنذر علامہ اخبار [illegible] سنہ ۲۰۴	کہا احمد نے میں نہیں گمان کرتا کسی نے اس سے حدیث لی ہو قصہ گو تھا۔ اسکی تصنیفیں ۱۵۰ سے زائد ہیں	۵۵۰
۷۳ ہشیم بن بشیر سلمی ابو معاویہ الحافظ احد الاعلام	یہ تدلیس کو جائز جانتا تھا۔ ۲۰ ہزار حدیث اس کے پاس تھیں۔	۱۵۵
۷۴ حماد بن ابراہیم ابو [illegible]	سنہ ۲۵۴ کے بعد اسکی روایتیں بہت ہیں مگر اکثر موضوع ہیں۔	۵۵۲
۷۵ وہب بن وہب بن کثیر قاضی ابو البختری قرشی مدنی سنہ ۲۰۰ یزید بن سفیان ابو المہزم مصاحب ابو ہریرہ	کہا ابن معین نے جھوٹھ بولتا تھا۔ کہا عثمان بن ابی شیبہ نے مجھے گمان ہے بروز قیامت یہ بھی دجال ہوگا۔ کہا شعبہ نے اگر کوئی اس کو ایک پیسہ دیتا تو ۷۰ حدیثیں بنا دیتا۔	۶۰۲

پیدا کی۔ نہایت تحقیق سے فہرست تیار کی ان بزرگان دین کی جنکی پیروی پر جہاں تک مسٹر عبد الحلیم
فخر کرتے ہیں بجائے جنکے موضوعات کی تعیین کر دیگئی ہے کہ کوئی ہزار وضعی حدیث بنا گیا ہے
کوئی ۴۰ ہزار کوئی ۷۰ ہزار اور ۱۰ لاکھ کا بنا دینا تو بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔
بعض بعض فرقے کے ان مقدس علما کی یہ حیثیتیں ہوں۔ جو حافظ حدیث (نہ حافظ قرآن) کہلائیں
منصب قضا پر فائز ہوں کہ اس زمانہ کے کل مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ انکے ہاتھ ہو۔ علم کے
دریائے ناپیدا کنار ہوں۔ امیر المومنین فی الحدیث ان کا لقب ہو جنکی تصنیفوں پر آجتک
کروڑوں مسلمانوں کے دین و ایمان کا دار و مدار ہو وہ لوگ جب ہزاروں جھوٹی حدیثیں بنا جائیں
تو کسکی مجال ہے کہ انمیں حق و باطل جدا کر سکے۔ اور غلط و صحیح کی تمیز کر سکے یہی وجہ ہے کہ صدہا
کتابیں فن موضوعات میں تصنیف ہوئیں مگر آج تک اسکا فیصلہ نہ ہوا نہ ہوگا جب تک دین حق
نہ اختیار کرینگے اور انکی پیروی کرینگے جنکے اتباع کا حکم خدا نے کونوا مع الصادقین
میں دیا ہے۔
مجھے بہت افسوس اسکا ہے کہ اس بحث کو میں پوری وضاحت سے نہ لکھ سکا ورنہ ہزار راویوں سے
زیادہ ان مقدس علما و محدثین کی یہاں آپ زیارت کرتے جنکی روایتوں اور حکایتوں سے
صحاح ستہ اور کل کتب معتبرۂ اہلسنت الامال ہیں مگر ان احسانات کے بعد نتیجہ بھی مخالفت خدا
و رسول کا انکو مل گیا۔ وضاع۔ کذاب انکے کلنک کا ٹیکہ ہے۔
یہ فہرست بھی میں مرتب کر چکا تھا مگر بخیال طول سارا ان اجزا کو نکالدیا۔ انھیں مقدس علما
کے کارناموں کو دیکھکر آپکی تسکین ہو سکتی ہے کہ جب ایک متنفس نے ۳۰۴ حدیثیں وضعی بنائیں تو دس
بیس حدیثیں حضرت سکینہ یا حضرت ام کلثوم کے نذر کر دینا کون سی بڑی بات تھی جس سے آیہ لعنة
اللہ علی الکاذبین کے پڑھنے کا پورے طور پر موقع ملے:
آخر میں اس عبارت کا لکھنا خالی از مناسبت نہ ہو جو مولوی عبد الحی صاحب اپنی کتاب الآثار المرفوعہ
فی الاخبار الموضوعہ میں لکھتے ہیں کہ حدیثوں کی خرابی کی چند قسمیں ہیں (۱) عباد و زہاد وہ لوگ
جنکو خدا پرستی پر سب سے اعتماد ہے وہ لوگ اپنی یاد کے مطابق حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ
حفظ سے غافل ہیں کتابیں انکی ضائع ہو گئیں یا جل گئیں اسوجہ سے خرابی ہوئی (۲) وہ لوگ

باعث خرابی ہین جو علم نقل سے ناواقف ہین اسلیئے اونکی خطائین زیادہ ہوئین (۳) پہلے ثقہ اور معتمد تھے مگر آخر عمر مین اونکی عقلونمین اختلاط ہوگیا اسلیئے اونکی روایتین ناقص ہوئین چنانچہ حافظ ابراہیم حلبی نے ایک رسالہ ہی ایسا لکھا ہی جسمین اون لوگون کے نام ہین جنھین آخر عمر مین اختلاط عقل ہوا (۴) اون غفلت شعارونکی بدولت خرابی ہوئی جو لوگون کے بتانے اور سکھانے سے روایت کرتے اسلیئے بے سمجھے بوجھے وہ روایت کرتے (۵) اون راویون کی بدولت فساد پیدا ہوا جو صحیح سمجھکر روایت کرتے تھے حالانکہ وہ روایتین غلط تھیں جب اونکو اپنی خطا معلوم ہوئی تو اپنی خطا پر اصرار کرتے رہے۔ اونکی غیرت وحمیت نے گوارا نہ کیا کہ اپنی خطا کا اقرار کریں (۶) وہ لوگ ہین جنہون نے کذابین و وضاعین سے روایت کی اور چونکہ یہ سب کذاب و وضاع ہیں۔ اور جب خود اون روایتوں کو بیان کرنے لگے تو اون کذابین کے نام نکالدیا یا چھپادیا (اسکو تدلیس کہتے ہیں) تاکہ یہ روایتین مقبول ہوں اور رواج پائیں انمین بخاری بھی ہیں۔ (۷) وہ لوگ جنہونے بالقصد اور بالعمد وضعی حدیثین بنائیں اور روایت کی خواہ اسناد میں مرتکب کذب ہوئے خواہ نفس حدیث میں۔

(پہلی پانچ قسمونکو مولوی صاحب الزام وضاعیت وکذابیت سے بری کرکے لکھتے ہیں) اس آخری قسم وضاعین وکذابین کی بھی چند قسمیں ہیں۔

پہلی قسم تو اون زندیقوں اور ملحدونکی ہی جنہوں نے بغرض فساد شریعت وایقاع خبط و خلط در امت حدیثین بنائیں جیساکہ عبدالکریم بن ابی العوجا کے بارہ میں نقل ہوا ہی کہ جب قتل کیا جانے لگا تو کہا کہ مینے تم لوگونمین چار ہزار حدیثیں بنائیں جنسے حلال کو حرام کیا اور حرام کو حلال کیا اور جعفر بن سلیمان مہدی سے ناقل ہی کہ ایک زندیق نے اقرار کیا مینے چار سو حدیثیں بنائیں جو لوگونمین دائر وسائر ہی۔ اور حماد بن زید راوی ہے کہ زندیقون نے چار ہزار وضعی حدیثیں بنائیں یہ لوگ شبیہ یہود ونصاریٰ ہیں جنہوں نے کلام خدا میں تحریف کی۔

دوسری قسم اون لوگوں کی ہے جنہونے اپنے مذہب کی حمایت میں حدیثین بنائیں جیساکہ اہل بدعت سے منقول ہی اور عبداللہ بن یزید مقری سے ناقل ہی کہ ایک شخص نے اہل بدعت سے توبہ کیا تو کہا ان حدیثوں میں غور وفکر کرو کہ کس سے روایت کرتے ہو کیونکہ ہم لوگ جب کسی کو پسند کرتے تھے تو اوسکے لیئے حدیث بنا

تھے اور ابن لھیعہ ایک شیخ خارجی سے ناقل ہے کہ حدیثوں دین کا مدار ہے دیکھو کس سے تمنے یہ حدیثیں لی ہیں کیونکہ جب ہملوگ کوئی بات چاہتے تھے تو اوسکو حدیث بنا دیتے۔

تیسری قسم اون لوگوں کی ہے کہ ترغیب (رغبت دلانے) ترہیب (نفرت دلانے) کیلئے حدیثیں وضعی بنایا کرتے تا کہ لوگونکو کسی امر پر آمادہ کریں یا کسی امر سے روکیں چنانچہ مخصوص دنوں یا راتوں کی اکثر حدیثیں اسی قسم کی ہیں۔

انمیں بعض لوگ تو ایسے تھے کہ وہ اس قسم کی روایتوں کا وضع کرنا جائز جانتے تھے جیسا کہ ابی عصام مروزی سے منقول ہے کہ لوگوں نے پوچھا یہ حدیثیں تم کہاں سے لائے ہو جو ہر سورہ کے فضائل کو بواسطہ عکرمہ ابن عباس کی روایت کرتے ہو تو جواب دیا ہم نے دیکھا کہ سب لوگ فقہ ابو حنیفہ اور تاریخ ابن اسحق پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں اور قرآن سے کوئی سروکار نہیں رہا لہذا محض رضا باری کیلئے یہ حدیثیں بنائیں تا کہ لوگ ادھر متوجہ ہوں۔ اور ابو عبداللہ نہاوندی کا بیان ہے میں نے غلام خلیل سے کہا یہ حدیثیں تو کہاں سے بیان کرتا ہے جو دربارہ رقت قلب ہیں تو کہا میں نے خود انکو اس لئے بنایا کہ قلوب عوام میں رقت پیدا ہو۔ اور محمد بن عیسیٰ طباع بیان کرتا ہے کہ میسرہ بن عبد ربہ نے مجھ سے بیان کیا میں نے یہ حدیثیں اس غرض سے بنائیں کہ لوگونکو رغبت ہو۔ اسی قسم سے وہ روایتیں ہیں جو حقہ پینے کی ممانعت میں بعض علما نے لکھیں کہ معمولی شخص بھی دیکھکر انھیں کہہ سکتا ہے یہ سب موضوع ہے۔

چوتھی قسم وہ ہے جو عام طور پر افترا بر رسول کو جائز سمجھتے ہیں۔ ہر اچھی بات کیلئے اونھوں نے سندیں بنا دیں کیونکہ انکا خیال ہے کہ ہر اچھی بات حکم شرعی ہے اوسکی نسبت کرنا رسول اللہ کیطرف جائز ہے

پانچویں قسم اون لوگونکی ہے جنھوں نے خاص خاص غرضوں کیلئے اغراض دنیا سے حدیثیں بنائیں مثل خوشامد سلاطین وغیرہ کے جیسا کہ غیاث بن ابراہیم سے منقول ہے کہ بخوشامد مہدی خلیفہ عباس اوس نے حدیث بنائی۔

چھٹی قسم اون لوگونکی ہے جنہوں نے تعصب مذہبی اور تجمد تقلیدی سے حدیثیں بنائیں جیسا کہ مامون ہروی نے یہ حدیث بنائی جو شخص رفع یدین کرے رکوع میں اوسکی نماز نہیں صحیح ہے یا یہ حدیث بنائی کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اوسکی نماز درست نہیں۔ اسی قسم سے وہ

بہت حدیثیں ہیں جو مذہب شافعی اور منقبت ابی حنیفہ میں بنائی گئیں۔

ساتویں قسم وہ ہیں جو حسب ایس اندھے اور بہرے ہو گئے اور راوی تو پش میں حدیثیں بنائیں۔

آٹھویں قسم اون لوگوں کی ہے جو حدیث صرف اس غرض سے حدیثیں بناتے ہیں کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ ہمارے پاس عجیب و غریب روایتوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ مرض زیادہ تر قصہ گو یوں اور واعظوں کو ہوتا ہے جو روشنی علم سے محروم ہیں۔

اسکے علاوہ اور بہت سی قسمیں ہیں کہ ہر غرض کیلئے وہ حدیثیں بناتے ہیں تا در فوعدہ ... اس عبارت سے جو طولانی کلام ہے اور جسکا نہایت اختصار سے اوس کا ترجمہ کیا ہے ہر یاظر کر جس مذہب میں اس قدر افراط ہو کذابین و وضاعین کی۔ اور اس قدر قسمیں اونکی ہوں کہ خود علما اون کو حد و شمار سے اوسکے عاجز آ جائیں تو میں کس شمار میں ہوں جو اون کا احصا کر سکوں تاہم آپنے ملاحظہ کیا کہ جہاں عام طور پر انکے علماء و محدثین کذاب و ضاع ہیں وہاں قصہ گو ان کے بالخصوص نہایت جھوٹے اور لاغی ہیں۔ یہاں تک کہ خود ابو الفرج اصبہانی مصنف اغانی اکذب الناس ہے جسکے مترجم ہمارے لائق قصہ گو فسانہ ساز مسٹر عبد الحلیم صاحب شرر مصنف دلگداز ہیں۔ اور اوس کے ساتھ یہ بھی آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس قصے کے ہر ہر جزو کا ہر ہر راوی کذاب و وضاع ہے اور دشمن اہلبیت طاہرین تو ان لغویات پر کس عقلمند کو اعتماد ہو سکتا ہے۔

خلاصۃ الکلام

جہاں تک تحقیقات واقعی سے کام لیا گیا اور ہر ہر واقعہ کی علحدہ علحدہ تحقیقات کی گئی معلوم ہوا کہ حضرت سکینہ بنت الحسین معرکہ کربلا میں نہایت کمسن بچی تھیں اور اسی صغر سنی کے عالم میں قید ہو کر دربار یزید پلید میں آئیں۔ یہاں تک تو یقیناً ثابت ہے اور اوسکے بعد بہت سی روایتوں سے آپکی وفات اوسی دمشق میں بھی ثابت ہے بلا قید سن وغیرہ جہاں آپ اسیر ہو کر گئیں۔ اسکے سوا اور کوئی حال صحیح روایت سے ابھی تک معلوم ہوا نہ ایک عقد ہونا نہ متعدد نکاح ہونا نہ ۱۲۶ یا ۱۱۷ تک زندہ رہنا جیسا کہ تفصیل مذکور ہوا۔

اسیکے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔
بڑی حضرت فاطمہ بنت الحسین تھیں جو اپنے چچا کے بیٹے حسن مثنیٰ سے قبل از معرکہ
کربلا منسوب تھیں۔ گر واقعہ کربلا و دربار شام تک وہ بھی صغیر السن تھیں اور دوسری
بہن آپکی حضرت سکینہ ہیں جنکے حالات پر یہ رسالہ لکھا گیا۔ ان دو صاحبزادیوں کے
سوا تیسری صاحبزادی کا وجود نہیں معلوم ہوتا جنکی نسبت یہ مشہور ہی کہ وہ بیمار تھیں اور
اسی بیماری کی وجہ سے مدینہ میں رہ گئیں اور کربلا نہ آسکیں بلکہ اون کا ایک خط کربلا
میں آیا جیسا کہ بعض نامقید ذاکر بیان کرتے ہیں۔

ہاں دو روایت شیعی سے معلوم ہوتا ہی کہ جناب امام حسینؑ کی دو صاحبزادیوں کا نام
فاطمہ تھا ایک صغریٰ ایک کبریٰ۔ فاطمہ صغریٰ وطن میں تھیں جنکی دیوار پر بعد واقعہ کربلا
ایک غراب خون آلود جا کر بیٹھا اور حضرت فاطمہ کو اس ذریعہ سے خبر شہادت کا علم ہوا
بعد اوسکے حضرت کی شہادت کی خبر آئی۔ مگر عام طور پر علماء فریقین اس روایت کو
شاذ سمجھتے ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت الحسین کے بارے میں بھی مخالفین نے یہ بنایا ہی کہ بعد وفات حسن مثنیٰ
ان کا عقد ثانی عبد اللہ بن عمر بن عثمان سے ہوا جس سے محمد دیباج اور قاسم پیدا ہوئے
اس واقعہ میں بھی عجب طرح کی ایک بناوٹ گڑھی ہے جس سے ہر شخص کو اسکی موضوعیت کا یقین ہوتا
ہے۔ چنانچہ نور الابصار میں در اصل یہی منقول ہی کہ جب حضرت حسن مثنیٰ کی رحلت کا وقت
آیا تو اپنی زوجہ فاطمہ بنت الحسین سے کہا۔ میں وہ وقت دیکھ رہا ہوں کہ جب تم بعد میری وفات کے میرے
جنازہ کے پیچھے پیچھے جاؤگی تو عبد اللہ بن عمر بن عثمان بھی بغرض تشییع جنازہ اپنے گھوڑے
پر سوار آتا ہوگا۔ اور کاکل اسکے چھوٹے ہونگے۔ اور قیمتی حلے سے آراستہ ہوگا۔ وہ تم سے نکاح
کرنا چاہیگا تو ہم وصیت کرتے ہیں کہ ہرگز ہرگز اوس سے نکاح نہ کرنا۔ اوسکے سوا جس سے چاہو
نکاح کرو کیونکہ اسوقت ہم دنیا کا اور کوئی غم بجز اسکے نہیں لیجاتے کہ تم سے خوف عبد اللہ سے نکاح میں جانے کا
حضرت فاطمہ نے بہت کچھ دلاسا دیا اور ہزار دن قسمیں کھائیں کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا تم اطمینان تام
سے دنیا سدھارو کہ ہرگز ہم اوس سے عقد نہ کرینگے جب حضرت حسن مثنیٰ کا انتقال ہوا تو وہی واقعہ

جب یہ پیش آیا کہ حضرت فاطمہ منہ پیٹتی جاتی تھیں جنازہ کے ساتھ۔ عبداللہ عثمانی اوسی بیت سے
نکلا جنازہ ہوا جسکی بابت بیٹھے دیکھتے تھے اوسی حالت مشایعت جنازہ میں حضرت فاطمہ کو کہلا بھیجا خدا کے
واسطے تم اپنا منہ اتنی قدر شدید کرکے ہمکو اپنی حالت ہی یہ سنکر حضرت فاطمہ نے مارے شرم کے چہرہ پر نقاب ڈالی
اور اوسکا مطلب پہچان گئیں جب انکی عدت ختم ہوا۔ تو عبداللہ مذکور نے پیغام بھیجا۔ حضرت فاطمہ
نے اپنی قسموں کا عذر کیا کہ بوقت وفات حسن مثنیٰ قسم کھائی ہے اگر میں نکاح کروں تو کل لونڈی غلام
میرے آزاد ہو جائیں اور جو کچھ میرا مال ہے وہ سب صدقہ ہو جائے۔ عبداللہ بن عمر نے کہلا بھیجا اسکی فکر نہ کیجیے
ایک ایک کے عوض ایک بندہ مجھسے لیجیے اور ایک مال کے عوض دو مال۔ غرض اسطرح حضرت فاطمہ نے
قسم کا کفارہ دیا اور عبداللہ بن عمر بن عثمان سے عقد ہوا جس سے اولاد بھی ہوئی ایک کا نام محمد دیباج
دوسرے کا نام قاسم۔ عبداللہ بن حسن مثنیٰ (حضرت فاطمہ کے فرزند اکبر) بیان کرتے ہیں کہ جس درجہ کی
عداوت مجھے عبداللہ بن عمر سے تھی نہ ویسی عداوت مجھے کسی اور سے ہوئی نہ ویسی محبت جو
اوسکے بیٹے محمد (برادر مادری عبداللہ) سے تھی ص ۱۶۹

اس قصہ گو نے سابق والے قصہ میں بہت سے اضافے کیے ہیں جس سے ہمارا اسکا کمال قصہ گوئی میں
ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں بہت سے امور میں اوس کا پھوہڑپن بھی نمایاں ہے جس سے بے ادبی کامل معلوم ہو جاتا
ہے۔ اس قصہ پر بھی آیہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین پڑھنا فرض نہیں تو واجب ضرور ہے۔ کیونکہ پہلے جو گفتگو
لکھی ہے حضرت حسن مثنیٰ اور فاطمہ بنت الحسین کی وہی خود خلاف قیاس اور بعید از عقل ہے کہ حسن مجتبیٰ
کے بیٹے ہیں اور کمسنی ہی سے شوہر ہیں فاطمہ بنت الحسین کے تیس یا چالیس برس کی محبت پر یکایک
کریں کہ بعد میرے دوسرا نکاح کرنا جیسی یہ وصیت کی عبداللہ بن عمر عثمانی کے سوا اور جس سے چاہو
عقد کرو۔ یہ کس قسم کی وصیت ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتی اور اسپر حضرت فاطمہ ایسی بیوفا نکلیں کہ خاص
اوسی عبداللہ بن عمر سے عقد کریں جسکے بارہ میں اسطرح کی وصیت ہو چکی اور ہزاروں قسمیں کھا چکی
تھیں۔ کیونکر کوئی عاقل اسکو قبول کر سکتا ہے حالانکہ شجاعت اور غیرت عرب کی خصوصاً خاندان
بنی ہاشم کی کسی طرح اسکی متحمل ہی نہیں کہ وہ ایسا خیال کریں شرافت و کریم النفسی خاندان رسالت
کی اسکو جائز رکھ سکتی ہے اس قسم کی تقریر اور قسم اقسام کے بعد خلاف وصیت تو عمل میں آئے
دوسرے یہ گویا کہ جو خیال اپنا حسن مثنیٰ ظاہر کر گئے تھے وہی بجنسہ پورا بھی ہوا کہ اوسی طرح

گھوڑے پر سوار ہوکر تشییع جنازہ کیلئے روانہ ہوئے۔ اس جملہ میں یہ بھی جتایا گیا ہے کہ حضرت حسن مثنےؑ کی ایک کرامت ظاہر ہو جس سے ہر شخص اوسے قبول کرلے۔ تیسرے ایسی جا نثار بی بی اپنے شوہر کے نام پر روتی پیٹتی اوسکے جنازہ کے ساتھ جارہی ہے یہ پیغام دینا کہ میں تم سے عقد کرنا چاہتا ہوں کسدرجہ کی حماقت ہے کہ کوئی عاقل اسکو نہیں قبول کرسکتا۔ صرف اسی جملہ سے پورے قصہ کی بندش کھلی جاتی ہے جو ایک نشانی ہے آیات خدا سے کہ ہر جھوٹھے کے کذب و افترا کو ایسی علامتوں سے ظاہر کردیتا ہے۔ کیا آپ کسی معمولی عورت کی طرف بھی ایسا خیال کرسکتے ہیں کہ جس روز اسکا شوہر مرا اور وہ اسکے مردہ پر رو پیٹتی ہو۔ اس وقت دوسرا کوئی اپنے عشق و تعشق کا اظہار کرے۔ ہرگز نہیں۔ افسوس ہزار افسوس کہ ان ملاحدہ نے خاندان رسالت کی اوتنی عزت بھی رکھی جو معمولی بازاری عورتوں کی ہوتی ہے۔ نہ اپنے خلیفہ زادوں کو اوس درجہ انسانیت میں رہنے دیا جو متوسط درجہ کے شریفوں کا رویہ ہوتا ہے۔ جبھی تو یہ بیان کیا کہ معاذ اللہ اس مجمع عام میں حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ بے مقنع جنازہ کے ساتھ جاتی تھیں۔ جبھی عثمان کے پوتے نے اوس وقت یہ پیغام دلوایا کہ اپنا منہ اتنا نہ پیٹو مجھے اسکی حاجت ہے۔

کوئی ان کمبختوں سے پوچھے کہ عبداللہ بن عمر بن عثمانی اُسی مدینہ کے رہنے والے تھے یا دوسری جگہ کے۔ کیا اس مجمع جنازہ کے بعد پھر اونکو کوئی موقع نہ ملتا جو حضرت فاطمہ کو پیغام بھیجتے اور اپنی حاجت کہلواتے۔ حالانکہ ابھی تک تواریخ یا احادیث سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ معمولی عربی عورتوں کا بھی یہ دستور ہو کہ وہ جنازہ کے ساتھ بیحجابانہ جایا کریں۔ چہ جائیکہ ایسے خاندان شرف میں یہ رسم ہو۔ خدا ان سے سمجھے جو اسطرح تذلیل و توہین اہلبیت طاہرین میں کوشاں ہیں کہ خلاف شرع باتیں اُنکی طرف منسوب کریں خلاف شرافت باتونکی نسبت اونکی طرف کیجائے۔ دستور عرب کے خلاف کر نیکو وہ تجویز ہوں۔ چوتھی ان سب پر یہ اضافہ کیا کہ زمانہ عدہ کے ختم ہوتے ہی یعنی ٤ ماہ دس روز بعد پیغام بھی آیا۔ اور فاطمہ بنت الحسینؑ نے صرف قسمونکا عذر کیا جسے عبداللہ بن عمر بن عثمان نے پورا کیا۔ کفارہ دیا گیا۔ اور عقد ہو گیا۔ حالانکہ خود فصول المہمہ سے نور الابصار میں یہ روایت منقول ہے کہ حضرت فاطمہ الخ

تک قبر پر اپنے شوہر حسن مثنیٰ کی خیمہ ڈالے ہوئے سوگ نشین رہیں۔ جب ایک سال پورا ہوا تو حضرت فاطمہ نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ رات کے وقت خیمہ اوکھاڑ لیا جائے چنانچہ جب خیمہ اوکھاڑا جانے لگا تو ایک ہاتف نے آواز دی هل وجدوا ما فقدوا یعنی کیا پایا اون لوگوں نے اُسے جسے کھویا تھا۔ تو دوسرے ہاتف نے جواب دیا بل یئسوا فانقلبوا بلکہ مایوس ہو کر واپس جاتے ہیں۔ [۱۴۵]

پھر یہ قول کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ بعد انقضائے زمانہ عدہ پیغام آیا اور نکاح ہوا اب اس سے بھی بڑھکر سُنئے کہ حضرت حسن مثنیٰ شوہر فاطمہ بنت الحسینؑ معرکہ کربلا میں شریک تھے اور اپنے چچا کی حمایت میں اونھوں نے بھی شامیوں سے جہاد کیا اور زخمی ہو کر گرے۔ جب شہدا کے سر جدا کیے جانے لگے تو حضرت مثنیٰ میں رمقے جان باقی تھی اسماء بن خارجہ نے جو ایک سردار تھا لشکر یزیدی کا ازراہِ رحم اوٹھا کر اپنے ساتھ لیا اور کوفہ لایا اور علاج کرایا جس سے وہ اچھے ہوئے اور بعدہ مدینہ واپس آئے ۹۷ھ میں ۸۵ کی عمر میں رہگرائے فردوس ہوئے۔ حضرت فاطمہ کے بطن سے تین فرزند اُن کے ہوئے۔ عبداللہ محض۔ ابراہیم غمر۔ حسن مثلث۔ نور الابصار [۱۴۶]

اب اس کے ساتھ یہ بھی ملاحظہ ہو کہ عبداللہ بن عمر بن عثمان جن کے نکاح کا یہ قصہ بنایا گیا ہے حسن مثنیٰ سے ایک سال پہلے مرچکے ہیں جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے بذیل ذکر حوادث ۹۶ھ وفیھا توفی عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان فی ایام الولید بن عبد الملک وفیھا توفی محمد بن اسامہ بن زید بن حارثہ وعباس بن سہل الساعدی ثم دخلت سنۃ سبع وتسعین ھجری

تو آپ بتائیے کہ عبداللہ بن عمر بن عثمان جب ایک سال قبل وفات حسن مثنیٰ جنکی وفات ۹۷ھ میں ہے رحلت کر چکے تھے تو پھر عقد کس سے ہوا اور کس کے غم و فکر نے حضرت حسن مثنیٰ کو مرتے دم یہ صدمہ دیا جسکے لیے یہ قسمیں دی گئیں اور حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ نے مطلق اوس کا خیال نہ کیا۔

خدا سمجھے اِن باحیا ایمان داروں سے جو جوشِ ایمان دولائیں ایسی ردّی تیلیں

بناتے ہیں جو ایک منٹ کے لئے بھی درست نہ رہ سکے اور خود ان دروغگویوں کو فضیحت کرے۔

عقد حضرت ام کلثوم کے متعلق بھی ایسا ہی بیان کر چکے ہیں کہ بعد عمر عقد انکا عون بن جعفر سے ہوا حالانکہ عون بن جعفر خود عہد عمر میں بجنگ تستر شہید ہو چکے تھے جیسا کہ کنز مکتوم و دفع الوثوق میں بوضوح تمام مذکور ہے۔

یا جداہ! یا رسول اللہؐ! میں آپکی اس ناخدا ترس امت کی شکایت بجز آپکے اور کس سے عرض کروں جس نے آپ کے خاندان کے قتل و غارت ہی پر اکتفا نہ کی قید کرنے در در پھرانے سے انکی سیری نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ایسے ایسے اتہام لگائے جس سے اہل ایمان کے دل کانپ جائیں۔ امام حسنؑ کے جنازہ پر تیر چلانا۔ امام حسینؑ پر پانی بند کرنا اور بے آب و دانہ اس بے رحمی سے شہید کرنا۔ اگر بانتقام قتل عثمان تھا تو ان غلط روایتوں اور وضعی حکایتوں کی شہرت کس کے عوض ہے۔ جو دونوں دختر جناب امام حسینؑ کی نسبت یہ اتہام کیا جاتا ہی کہ عثمان کے پوتے عبد اللہ و زید کے نکاح میں آئیں جس سے بڑھکر کیا اتہام ہو سکتا ہے؟

حالانکہ ہم تاریخ کامل صہ۲۳ جلد ۵ سے پہلے لکھ آئے ہیں کہ عبد الرحمن بن ضحاک حاکم مدینہ نے حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ سے درخواست کی تھی بلکہ یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر آپ مجھ سے عقد کرنا نہ منظور کریں گی تو میں آپکے فرزند عبد اللہ محض بن حسن مثنی پر شراب پینے کی تہمت لگا کر حد جاری کرونگا مگر حضرت فاطمہ نے کسی طرح نہ منظور کیا اور خلیفہ یزید بن عبد الملک کے پاس اس مضمون کا قاصد دمشق روانہ کیا جسپر یزید نے عبد الرحمن مذکور کو سخت سزا دی۔ دیکھو صہ۱۱۹ رسالہ ہذا۔

اس واقعہ سے آپ کو اسکا بھی پتہ مل سکتا ہی کہ جب دشمنان دین اُس زمانہ میں اہلبیت طاہرین کے اس درجہ درپے تذلیل و توہین تھے کہ بزور حکومت

واقتدار تہمت لگاکر حد جاری کرنے کی دھمکی دیتے اور عقد کرنے پر مجبور کرتے تو
ان دشمنان دین کو ایک یا دو جھوٹی روایت بنا دینا کیا مشکل ہے جسکے
لئے ابن السمان نے کتاب الموافقة تصنیف کی اور زبیر بن بکار نے
کتاب الموفقیات لکھی - مگر ان حالات کو کیونکر چھپا سکتے تھے جو طشت
ازبام تھے کہ عثمان کے تین چار پشت تک عداوت اہلبیتؑ کا سکہ اوسی تیزی
سے جاری تھا - جسمیں خود عثمان کے پردتے تے ہشام بن عبدالملک سے اسکی
درخواست کی کہ سب جناب امیرؑ پھر جاری کیا جاوے - اور انھیں زبیر کا
پوتا پردتا زبیر بن بکار ہی جو علویوں کو گالی دیتا اور آخر جان بچاکر بغداد بھاگا -
ہاں ان مقدس علماء واضعین کی یہ سرپرستیاں انھیں خلفای ثلثة تک
نہیں محدود رہیں بلکہ خلفاے مروانی کی بھی یوں ہی عزت افزائی کرتے رہے
چنانچہ علامہ ابن اثیر تاریخ کامل میں عبدالملک کے حال میں لکھتے ہیں وقیل
کان عندہ ابنة لعلی بن ابیطالب و لا یصح ص ۱۹ جلد ۴
یعنی کہا گیا ہے کہ عبدالملک کی زوجیت میں ایک بیٹی تھیں علی بن ابیطالب
کی جو کسیطرح صحیح نہیں -
اب غالباً ناظرین کی حیرت دفع ہوگی کہ یہ تیس ہزار ۔ ۴۰ ہزار حدیثیں کن
کن بارونمیں ڈھلتی تھیں اور کیا کیا غرضیں اونکی ہوتی تھیں -
ہاے اون وضاعین وکذابین نے انھیں واقعات پر نہیں اکتفا کی انکا جوش
عداوت خاندان رسالت یہاں تک بڑھا کہ اپنے ہم جنس غلاموں کے لئے
بھی اس قسم کی روایتیں تصنیف کیں - چنانچہ آپکو یاد ہوگا کہ انھیں مسٹر شرر
نے ۱۸۹۳ء کے دلگداز میں ایک مضمون لکھا تھا جسکی سرخی "خاندان رسالت"
تھی جسمیں یہ بیان کیا تھا کہ جناب امام زین العابدینؑ نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت
شہربانو کا عقد زید نامی غلام سے کردیا جسپر خود اونکے ہم مذہب مولوی عبدالحق
صاحب کو نہایت درجہ جوش آیا اور نہایت پرزور تحریر اسکے جواب میں لکھی

جو طوطی ہند میرٹھ میں طبع ہوئی۔ اور اسکے ساتھ بہت سے علمائے اہلسنت کے فتوے بھی تھے کہ اس قسم کا مضمون لکھنے والا فاسق ہے۔
حالانکہ اصلیت اسکی مولوی صدر الدین احمد رضا صاحب حنفی قادری اپنی کتاب رد ایح المصطفیٰ میں بعد نقل روایت مذکورہ بالا لکھتے ہیں "در حقایق المصیبۃ آوردہ کہ امام زین العابدین را مادر رضاعی بود از جواری پدرش اورا بعد واقعہ کربلا بہ نکاح زید دادہ بود انتہی میگوید مولف کہ دل گواہی میدہد بر راستی این بہ نزد او نہ شہر بانو آنوقت کہ عمر او از پنجاہ تجاوز نمودہ قریب بہ شصت رسیدہ وصاحب اولاد بودہ ضرورت نکاح وموقع آں نداشت واللہ اعلم بحقیقۃ الحال" حالانکہ وفات حضرت شہر بانو کی نفاس میں بعد ولادت جناب امام زین العابدینؑ بعہد جناب امیر المومنین بہت سی روایتوں سے ثابت ہی پھر وہ زندہ کہاں تھیں جو عقد ہوتا۔ یہ مضمون انتصار الشریعہ اور دفع الوثوق میں لشرح وبسط لکھا گیا ہی اسلیئے میں نے مختصراً یہاں لکھا ورنہ اس مضمون میں بھی شرر صاحب نے اپنے ولائے خاندان رسالت کا پورا ثبوت دیا ہی کہ اوس غلام زید کو خاندان رسالت کا رقیب بنایا جس سے تمام اہل اسلام سمجھ سکتے ہیں کہاں تک اسلام نے ان کے دلمیں رسوخ پایا ہے۔
یہاں دو چار منٹ کے لیئے آپ اخباری دنیا کی سیر کیجئے جسمیں محکمہ ریوٹر کے نام اسلامی اخباروںمیں ہزاروں جانگزا نوحے لکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ اوس کا قصور اس قدر ہوتا ہی کہ غلط سلط واقعات سلطان روم یا دیگر سلاطین اسلامی کے لکھ جاتے ہیں جو سلطنت سے متعلق ہوتے ہیں۔ جسپر کیا کچھ بلبلاہٹ پیدا ہوتی ہی اور کیسے کیسے کوسنے دیئے جاتے ہیں جس سے آپکو اون مسلمانوں کی قلبی حالت کا اندازہ مل سکتا ہی جو خاندان رسالت کی مودۃ وولا کو جزو ایمان ودین سمجھے ہیں۔ اور پھر روایتیں بھی ایسی ہوتی ہیں جو دلمیں ناسور پیدا کرے۔
یہ سب افترا پردازی اصل میں بمقابلہ اون روایات کے ہی جسے ان کے علامہ کلبی نے اپنے مثالب میں قریش کے کچے چھٹے میں لکھا تھا۔ جو اگرچہ اس زمانہ میں نایاب ہے

تاہم اوسکی نقل ہزاروں کتابوں میں موجود ہے مگر اسمیں اہلبیت طاہرین یا شیعوں کا کیا قصور تھا جنکی ایذا دہی کے لئے یہ سب افترا کیا جاتا ہے۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

وسبحان ربک رب العزۃ عما یصفون

وسلام علی المرسلین

والحمد للہ رب العالمین

ہذا آخر ما اراد ایرادہ العبد الافقر محمد حیدر بن العلامۃ

الفہامۃ السید علی اظہر

فی یوم اربع وعشرین من شہر

رمضان سنہ ۱۳۱۹ھ